UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222881
UNIVERSAL
LIBRARY

زمانہ

مرتبہ دیانرائن نگم بی۔ اے

جلد ۴۲	جنوری سنہ ۱۹۲۴ء	نمبر ۱

فہرست مضامین

تصاویر۔ (۱) لطف موسیقی (رنگین) (۲) مولینا محمد علی (۳) ڈاکٹر سر جیمج بہادر سپرو (۴) کارٹون۔

۱۔ مسلمان اور علوم ہند
از پروفیسر مولینا فدا علیخان ایم اے ۱

۲۔ نظر لکھنوی
از منشی اقبال ورما سحر سنگامی ۸

۳۔ مسئلہ کینیا
از پنڈت کشن پرشاد کول بی۔ اے۔ ۲۱

۴۔ دنیاوی بہشت
از مسٹر ہری رام ۳۰

۵۔ بھاشا کے نو رتن
از مولوی منظور الحق صاحب ۳۵

۶۔ جواہرات عالم
از مسٹر رام سہگل نگم۔ ایم۔ اے ۳۸

۷۔ ستا عرنا کام
از امیر حسن نازنی۔ اے ۴۳

۸۔ محبت کا گنہگار
از مسٹر سردار امتہ پیلی بھیتی ۴۵

۹۔ حقیقت عشق
از مسٹر جعفر علیخان اثر نی اے ۵۳

۱۰۔ فصل بہار
از حضرت فاروقی شاہ پوری ۵۴

۱۱۔ سکون عدم
از جناب راز چاندپوری ۵۵

۱۲۔ کلام حسرت
از مولینا حسرت موہانی ۵۶

۱۳۔ بزم سخن
از حضرات مہاراجا چکبست، پنڈت برج نرائن صاحب، راوی، روحی، رزمی، مجروح آزاد آبادی ۵۷

۱۴۔ رفتار زمانہ
..... ۶۱

۱۵۔ علمی خبریں اور نوٹ
..... ۶۶

۱۶۔ مرقع عالم اور کارٹون

زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا

معمولی ایڈیشن

[illegible] سالانہ ششماہی [illegible] ہندوستان کے لیے ششماہی ہے روپیہ

مردوں کو مرد بنانیوالی چھ اکسیریں

تیار کردہ پنڈت ٹھاکر دت شاستری لاہور

اکسیر نمبر ۱ - اکسیر نمبر ۱ کی طرح تمام مردانہ کمزوریوں کو دور کر کے پھر سے نئی زندگی بخشتی ہے! کمزور کو دلیر بناتی ہے رگ رگ کے اندر جوش جوانی دوڑہ کرنے لگتا ہے اور قدرتی ضبط ساتھ ہی پیدا کرتی ہے اکسیر نمبر ۱ کی جو ہمت نہ جرچ سکیں وہ اسکو منگوا دیں!

قیمت ۶۴ گولی چار روپے للعہ رنمونہ ۴ر

اکسیر نمبر ۱۲ - عشق ... کے مریضوں کے واسطے اکسیر تھمن کی منظور دوائی ہے جو کہ دوسری ادویات کی طرح طاقت کم نہیں کرتی بلکہ ساتھ ساتھ طاقت بڑھاتی ہے۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے! آزماؤ اور مرادیں پاؤ!

قیمت ۳۰ گولی عہ

اکسیر نمبر ۴۰ طلباء اور مجرد لوگوں کیواسطے بہت ہی مقبول دوائی ہے کثرت احتلام ... کو دور کرتی ہے

قیمت ایکروپیہ عہ رنمونہ چار آنے ۴ر

اکسیر نمبر ۳۴ جریان کی منظور دوائی ہے چند دنوں میں ہمیشہ کیلئے آرام آجاتا ہے۔

قیمت ۳۴ - الف عہ رنمونہ ۴ر

قیمت ۳۴ ب عہ رنمونہ ۴ر

اکسیر نمبر ۵۰ سقوی ... ادویات کی سرتاج ہے دنیا میں اسکے برابر مقوی دوائی نہیں مل سکتی ہے چند دنوں کے اندر وہ طاقت دکھاتی ہے جو پہلے کبھی نہ تجربہ کی ہو۔ جو مجبور دلیر قادر بناتی ہے اول ہی دن اثر شروع ہونے لگتا ہے

قیمت ۳۰ گولی چودہ روپے للعہ

۸ گولی چار روپے للعہ

اشوگری ... کے ضعف ... کے ساتھ ساتھ پیشاب کی زیادتی ہے! پیشاب میں شکر آتی ہے تب اس دوائی سے پیشاب میں شکر آنی بھی رکتی ہے دونوں فوائد اکسیر کا استعمال کریں جو ایکبھی دوائی دونوں کو دور کرتی ہے دنیا میں نہیں رکھتی ہے مردانہ کمزوریوں کو دور کرتی ہے بے نظیر ہے!

کے واسطے بے نظیر ہے! للعہ رنمونہ عہ

قیمت ۳۲ گولی چار روپے

طلاء نمبر ۱۴ یونتو طلاؤں کے سینکڑوں مشتہار نکلتے رہتے ہیں اور خوش کرنے کے واسطے لوگ من مانی تعریفیں کر دیتے مگر سچ ہے کہ اس طلاء کے برابر تمام نقائص کو دور کر کے رگ رگ پٹھے پٹھے میں نئی روح پھونکنے والا کوئی اور طلاء نہیں

قیمت چھ روپے عہ رنمونہ تین روپے عہ

طلاء نمبر ۱ اکسیر نمبر ۵۰ کے ساتھ اگر امیر لوگ اسکو استعمال کریں - جو لوگ طلاء نمبر ۱۴ کی قیمت نہیں خرچ سکتے وہ اسکو استعمال کریں یہ بھی تمام نقائص کو دور کرے گا مگر وقت زیادہ لگیگا!

قیمت پانچ روپے عہ رنمونہ ۴ر

رسالہ امراض مخصوصہ مردان جس میں مفصل مردوں کی امراض کی وجہ تسمیہ علامات و علاج درج ہے آدھ آنہ کا ٹکٹ آنے پر مفت ملتا ہے

رسالہ امرت جس میں مشہور و معروف دوائی امرت دھارا کا ذکر ہے وہ بھی مفت ملتا ہے!

المشتہر ہیڈ آفس امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون خط و کتابت و تار کا پتہ

برانچ امرت دھارا روڈ امرت دھارا ڈاک خانہ لاہو امرت دھارا ۱۴ لاہو

زمانہ

(بیالسویں جلد)

(بابت)

جنوری لغایت جون ۱۹۲۴ء

مرتبہ

دیانرائن نگم۔ بی۔ اے

زمانہ پریس کانپور میں چھپکر

دفتر زمانہ کانپور سے شایع ہوا

قیمت سالانہ صہ درجہ اعلےٰ مدہ

فہرست مضامین رسالہ

بابت ماہ جنوری تا جون ۱۹۲۳ء

تصاویر (۱) الطف موسیقی (۲) مولانا محمد علی (۳) ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو صاحب (۴) آرڈیشن گیسو (۵) سنٹ جوزف کانونٹ (۶) عروس دھگوتا (۷) سینیٹاچی اور انسوایا (۸) عبور دریائے اچھندر جی گنگا پار کر رہے ہیں (۹) گرشیم ات (۱۰) راگنی بھیرویں (۱۱) راؤ بارنگ (۱۲) کارٹون -

نمبر شمار	مضامین نشر	نام مضمون نگار	صفحہ
۱	مسلمان اور علوم ہند	جناب پروفیسر مولانا فدا علیخان ایم اے	۱
۲	نظر لکھنوی	جناب منشی اقبال ورما سحر ہنگامی	۸
۳	مسئلہ کینیا	پنڈت کشن پرشاد کول بی اے	۲۱
۴	دنیاوی بہشت	مسٹر ہری رام	۳۰
۵	بھاشا کے نورتن	مولوی منظور الحق کلیم	۳۵
۶	جواہرات عالم	مسٹر رام سرن نگم - ایم - ایس سی	۳۸
۷	[illegible]	جناب امیر حسن ناز بی اے	۴۳
[illegible]	[illegible]	مسٹر سردار احمد پیلی بھیت	۴۵
۹	ترقی زبان	شیخ محمد فضل حق معصم بی - اے (آنرز)	۶۹
۱۰	مسئلہ سرخ و سپید	مرزا منظفر حسین (علیگ)	۷۵
۱۱	جان کیٹس	جناب تماشائی بریلوی بی - اے -	۸۲
۱۲	بھاشا کے نورتن	مولوی منظور الحق کلیم	۹۷
۱۳	جواہرات عالم	مسٹر رام سرن نگم - ایم - ایس سی	۱۰۶
۱۴	قحط الرجال	منشی پریم چند بی - اے	۱۱۰
۱۵	مسلمان اور علوم ہند	جناب پروفیسر مولانا فدا علیخان ایم اے (علیگ)	۱۳۳
۱۶	مرزا حسرت دہلوی	جناب خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی	۱۴۳
۱۷	ہندو مسلم اتحاد	منشی اقبال ورما سحر ہنگامی	۱۵۳
۱۸	بحر ترنم	مسٹر سی آر داس	۱۶۰
۱۹	جواہرات عالم	مسٹر رام سرن نگم ایم - ایس سی	۱۶۵
۲۰	دیوانہ ادب	جناب اعظمی	۱۶۹

نمبر شمار	نام مضمون	نام مضمون نگار	صفحہ
۲۱	عبرت	جناب مسٹر حمید قریشی مالی	
۲۲	مسلمان اور علوم ہند	جناب پروفیسر مولانا خدا علیخان صاحب ایم۔اے (علیگ)	۱۹۳
۲۳	شمس العلما حالی	از مولوی محمد یحییٰ تنہا بی اے۔ایل ایل بی	۲۰۹
۲۴	البانیہ	مولوی محمد حسین حسان پیلی بھیتی	۲۱۷
۲۵	مسز کاٹول کا غصہ	از رائے بہادر راجا رمن بہادر گوسائیں کلکٹر جالون	۲۲۲
۲۶	ہند اور مسلم اتحاد	مسٹر سری رام شرما۔ایم۔اے	۲۲۸
۲۷	ملکی ترقی کا راز	آنند	۲۵۳
۲۸	شیلی	جناب تماشائی بریلوی	۲۶۰
۲۹	بھاشا کے نورتن	مولوی منظور الحق کلیم	۲۶۸
۳۰	وفا کی دیوی	مسٹر جی بی بھٹناگر بی۔اے	۲۸۷
۳۱	جواہرات عالم	مسٹر رام سرن نگم۔ایم ایس۔سی	۳۹۵
۳۲	تعمیری نظام	چودھری نذیر احمد خان۔بی۔ایس۔سی ایل ایل بی	۳۲۱
۳۳	طالسطائی	مسٹر جی۔این۔فرحت کانپوری	۳۲۱
۳۴	امداد باہمی	مسٹر سید عزیز احمد	۳۳۱
۳۵	میر و غالب	مرزا جعفر علیخان اثر بی اے	۳۳۶
۳۶	آزادی	جناب صادق	۳۴۴
۳۷	محبت کا کھیل	جناب سید راز چاندپوری	۳۴۶
۳۸	سید نظام الدین	مولوی ابوالوفا محمد ذکریا مالی	۳۵۹
۳۹	تنقید کتب	جناب اعظمی ۲۳۲ و ۲۹۸ و ۳۴۶ و	۳
۴۰	رفتار زمانہ	.....	۶۱
۴۱	ڈاکٹر ائیٹس	عالی لکھنوی	۱۲۵
۴۲	علمی نوٹ و خبرین	۶۶ و ۱۲۷ و	۳۱۵
۴۳	کارٹون	..... ۶۶ و ۱۳۰ و ۱۵۱ و	۳۷۶

حصہ نظم

۱	حقیقت عشق	مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی	۵۳
۲	فصل بہار	حضرت فاروق شاہجہانپوری	۵۴
	سکون غم	جناب راز چاندپوری	۵۵

نمبر شمار	نظم	نام شاعر	صفحہ
۴	کلام حسرت	مولانا حسرت موہانی	۵۶
۵	ماجرائے ازل	جناب محبوب لکھنوی	۱۱۷
۶	نیچین گھڑیان	جناب حامد اللہ افسر بی اے	۱۱۹
۷	کسیکی قبر	جناب نصیر بھاگلپوری	۱۲۰
۸	جذباب سلیم	مولانا وحید الدین سلیم	۱۸۴
۹	محشر خیال	جناب محشر لکھنوی	۱۸۵
۱۰	شام وصل	جناب تسکین سورنوی	۱۸۶
۱۱	شاعر کی دنیا	جناب راز چاند پوری	۱۸۷
۱۲	لطف موسیقی	جناب ذکی کچھوچھوی	۱۸۸
۱۳	دل سے باتیں	جناب تسکین سورنوی	۲۴۲
۱۴	گورونانک دیو	منشی دلشاد پرشاد ادیب بی۔ اے	۲۴۴
۱۵	عالم انتظار	جناب کلیم عظیم گڈھی	۲۴۶
۱۶	جذبات فراق	جناب رگھوپت سہائے فراق	۲۴۸
۱۷	کلام حسرت	مولانا حسرت موہانی بی۔ اے۔	۳۰۴
۱۸	تحریک اتحاد	جناب اقبال در ماسحر ہنگامی	۳۰۵
۱۹	کلام ناطق	از ابو العلا ناطق لکھنوی	۳۰۷
۲۰	کٹیا کا پھول	مسٹر شیام موہن لعل جگر بی اے،	۳۰۸
۲۱	ایک وجدانی نغمہ	منشی بشیشر پرشاد منور لکھنوی	۳۰۹
۲۲	کتاب	مولوی محمد اسمٰعیل ہاتف بھوپالی	۳۱۰
۲۳	جذبات اثر	مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر لکھنوی	۳۱۱
۲۴	فریاد ناشاد	پروفیسر رام پرشاد ایم اے۔ آئی۔ ای۔ ایس	۳۱۲
۲۵	آربوں کی آمد	مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی	۳۶۶
۲۶	مان	جناب ارشد تھانوی	۳۶۸
۲۷	جذبات فطرت	جناب نازش بدایونی	۳۶۹
۲۸	سہرا	جناب احسن سمبھلی و حضرت اعظمی	۳۷۰

بزم سخن

جناب احسن سمبھلی۔ حافظ۔ جگر۔ ثاقب۔ ذکی۔ ہادی۔ رومی، ندی۔ جگر مرادآبادی ۵۰
جناب ثاقب، جگر، رومی، احسن سمبھلی، شنک، حافظ، ہادی۔ ذکی۔ فرحت بھین ۱۲۱
جناب راز بندکی، فرحت بھین، وارث، ہادی خلیل، مصطفےٰ امانت، واثق، باسط، جگر ۱۹۰
جناب افتخار، تماست، عشرق، ممتاز ۱۳۹
جناب شفاق، بھگوان سنگھ، کاشی پرشاد، فرحت۔ بزمی، شاد، گداز، منا، نسیم، امانت، چترا، الفت حسین ۹۴
جناب جگر، رواں، فرحت، ثاقب، ہادی، وارث، ذکی، ۱۲ آرزو شک، ۳۴۲

زمانہ

جلد ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۱

مسلمان اور علوم ہند

ہنوز ہجرت کا پہلا ہی قرن اور خلیفہ ثانی عمرؓ فاروق کا عہد حکومت تھا کہ عربون کو ہندوستان کے ساتھ آمد و رفت و تعلقات پیدا کرنے کی نہ صرف خواہش ہوئی بلکہ عملی کوشش شروع کر دی مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے بصرہ کی بنیاد اسی غرض خاص سے رکھی تھی کہ ہندوستان و ایران کے بحری راستون پر قبضہ ہو۔ اس ملک سے رابطہ پیدا کرنے کی ان کوششون کو اُنکے جانشینون عثمانؓ و علی (رضی اللہ عنہما) اور خاندان بنی اُمیہ کے تاجدارون نے بھی باوجود اندرونی انقلابات و خانہ جنگیون کے برابر جاری رکھا، مگر جبتک کہ ولید اول کے عہد حکومت مین ولایت سندہ کو محمد بن قاسم نے فتح کر لیا اس ملک کی زبان اور ادبیات سیکھنے کا اونہین موقع ملنا ممکن نہوا۔ اسکے بعد بھی تقریباً نصف صدی تک فاتحین مفتوحین کے خزاین علوم کیطرف توجہ کرتے نہین نظر آتے جسکے سیدھی سادی کھلی وجہ یہی تھی کہ ابتک اونہین انکی قدر و قیمت کا پہچاننا ہی نہ آتا تھا۔ اُنکے خاص علوم کے وہ شعبے بھی جنکی وہ سب سے زیادہ عظمت و وقعت کرتے تھے یعنی تفاسیر قرآن اور احادیث نبوی ہنوز ضبط تحریر مین نہ آے تھے اور جس طرح ازمنہ قدیم مین ویدون کی تعلیم و تلقین بے وساطت تحریر زبانی ہوا کرتی تھی اُسی طرح ابتک مسلمانون کے یہ علوم بھی محض حافظہ کے زور سے بے مدد کتاب زبانی ہی پڑھائے جاتے تھے۔ جس زمانہ کا یہان ذکر ہے اُس زمانہ مین یہ لوگ لکھنے پڑھنے سے فقط بے اعتنائی ہی نہین برتتے تھے بلکہ اوسے بہت

---

۱۰ اگست ۱۹۲۳ء کو بمقام ڈھاکہ یونیورسٹی کی انجمن تاریخی کے سامنے پڑھا گیا تھا۔

برا سمجھتے تھے اور اپنی مقدس معلومات کے سرمایہ کو کتاب کے حوالہ کرنا خطرناک جانتے تھے۔ اس نفرت و خوف کے اسباب و وجوہ بھی تھے مگر اُن کے بیان کرنے کا یہ محل نہین۔ ہجرت سے تقریباً ڈیڑھ سو برس تک اُنکے علم بے کتابت ہمپایۂ جہالت کی یہی حالت رہی۔ علمائے اسلام کی ہر قسم کے کتابی علم سے سخت نفرت اور برہمنون کے ویسے ہی قوی اور گہرے تعصبات پر نظر رکھی جائے جو غیر ہندو تو غیر ہندو خود نیج ذات ہندؤن کو بھی اپنے مقدس خزانون کے پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے تو فاتحان سند ایک عرصہ تک اس دولت سے ناواقف رہنے پر ہدف ملامت نہین بنائے جا سکتے۔

بنی اُمیہ کی حکومت کے خاتمہ اور بنی العباس کی سلطنت کے آغاز کے ساتھ جنہون نے علوم کی پرزور محبت اپنے برگزیدہ و روشن دماغ جد امجد حضرت ابن عباس سے میراث مین پائی تھی جہالت و تعصب کی گھنگھور گھٹائین جلد کافور ہوگئین، علم و حکمت کا آفتاب چمکنے لگا۔ خاندان عباس کے پہلے فرمان روا ابوالعباس سفاح کو صرف قریب ڈھائی سال کے حکومت کرنا نصیب ہوا اور علوم و فنون کی سرپرستی تو رہی ایکطرف اُس عظیم الشان سلطنت کے ضبط و استحکام کی بھی مہلت نہ ملی جو یون اچانک اُنکے ہاتھ لگ گئی تھی۔ مگر اس خاندان کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور دوانقی کے عہد دولت مین جبکہ مسلمانون نے اول اول غیر زبانون کا سیکھنا اور اُنکے ادبیات کا مطالعہ شروع کیا تو یونانی فلسفہ و طب کے ساتھ ہی ساتھ اور اوسی مقدار مین اُنکی توجہ ہندوستانی علوم فنون کیطرف مبذول ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی طب، نجوم، جبر و مقابلہ، اور حساب کا مطالعہ اونہون نے یونان کے علوم مذکورہ سیکھنے سے بہت پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ اور ان کے ہاتھون مین ان علوم نے جو نشو و نما پائی اور ترقی کی اُسپر اس واقفیت نے گہرا اثر ڈالا۔ انہین علوم اور دیگر ادبیات ہند کے عربی فارسی اور اردو مین منتقل ہونے کی تاریخ مین اسوقت بہ اختصار آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہون۔

نجوم | عرب ہندی نجوم اور علوم اعداد سے اس سے بہت پہلے واقف ہو چکے تھے کیونکہ یونانی نجومیون اور ریاضی دانون کی تصانیف اُنکی نظر سے گذر چکی تھین ہندوستان مین جو تین نظام نجومی رائج تھے اُن تینون سے عرب خاندان عباس کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور دوانقی ہی کے زمانہ مین وقوف حاصل کر چکے تھے یعنی اس سے بہت پہلے محمد ابو الوفا بزجانی کی چوتھے صدی ہجری کی لکھی ہوئی شرح

دیوفانتوس اون کی نظر سے گزری تھین ابن الادمی کے نقشجات نجومی کی تمہید مین جنہین القاسم نے ۳۳۸ھ ہجری مطابق ۹۴۰ء عیسوی مین شائع کیا لکھا ہے کہ خلیفہ منصور مذکور کے زمانہ مین ایک اپنے فن کا ماہر کامل ہندوستانی جوتشی خلیفہ کے دربار مین پہنچا اور مساوات سیارگان کے نقشے معہ کسوف وخسوف و عروج بروج کے بیانات کے اپنے ہمراہ لایا اور کہا کہ یہ نقشجات ایک ہندوستانی راجہ کے حسابات سے ماخوذ ہین جسکا نام عربی مصنفون کی رسم خط مین بگڑ بگڑا کر فیغر ہوگیا ہے۔ خلیفہ نے اس موقع کو غنیمت جانکر اور اس اتفاق حسنہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھکر اس کتاب کے ترجمہ اور اشاعت کا حکم صادر کردیا کہ ستارون کے متعلق تمام امور مین عربون کی رہنما ہو۔ چنانچہ یہ کار بزرگ محمد بن ابراہیم الفزاری کے سپرد کیا گیا جسکا ترجمہ منجمون مین آجتک سند ہند یا ہند سند بزرگ کے نام سے معروف ہے۔

ابن الادمی کی رائے مین اسکے معنی الدھر الداھر (گردش کرنیوالا زمانہ) اور مسعودی اور بعض دوسرے لوگون کی رائے مین دھر الدھور (زمانون کا زمانہ) ہین، چونکہ سند ہند اور برہمگپتا کے پیتھہ یا برہمہ سدھانت کے نظام متعدہین ہم بے خوف یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ اول الذکر آخر الذکر پر مبنی ہے۔ یہ برہمگپتا ساتوین صدی عیسوی کے نصف اول مین وراہمہرا کے بعد سب سے چمکتا ہوا ہندی جوتشی تھا۔ الفزاری کی یہ تصنیف جو ہندی نظام نجومی سے ماخوذ تھی چھٹے عباسی خلیفہ المامون کے زمانہ تک برابر مسلمانون مین متداول رہی۔ اس خلیفہ کے حکم سے محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اسکا خلاصہ کیا جو اُسوقت سے لیکر آجتک سند ہند خرد کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ یہ خلاصہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ مذکور کے واسطے اوسکی شاہزادگی کے زمانہ مین کیا گیا تھا۔ اس مصنف نے اسی قسم کے نقشجات نجومی خود بھی ترتیب دیے، جن مین ہندی نقشجات کی ترمیم و اصلاح کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ بڑے نقشجات بھی جنکو زمانۂ مابعد مین ابن الادمی نے مرتب کیا اور القاسم نے تکمیل کو پہنچایا ہندی نجوم ہی کی بنیاد پر قائم کئے گئے تھے۔ نجومی نقشجات کا ایک اور ان سے پیشتر مجموعہ وہ ہے جسے المامون کے زمانہ مین بغداد کے نجومی جلس نے مرتب کیا۔ اسی طرح سند ہند پر مبنی متعدد اور نقشجات کی تیسری صدی ہجری مین اشاعت کی گئی جن مین سے فضل بن حاتم ناظری اور ابوالحسن بن مصباح کے مولفات خاص طور پر قابل ذکر ہین۔

ابوریحان بیرونی نے الآثار الباقیۃ کے دیباچہ مین جو اپنے تصنیفات کی فہرست دی ہے

اُسمین برہمگپتا کے سدہانت کے عربی ترجمہ سند ہند پر بھی ایک رسالہ کا ذکر کیا ہے۔

ہندوستان کے باقی دو نظامون یعنی آریہ بھٹہ اور ارکہ کے نظامون سے بھی عرب بالکل ناواقف نہ تھے۔ آریہ بھٹہ کی ذرا بگڑی ہوئی عربی شکل ارجبہر سے عرب مصنف نجومی آشنا معلوم ہوتے ہین۔ رہا یہ کہ آریہ بھٹہ سے ارجبہر کیونکر بن گیا تو اسکی توجیہ نہایت آسان ہے۔ آریہ کے الف ممدودہ کو مقصورہ سے اور آخری یائے مفتوح کو جیم ساکن سے بدلا تو ارج ہو گیا۔ یہ تغیر عربون نے نہین کیا بلکہ خود ہندی زبانون مین ارج بجائے آریہ کے کثرت سے آتا ہے۔ بھٹ کی آخری تائے مفتوح کو ساکن کیا تو بھٹ ہوا۔ (ٹ) اور (ڈ) کا ہندوستانی زبانون مین کثرت سے مبادلہ ہوتا ہے لہذا بھٹ سے بھڑ بنا جیسا کہ مرہٹی لفظ بھڑجی مین یہان تک تو سب کا یا پلٹ ہندوستان ہی مین ہوئی۔ ڑے کا رے سے مبادلہ بھی اگرچہ ہندوستان مین ایک عام بات ہو مگر اس لفظ مین یہ تغیر بظاہر عربون ہی نے بمجبوری کیا کیونکہ ڑے اُنکی زبان مین ہے ہی نہین۔ ارکہ کو عرب ارکند کہتے ہین اور یہ خرابی ہندی مین ہنوز رائج ہے۔ بیرونی کی تصنیفات مین ہمین پھر ایک رسالہ "قانون ارکند کا جدید نسخہ در برہمگپتا کے کھنڈ کھادیکہ کا عربی ترجمہ" کے نام سے ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سنسکرت کی تصنیف مذکورہ کا عربی ترجمہ بیرونی کے زمانہ تک موجود تھا مگر مترجم کے نام اور زمانہ کے متعلق بیرونی بھی ہمین اوسی طرح تاریکی مین چھوڑتا ہے جس طرح اس سے پہلے تھے۔

آریہ بھٹہ اور برہمگپتا کے علاوہ اسی زمانہ مین یعنی منصور، رشید اور مامون اور اوسکے قریبی جانشینون کے زمانہ مین اور بھی بہت سے ہندی منجمون کی تصانیف کے عربی مین ترجمے ہوئے۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء مین ایک درجن سے زیادہ ایسے نام موجود ہین مگر اسطرح خراب خستہ، لولے لنگڑے اور عربی خط مین ایسے مسخ شدہ کہ انکی سنسکرت اصلون کا یقینی طور پر کھوج چلانا خصوصًا اوس شخص کے لیے جو زبان سنسکرت اور ہندی نجوم کی تاریخ سے ناواقف ہو قریبًا ناممکن ہے۔ مثلاً اوس ہندی منجم کا نام جس سے ابو معشر جعفر بن محمد بلخی نے وہ معلومات اخذ کی ہین جنھین وہ اپنی تصنیف کتاب الالوف مین ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور جنکو وہ ہندی فلسفیون اور ریاضی دانون مین سب سے سربرآوردہ بتاتا ہے عربی رسم الخط سے اکثر ہندی حروف اور کل اعرابون کے مفقود ہونے کے سبب سے بہت سے مختلف طرزون سے پڑھا جا سکتا ہے؛ عربی مصنف اسکا نام کنکمہ لکھتے ہین جسے ہم

کنکہ، کنکھ، گنگھ وغیرہ وغیرہ پڑھسکتے ہین۔ صاحب عیون الانباء اس گمنام ونشان ہندی فلسفی کو زمانہ قدیم کے سب سے زیادہ ذی علم لوگون مین بتاتا ہے جو اپنے زمانہ مین اجرام سماوی اور حرکات سیارگان کے علم مین اپنا نظیر نرکھتا تھا۔ اوسکی تصنیفات کی نسبت اسی مصنف کا بیان ہے کہ سب کا عربی مین ترجمہ ہوچکا ہے اور یہ کہ ان مین سے اوسکی کتاب النموذار (جنم پترون کی کتاب) کتاب القرانات الکبیر (سنجوگون کی بڑی کتاب) اور کتاب القرانات الصغیر (سنجوگون کی چھوٹی کتاب) خاصکر سزاوار ذکر ہین۔ اور بھی بہت سے ہندی حکیمون، طبیبون، اور منجمون کے اسی طرح بگڑے ہوئے نام جنکی تصانیف کے زمانۂ زیر بحث مین عربی ترجمے کیے گئے مصنف مذکور نے صنجہل، باکھر، راجہ، داہر، انجر، زنجل، جبہر، جاری، جودر، منکہ وغیرہ بتایا ہے اور کہتا ہے کہ ان مین سے ہر شخص بہت سی کتابون کا مصنف اور نجومی نظریون کا موجد تھا۔

اب ظاہر ہے کہ جبتک انسان ان ترجمون اور اصلی کتابون دونون سے بخوبی واقفیت نہ رکھتا ہو اور یون دونون کے مقابلہ وموازنہ پر قادر نہوا ان مسخ شدہ لفظون کی سنسکرت اصلون کا پتہ چلانا ناممکن ہے۔ مگر ان ظاہر الاشکال معمون کی سنسکرت کے ساتھ تطبیق سے ہمارا قاصر رہنا کوئی معقول وجہ اس امر کی نہین ہوسکتی کہ اتنے بہت سے مسلمان مورخون کی شہادت پر شک وشبہہ کیا جائے جو اپنے راستبازی وراستگوئی مین ضرب المثل ہین اور جنکے بیانات کی محرک وہ خواہش بھی نہین ہوسکتی جو ناظرین مین سے بعض حضرات شاید میرے سر تھوپنے پر مائل ہون، علاوہ ازین فہرست مذکورۂ بالا مین آخری نام تو ایک ایسے شخص کا ہے جو مدتون خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص تھا اور اسلیے کوئی عاقل اوسکے وجود سے انکار کی جرأت نہین کرسکتا۔

مابعد کے زمانون کیطرف آتے ہین تو ہماری مڈبھیڑ اوس اعجوبۂ روزگار ابوریحان بیرونی سے ہوتی ہے جس نے مثل ابومعشر اور محمد ابن اسمٰعیل تونخی کے ہندوستان مین رہکر اور برہمنون سے میل جول پیدا کرکے سنسکرت زبان سیکھی۔ سنسکرت کی بہت سی تصانیف کا عربی مین ترجمہ کیا کئی ایک عربی کتابون کا اپنے پنڈت دوستون سے سنسکرت مین ترجمہ کرایا اور خود ہندی علوم خصوصاً نجوم پر جسکا وہ سب سے زیادہ مداح تھا متعدد کتابین لکھین۔ اوسکے گل سرسبد یعنی کتاب الہند کا زیادہ تر حصہ نجوم اور حسابات نجومی ہی کے مذر ہے۔

برہمہ سدھانت پر ایک رسالہ کے علاوہ جسکا نام جوامع الموجود لحواطر الہنود فی حساب التنجیم ہے اور قانون الارکند کے سوا جسکا ذکر اوپر آچکا اوس نے وراہمہر اکی مشہور کتاب لگھو جاتکہ (چھوٹا جنم تیرا) کا ترجمہ کیا۔ جرمن عالم سخاؤ نے کتاب الہند کی تمہید مین اس مصنف کی بائیس کتابون کی جو فہرست دی ہے اوس مین ہمین کئی رسالے اسی مضمون پر ملتے ہین۔

دہلی کے متقی بادشاہ سلطان فیروز شاہ تغلق کو سنسکرت اور اُسکے ادبیات سے جو دلچسپی تھی اُسکا حال مولینا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین یون تحریر فرمایا ہے "اس زمانہ (یعنی مدت قیام نگرکوٹ) مین لوگون نے حضور کے کانون تک یہ بات پہنچائی کہ یہان جوالامکھی (تابندہ روے) نامی مندر مین پُرانے زمانہ کے برہمنون کی لکھی ہوئی ایکہزار تین سو کتابون کا ذخیرہ ہے۔ اعلیحضرت نے ان کتابون کو منگوا کر اکثر کا فارسی مین ترجمہ کرایا۔ اور منجملہ ان کے نجوم کی ایک کتاب کو دربار کے مشہور شاعر عزالدین خالد خانی نے دلائل فیروزی کے نام سے فارسی مین منظوم بھی کیا۔ ۷۷۰ھ ہجری مین شہر لاہور مین مینے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا مگر اسقدر تحسین و آفرین کے لایق نہ پایا۔ فیروز شاہ کے حکم سے ترجمہ کی ہوئی دوسری کتابین بھی مینے پڑھی ہین بعض ان مین سے موسیقی پر ہین بعض فن کشتی گیری پر باقی اور مختلف مضامین پر ہین مگر زیادہ تر روی اور نکمی ہین"۔ ملا عبد القادر بدایونی کی اس مذمت کا منشا خشک مغزی و تعصب معلوم ہوتا ہے کیونکہ مصنف سیر المتاخرین لکھتا ہے کہ سلطان فیروز شاہ دلائل فیروزی کو پڑھکر ایسا خوش ہوا کہ اوس نے مصنف کو ایک گران بہا صلہ اور وسیع جاگیر عطا فرمائی، یہ کتاب اوسے ایسی پسند تھی کہ بار بار پڑھوا کر سنا کرتا تھا۔ مآثر رحیمی کا مصنف بھی اس کتاب کا ان لفظون مین مداح ہے "فقیر مطالعۂ آن کتاب نمودہ ام۔ الحق کتابیست مشتمل بر اقسام حکمت علمی و عملی"۔

اکبر کے زمانہ کے ترجمون کی جو لانبی فہرست بدایونی نے دی ہے، اُسمین نجوم کی کسی کتاب کا ذکر نہین پایا جاتا مگر ہمین یقین ہے، کہ بدایونی نے اُنہین ترجمون کی فہرست دی ہے جن سے اونہین بے واسطہ یا بہ واسطہ ذاتی تعلق تھا، بخلاف اسکے آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی، چند، گنگا دھر، مہیش اور مہانند کی مدد سے ملا شیری نے سنسکرت کی ایک ضخیم کتاب تنجیم کا فارسی مین ترجمہ کیا۔ اصل کتاب اور مصنف کا نام قلم انداز کرکے فارسی ترجمہ کا نام ابو الفضل نے نتیج جدید سیر زائی بتایا ہے۔ آگے چلکر وہ نجوم کی ایک اور مفید تصنیف کتاب تاجک کی نسبت لکھتا ہے کہ محمد خان گجراتی نے بحکم شاہنشاہ

اسکا فارسی مین ترجمہ کیا۔

کاشمیر مین سلطان زین العابدین نے جو محکمہ ترجمہ قائم کر رکھا تھا اوس سے شائع ہونیوالی کتابون کی نافص فہرستون مین بھی علم نجوم کی کسی تصنیف کا ذکر نہین آتا مگر چونکہ یہ دارالترجمہ بہت زمانہ تک برابر ایک بڑے بدیا وان برہمن کی زیر نگرانی قائم رہا اور اسکے تمام کارکن بھی بڑے بڑے پنڈت تھے، اسلیے نہایت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے اپنے ادبیات کی اس بارور شاخ سے سراسر غفلت برتی ہو،

(باقی) فدا علیخان رامپوری ایم اے (علیگ)

ہندوستان کی مستورات بلحاظ تعلیم

نام فرقہ	ناخواندہ	خواندہ	انگریزی دان
ہندو	۱۰۵۹۰۵۹۰۴	۸۱ ۴۸۱۰	۲ ۳۶۵۹
سکھ	۲۲۶۲۳۲۷	۱۷۲۸۰۰	۲۳۸
جینی	۵۸۰۵۰۹	۲۴۱۲۰	۲۰۹
بدھ	۵۱۱۷۷۲۸	۳۱۷۳۳۸	۱۳۸۳
پارسی	۱۷۷۵۵	۳۱۲۱۸	۸۳۴۷
مسلمان	۳۱ ۷۴ ۶۰۰۵	۱۳۷۸۰۰	۲۹۴۰
عیسائی	۱۶ ۱۳۱۷۷	۲۵۲۲۹۵	۱۱ ۲۶۴۳

جناب نظر لکھنوی مرحوم

مجکو نظر آنجہانی کی قدمبوسی سے فیضیاب ہونے کا موقع اُسوقت نصیب ہوا جبکہ وہ اخیر مرتبہ دفتر زمانہ کانپور مین قیام پذیر تھے اور رسالۂ زمانہ واخبار آزاد کی ادارت مین اپنی بیمثیل دماغی قابلیت کے ذریعہ قرار واقعی مدد دے رہے تھے۔ یہ اگست یا ستمبر ۱۹۱۳ء کی بات ہے۔ وہ محض حسن اتفاق تھا کہ اڈیٹر صاحب زمانہ سے ملنے کے لیے جانے پر مین مرحوم سے بھی مل سکا؛ ملنا کیا تھا؛ شاید زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر تک چند ایسے کلمات کا سن لینا جو اُنکی زبان سے وقفہ کے ساتھ ادا ہو جاتے تھے کیونکہ اُسوقت مرحوم اپنے ادارتی کام کی انجام دہی مین حد درجہ منہمک تھے۔ البتہ اُس سرسری ملاقات سے اتنا ضرور ہوا کہ مجکو مرحوم سے روشناس ہونے کے لیے کافی وقت ملگیا اور دلپر ایک ایسا اثر پڑا جو اہل کمال کے قربت سے صرف چند لمحون مین بھی یقیناً پڑجایا کرتا ہے۔ مجھے اِسوقت جہانتک خیال ہے۔ نظر مرحوم ایک دُبلے پتلے، گندمی رنگ کے، میانہ قد بزرگ تھے۔ اُنکے بشرہ سے شرافت۔ متانت اور ذہانت کے آثار نمایان طریقہ پر آشکارا تھے اور ساتھ ہی اُسمین سلسل غور وفکر سے پیدا ہو جانے والی نمود کا بھی شائبہ نظر آتا تھا۔

نظر مرحوم لکھنو کے مردم خیز خطہ مین پیدا ہوئے تھے۔ اُنکا سنہ ولادت ۱۸۶۶ء تھا اور اُنکا تعلق ایک ایسے معزز کایستھ خاندان سے تھا جسکے ممبر لکھنؤ کے شاہی زمانہ مین اچھے اچھے عہدون پر مامور رہ چکے تھے۔ لیکن جو اعزاز کہ خاندانی عزت وقدامت کے بناؤپر حاصل ہوتا ہے وہ حقیقی اعزاز نہین ہوتا اور نہ دنیا کی ممتاز ہستیان محض ایسے اعزاز کے حصول پر قانع ہوسکتی ہین وہ اپنے لیے خود ہی عزت ونامور ی کے ایسے خاص ذرائع پیدا کرلیتی ہین۔ جن سے بالآخر اُنکی خاندانی شہرت کے آسمان کو بھی چار چاند لگ جاتے ہین۔ نظر مرحوم کے نسبت بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے وہ ایسے مقام مین پیدا ہوئے تھے جسکے ساتھ آتش وناسخ، دبیر وانیس،

امیر و جلال جیسے اُستادان سخن کے تعلقات وابستہ رہ چکے ہین اور جو اسوقت بھی "شعر و سخن کی سر زمین" کہلائے جانے کا بڑی حد تک سزاوار ہے۔ مرحوم نے اسی سرزمین کے ادبی آب و ہوا مین پرورش پائی تھی انکو قدرت کی جانب سے ایک اثر پذیر دل عطا ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی نشو و نما کی حالت مین ہوتے ہوئے اُس آب و ہوا کے لطف آگین اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اکتساب علوم کے ساتھ ساتھ اُن کی نکتہ سنج طبیعت نے اپنا قدرتی رنگ دکھلانا شروع کیا۔

جناب آغا مظہر لکھنوی مرحوم پڑے پایہ کے شاعر تھے وہ اسقدر محتاط تھے کہ اُن تلمذ حاصل کرنا ہر شاعر کا کام نہ تھا۔ نظر کی عمر صرف (۱۷) سال کی تھی جبکہ لکھنو کے کسی خاص شاعر مین اُنھون نے بھی اپنی غزل پڑھی۔ یہ غزل مظہر صاحب کی دی ہوئی اصلاح سے مزین تھی گویا اُنھون نے اُسی وقت سے ہونہار نوعمر شاعر کو اپنے زمرۂ تلامذہ مین داخل کر لیا تھا قابل اُستاد نے اپنے وسیع تجربے کے رو سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اُنکی نظر انتخاب ایسے نوجوان پر پڑی ہے جو آیندہ کسیوقت اُنکی نیکنامی مین کافی اضافہ کریگا اور حضرت مظہر کا یہ خیال کسیطرح بھی غلط ثابت نہین ہوا۔ نظر مرحوم نے اُنھین سے اکتساب فن بھی کیا اور اکتساب کمال بھی حتےٰ کہ اپنی نازکخیالی و پختہ مشقی کے بدولت وہ بالآخر خود ہی ایک کامیاب اُستاد بنگئے۔ ان باتون سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم اوائل عمر ہی کے زمانہ سے کسقدر طباع و ذکی واقع ہوئے تھے اسی طباعی و ذکاوت فطری نے آگے چلکر دنیاے ادب مین وہ وہ کارنمایان کیے کہ آج نظر مرحوم کا شمار لکھنو کے نامی اساتذہ مین یقیناً کیا جاسکتا ہے جسکے وہ بہمہ وجوہ اہل تھے۔

سب سے پہلا علمی کام جسکو نظر آنجہانی نے ایک مستقل صورت مین شایقین علم و ادب کے سامنے پیش کیا وہ "خدنگ نظر" نامی ماہوار رسالہ کا اجرا تھا۔ یہ رسالہ ستمبر ۱۹۰۷ء مین لکھنو سے شایع ہوا۔ کئی سال ہوئے کہ مجھے اتفاق سے اس پرچہ کی چند پرانی کاپیان مل گئی تھین اور جو میری غفلت سے تھوڑے ہی دنون بعد ضائع بھی ہوگئین۔ یہ رسالہ دراصل اُردو غزلیات کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا۔ اُسوقت ملک مین اس قسم کے گلدستون کو نکالنے کا رواج بھی تھا مگر خدنگ نظر مین بعد کو کچھ نثر کے مضامین بھی چھپنے لگے تھے۔ جناب آغا مظہر مرحوم نے بھی اس رسالہ کو کامیاب بنانے مین خاصی مدد دی تھی غزلیات کی فراہمی کے لیے اُنھون نے مشاعرون کے انعقاد کا کافی

بندوبست کیا تھا۔ غرضکہ اسباب کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ شعرائے وقت کا کلام زیادہ سے زیادہ پیمانہ پر دستیاب ہو سکے اور "خدنگ نظر" ایک چوٹی کا رسالہ ہو۔ وقت کے لحاظ سے پرچہ بھی واقعی شاندار تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود بھی وہ چند سالوں سے زیادہ نہ رہ سکا نظر مرحوم کو اسکے بند ہو جانے کا رنج تمام عمر رہا۔ خیر ازاں بعد وہ ۱۹۰۴ء مین رسالہ زمانہ (کانپور) کے سب اڈیٹر مقرر ہو گئے اور میری ناچیز رائے کے موافق نظر صاحب کے علمی مساعی سے جسقدر زمانہ کی ابتدائی شہرت مین اضافہ ہوا اُسی نسبت سے اُنکی ذاتی شہرت کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

جنوری ۱۹۱۰ء مین انڈین پریس الہ آباد سے اُردو کا مشہور ماہوار رسالہ ادیب بڑی آب و تاب کے ساتھ نکلا۔ نظر مرحوم اُسکے اوّل اڈیٹر تھے ادیب کی یاد سے دل مین ابتک کسی قدر بیچینی ضرور ہو جاتی ہے اسکو اُردو زبان کی بدنصیبی ہی کہنا چاہئے کہ ایسا اچھا اور ہونہار پرچہ ساڑھے تین سال سے زیادہ جاری نہ رہ سکا اور اُس سے نظر صاحب کا تعلق تو صرف ڈیڑھ سال کے قریب رہا۔ اُنھون نے جس غیر معمولی قابلیت کے ساتھ رسالہ کو ایڈٹ کیا تھا اُسکی شہادت ادیب کے اوراقِ کہنہ سے آج بھی مل سکتی ہے۔ بہرحال یہ کہنا بیجا نہو گا کہ نظر مرحوم کی جس ادبی شہرت کا آغاز "خدنگ نظر" کے اجرا سے ہوا تھا اور بعدہ جسکی ترقی مین رسالہ زمانہ کی سب اڈیٹری نے معقول مدد دی تھی۔ وہ بالآخر ادیب کے زمانۂ ادارت مین قریب قریب اپنی حد تکمیل کو پہونچگئی تھی ادیب سے الگ ہو جانے کے کچھ دنون بعد یعنی ۱۹۱۲ء مین وہ پھر زمانہ کے دفتر مین چلے گئے اور اس مرتبہ اُنکا قیام وہان تقریباً دو سال تک رہا۔ اُنکی موجودگی سے پرچہ مین ایک قابل قدر دلکشی پیدا ہو گئی تھی۔ اڈیٹر صاحب زمانہ کی ندرت آفرینیون کی شمولیت سے ایسا ہونا بالکل ایک قدرتی امر تھا۔ اُسوقت رسالہ زمانہ مین دو ایک نئے عنوانون کا اضافہ بھی کیا گیا تھا۔

۱۹۱۴ء مین نظر صاحب بسلسلۂ ملازمت نولکشور پریس لکھنو مین چلے گئے اور وہان سے نکلنے والے روزانہ اودھ اخبار کو ایڈٹ کرنے لگے۔ اس اخبار سے مرحوم کا تعلق سالگذشتہ تک رہا علمی مشاغل مین مصروف رہنے والے اشخاص کی زندگی اور بالخصوص شاعر کی زندگی

بالعموم ایک سخت محنت کی زندگی ہوتی ہے۔ شاعر کے لیے ایک نامور شاعر بنجانا کوئی آسان کام نہین ہے اسکے لیے اُسے اپنا لہو پسینہ ایک کر دینا پڑتا ہے۔ شاعر کی مثال اُس چیز سے دیجاسکتی ہے۔ جو جلنے پر ہی خوشبو دیتی ہے۔ شہرہ آفاق انگریز مصنف اسمائلز کا بھی قول ہے۔

"شاعر کا تاج، شہید کا تاج ہوا کرتا ہے" اسکے علاوہ اگر اُسے کسب معاش کی فکر دامنگیر ہو تو پھر اُسکی جانکاہیون کا کیا ٹھکانا؟ نظر صاحب کی حالت مین بھی صرف یہی ساری باتین وقوع پذیر نہین ہوئی تھین بلکہ مزید برآن انکو اپنے عزیز ترین اقربا کی بیوقت موت کا غم بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر دو ڈھائی برس سے مرحوم کی صحت زیادہ خراب رہنے لگی۔ اس خرابی نے ضیق النفس کی صورت اختیار کی اور وہ بالآخر اس عارضہ کے سبب ۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء کو آٹھ بجے صبح صرف ۵۶ سال کی عمر مین یکایک انتقال فرماگئے۔ اُردو کے موجودہ انحطاط کے زمانہ مین یہ اُمید نہین کی جاسکتی کہ نظر صاحب کی قبل از وقت وفات سے جو مخصوص جگہ بزم ادب مین خالی ہوگئی ہے وہ جلد ہی پُر ہوسکے۔ جناب محشر لکھنوی نے ذیل کے دلچسپ شعر مین مرحوم کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

کلک محشر نے لکھا سالِ وفات شاعر کامل نظر سے چھپ گیا ۱۹۰۶

مجھ ہیچمدان کی یہ بساط نہین کہ نظر جیسے فاضل ادیب و مایۂ ناز سخنور کے علمی کارنامون پر تبصرہ کرسکون۔ مرحوم سے میرا کوئی خاص تعارف نہین تھا۔ البتہ مجھے اُنکی ذات بابرکات سے ایک فائبانہ عقیدت ضرور تھی۔ ایسی عقیدت کی اقتضا سے مجبور ہوکر مین اپنی رائے کا اظہار کیے بغیر نہین رہ سکتا مرحوم کی زندگی کا بیشتر حصہ ایک ایسے زمانہ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اُردو شاعری کی دنیا مین غزل گوئی کا عام رواج تھا اور جبکہ کسی شاعر کا صاحب دیوان ہونا ہی ایک بہت بڑی بات خیال کیجاتی تھی۔* غزل کی صنف فی الواقع ایسی صنف ہے جو اپنی معنوی خصوصیت کے اعتبار سے عشق حقیقی یا عشق مجازی دلکے مختلف جذبات کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتی ہے، عشق کا خاصہ سوز و درد ہے۔ بس ظاہر ہے کہ ایک غزل گو شاعر کے دل مین سوز و درد کا مادہ

* یہ نہین کہا جاسکتا کہ ایسا رواج یا خیال اسوقت بالکل مفقود ہوگیا ہے لیکن دنیائے ادب فی الجملہ شعرائے نامدار سے اب کچھ اور زیادہ باتون کی اُمید رکھتی ہے۔ سحر

جسقدر زیادہ ہوگا اُسی قدر شاعر کے کامیابی بھی یقینی ہے ان باتون کے لحاظ سے نظر مرحوم کی طبیعت خاص طور پر موزون واقع ہوئی تھی وہ ازل ہی سے ایک دردمند دل لیکر آئے تھے، وقت کی مذکورۂ بالا خصوصیت نے بھی اُنکے دل پر اپنا اثر ڈالا تھا وہ غزلگوئی کیطرف رجوع ہوئے اور کہنہ مشقی کے ساتھ ساتھ اُنکے درد و سوز والے دلی جذبات مین بھی یو مافیومًا اضافہ ہوتا گیا دنیاوی آلام و مشکلات نے بھی اس اضافہ مین کافی حصہ لیا تھا۔ یہانتک کہ ادھر چند سالون سے تو وہ اپنی زندگی کو وبال سمجھنے لگے تھے۔ اسطرف رفتار زمانہ سے متاثر ہوکر مرحوم نے نیچرل رنگ مین بھی طبع آزمائی کرنا شروع کردیا تھا، مگر یہان بھی اُنکا فطرتی رجحان بعض اوقات اپنی انتہائی نمود کی حالت مین نظر آجاتا تھا وہ نسبتًا غزل ہی زیادہ کہتے تھے اور واقعی بات تو یہ ہے کہ اُنکی غزلین ہر پہلو سے دلچسپ ہوا کرتی تھین۔ اُنھین اس صنف مین درجہ کمال حاصل تھا۔ اس لحاظ سے اسوقت انکا ہمسر شاید ہی کوئی قرار دیا جاسکے کم از کم میرا خیال تو یہ ہے کہ نظر مرحوم فن غزل گوئی مین یکتائے عصر تھے۔

ہم ابھی تبلا چکے ہین کہ نظر صاحب کی نیچرل نظمون مین بھی تغزل کا عنصر بیشتر غالب رہتا تھا اور راست گوئی مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ جب کبھی اُنھون نے ایسی نظمون کی تصنیف مین اپنی مقررہ روش سے تجاوز ہونے کی کوشش کی تو انمین وہ تاثیر نہین پیدا ہوسکی جو دل کے پوشیدہ ترین جذبات کو متحرک کرسکے۔ لیکن اس سے مرحوم کے اُستادانہ اقتدار مین کوئی فرق نہین آتا۔ خدائے سخن مرزا غالب دہلوی سے دبیر یا انیس لکھنوی کے طرز پر مرثیہ گوئی کی فرمائش کی گئی تھی تو آپ نے مشکل سے دو تین بند لکھے اور پھر یہ کہکر معذرت خواہ ہوئے کہ "مجھے ایسی مشق بہم پہونچانے کے لیے اب کسی دوسری عمر کی ضرورت ہے" بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ایک خاص رغبت رکھتا ہے اور اُسی کے مطابق لگاتار سعی و محنت کرنے پر اُسکو بالآخر درجہ کمال حاصل ہوجاتا ہے۔ نظر مرحوم مین بھی یہی بات تھی۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہون،

بہار مین ہے یہ ناز آفرین ادائے بہار (۱) قدم زمین پہ رکھتی نہین ہوائے بہار
غضب ہے شعلہ فشان گرمئ ادائے بہار جدھر سے آگ لگی لے اُڑی ہوائے بہار

---

(۱) مولانا حالی مرحوم غالب مرحوم کے خطوط کے حوالہ سے اس روایت کی کافی تردید کرچکے ہین ڈیلٹر

وہ ایک تم کہ سراپا بہارِ نازش گل
وہ ایک میں کہ نہیں صورت آشنائے بہار

بلا سے پتے ہی پتے چمن میں مرجھاؤں
کسے امید ہے پھر آئے یا نہ آئے بہار

زمیں پہ لالہ و گل بنکے آشکار ہوا
چھپا نہ خاک میں جب حسنِ خود نمائے بہار

تعلقِ گل و شبنم ہے رازِ الفت بھی
اُنھیں ہنسائے جہاں تک ہمیں رُلائے بہار

وہ ایک دل جو کھلا اور کھل کے مُرجھایا
ہے ابتدائے بہار اور انتہائے بہار

جہاں میں کسلئے کھلتے ہیں اب یہ لالہ و گل
دلِ نظر نہیں مدت سے آشنائے بہار

(۲)

کہاں ہیں جرعہ کشِ لطفِ ابتدائے بہار
وہ آئے ابر کے ٹکڑے چلی ہوائے بہار

وہ جھوم جھوم کے چاروں طرف گھٹا چھائی
ہوا نے کھولدی وہ زلفِ مشکسائے بہار

وہ شورِ رعد سے سارا جہان گونج اُٹھا
ہوئی وہ دھوم سے پھر آج ابتدائے بہار

کڑک رہی ہے وہ بجلی گرج رہا ہے وہ ابر
بجا رہی ہے وہ سازِ طرب ہوائے بہار

پیامِ موسمِ گل لیکے ابر آیا ہے
ترانہ سنج ہیں مرغانِ خوشنوائے بہار

چمک رہی ہے یہ ابرِ سیاہ میں بجلی
چڑھا ہوا ہے کسوٹی پہ یا طلائے بہار

ہے نہ تن پہ کسیکے لباسِ بوسیدہ
نئے لباس درختوں کو پھر بنائے بہار

چمن میں ابر کے چھینٹے کریں مسیحائی
خزاں کو فصلِ کشتوں کو پھر جلائے بہار

یہ اشعار مرحوم کی دو نظموں سے منتخب کئے گئے ہیں۔ یہاں اقتباس نمبر ۲ کے اشعار میں بھی کافی شگفتگی موجود ہے اور اُن میں بہارِ یا پرتگال! کے مناظر کے ایک عمدہ تصویر کھینچی گئی ہے لیکن یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ شاعر نے اپنے زورِ تخیل سے جو تاثیر اقتباس نمبر ۱ کے اشعار میں پیدا کردی ہے وہ یہاں مفقود ہے اسکی وجہ محض یہی نہیں کہ نمبر ۲ والے اشعار میں غزل کا رنگ کم ہے یا تاثیر کا وجود صرف طرزِ تغزل کے ساتھ ہی وابستہ ہوا کرتا ہے۔ بلکہ دراصل مرحوم میں اس خاص بات کا نہ تھا ہے۔ جو کسی بڑے شاعر کے جبلی خاصہ کے موافق نظم کے کسی خاص شعبہ میں کافی تاثیر و دلکشی پیدا کرسکتی ہے۔ مرحوم کے دو صد سون کے دو دو منتخب بند

اور ملاحظہ ہون -

(۱)

ہوا تمام اُمیدون کا خاتمہ تمپر کسی سے اب نہ توقع نہ ہے کسی پہ نظر
جہانمین اپنا ہوا انجام کیا نہین ہے خبر مرے پہ دیکھیے ملتا ہے اب کفن کیونکر
کہان گئے مری بگڑی سنوارنے والے
پکار لو مجھے لا کہ پکارنے والے

تھا جو کہ اس اُجڑے مکان کا تھا یہ چراغ بہار پہ تھا اسی نونہال سے یہ باغ
نہ ہوگا اب مجھے حاصل کبھی جہانمین فراغ تمام عمر دل ناتوان ہے اور یہ داغ
فغانِ بلبل جان دل کے پار ہوتی ہے
نظر کے باغ سے رخصت بہار ہوتی ہے

(۲)

برادرانِ وطن کا پیام غم سن لو حکایتِ ستم و قصۂ الم سن لو
سنے نہون جو زمانہ مین وہ ستم سن لو غریب قوم کا احوال بیش و کم سن لو
جہانسے رخصت بیمار ہے خدا حافظ
جنازہ قوم کا تیار ہے خدا حافظ

یہ تیرے نام کا ہی پاس اُنکو اے بھارت کہ جان جائے نہ جائے مگر تری عزت
ہے تیری عظمتِ دیرینہ کی اُنھین غیرت وطن سے دور رہین لیکن ہے اُنمین وہ ہمت
مٹینگے آن پہ بگڑی بنا کے اُٹھینگے
مٹانیوالون کو اپنے مٹا کے اُٹھینگے

یہان بھی وہی بات ہے نمبر (۱) والے اشعار کا مضمون مرحوم کے طبعی خاصہ سے مطابقت رکھتا ہے اور بس اُسکو نظم کرنے مین اُنھون نے اپنے غیر معمولی کمال کا زور دکھایا ہے۔ اشعار کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُن کے دُکھ بھرے دل سے خود بخود نکلے پڑتے ہین پس ایسی صورت مین اُنکا اثر مین ڈوب کر نکلنا بالکل لازمی ہے۔ مرحوم کی یہ نظم ایک نوحہ ہے جو اُنھون

نے اپنے نواسہ کی وفات حسرت آیات پر لکھا تھا کوئی اولاد نرینہ نہونے کیحالت مین بھی نواسہ انکا سب کچھ تھا اُسکے مرنے سے شاعر کے دلپر جو کچھ گذری اُسکا اظہار کرنا اس سے بہتر اور زیادہ موثر طریقہ پر ناممکن معلوم ہوتا ہے نمبر (۲) والے بند اُس نظم سے ماخوذ کیے گئے ہین جو جنوبی افریقہ کی گذشتہ ستیاگرہ کے موقع پر مظالم جنوبی افریقہ کے عنوان سے لکھی گئی تھی۔ آسمین مرحوم نے جذبات نگاری کے غم آمیز پہلوؤن تک محدود نہ رہکر اپنے خاص معیار سے تجاوز کرنے کی کوشش کی ہے اور اسلیے نظم مین وہ زور نہین پیدا ہوسکا "جسے" قومی اسکول" کا کوئی خاص شاعر اُسمین ضرور ہی پیدا کر دکھاتا۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مین نظر مرحوم کو اُنکے انداز خاص و نیز ان کی بیشتر نظمون کی بنیاد پر اُسی طرز سخن کا اُستاد سمجھتا ہون جس کے مقلدین مین اساتذہ قدیم کے اسمائے گرامی شامل کئے جاسکتے ہین یون تو نظر جیسا مائیل سخنور ہر صنف مین طبع آزمائی کرنے اور اپنی فکر رسا کے جوہر دکھانے کی صلاحیت رکھ سکتا ہے درحقیقت مرحوم کے اُستاد فن ہونیکا یہ بھی ایک بیّن ثبوت ہے۔

نظر صاحب کی نظمین اپنا ایک مخصوص طرز رکھتی تھین۔ اُنکی بندش نہایت صاف، چُست، دلکش اور معنی خیز ہوتی تھی۔ اُنکی تشبیہین بالکل عام فہم ہوا کرتی تھین اُنکے ہر ہر شعر کو پختہ مشقی اور قادر الکلامی کا نمونہ کہنا چاہیے۔ سادگی مین متانت پیدا کرنا مرحوم شاعر کے لیے ایک معمولی کام تھا۔ اُنکے جذبات مین پاکیزگی تھی۔ اور خیالات مین بلندی۔ انھون نے اپنی نظمون مین عموماً اور غزلیات مین خصوصاً عاصیانہ باتون کو شامل نکرکے شاعری کی عزت کو ہر پہلو سے برقرار رکھا۔ شاعری کا اعلےٰ معیار ہی ہمیشہ اُنکے پیش نظر رہا۔ اور یہ بھی ایک بہت بڑا سبب ہے اُس رنگینی و دلفریبی کا جو اُن کے کلام مین پائی جاتی ہے مین خود غزل نہین کہتا مگر حسن اتفاق سے جب کوئی عمدہ غزل سامنے آجاتی ہے تو پھر اُسے مزہ لے لیکر ہی پڑھا کرتا ہون۔ غالب، مومن، شیفتہ، حسرت (موہانی) کی غزلیات میرے لیے مستقل دلچسپی کی چیزین ہین اور مجھے یہ کہنے مین ذرا بھی تامل نہین ہوسکتا کہ نظر مرحوم کی غزلیات بھی مجکو بالکل اُسی طریقہ پر لطف اندوز کرتی ہین یہان اسقدر عرض کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہون کہ مجھے اپنے اس بیان سے نظر مرحوم کے اُس کلام کی تحقیر اصلا منظور نہین جو اُنھون نے

دیگر اصناف کے شاعری مین ارشاد فرمایا ہے

مرحوم صرف شاعر ہی نہ تھے وہ نثر بھی لکھتے تھے اور خوب لکھتے تھے۔ نظم کیطرح اُنکی نثر بھی نہایت واضح روان اور دلکش ہوتی تھی سلیس فقرات اور عام فہم محاورات کا استعمال نثر مین جان ڈالدیا کرتا ہے۔ نظر کی نثر مین بھی تمام وکمال یہی خوبیان ہین۔ مختصراً اُنکی تحریر کو اُردو زبان کا ایک اچھا خاصہ نمونہ سمجھنا چاہیے۔ تنقید نگاری تو مرحوم کی خصوصیت تھی۔ یہ تنقیدین اُنکی علمی قابلیت، شاعرانہ واقفیت اور مضمون آفرینی کا مرقع ہوا کرتی تھین۔ اور اسمین ذرا بھی کلام نہین کہ وہ اُردو کے خزانۂ ادب مین مستقل قدر و قیمت کی چیزین ہین۔ مجھکو رسالہ زمانہ کے قابل اڈیٹر کی راے سے اس امر مین کلی اتفاق ہے کہ مرحوم بلاشبہ اپنے طرز کے ایک بہترین تنقید نگار تھے۔

اب ہم معزز ناظرین کے تفنن طبع کے لیے نظر صاحب کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کرتے ہین جس کا انتخاب رسالہ زمانہ کی متعدد جلدون سے کیا گیا ہے۔

درد اُٹھا تھا نہ ایسا قلب شیدا مین کبھی
یہ ہجوم غم ہوا ہمبر نہ دنیا مین کبھی

اشکِ خونی بارہا ٹپکے تھے آنکھون سے مگر
اس قدر سرخی نہ تھی خونِ تمنا مین کبھی

خشک ہوتا ہے وہ دریائے محبت آہ آہ
جسکی طغیانی رکی دم بھر نہ دنیا مین کبھی

ہوگیا آغوشِ مادر بھی جدا آج اے نظر
اب ملیگی ایسی راحت پھر نہ دنیا مین کبھی

یہ اشعار اُس نظم سے لیے گئے ہین جو وفات مادر کے عنوان سے شایع ہوئی تھی تاکی محبت ضرب المثل ہے۔ اُسکی موت سے جو یاس انگیز کیفیت دلپر طاری ہوئی ہے اُسے اِن اشعار مین نہایت سادہ مگر درد آمیز اور موثر طریقہ پر دکھلایا گیا ہے۔ دوسرے شعر مین تغزل کا گہرا رنگ ہے اور آخری شعر کو حسرت و یاس کا ایک جاندار مرقع کہنا بیجا نہو گا۔

گردشِ دہر بھی اک گردشِ پیمانہ ہے
ذرّے ذرّے مین ترا جلوۂ مستانہ ہے

اِک طبیعت کی اوداسی کا اثر ہے اتنا
ساری دنیا نگہ یاس مین ویرانہ ہے

حالت محفلِ عشرت ہے رقم سب اسمین
ایک دفتر کے برابر پر و ا نہ ہے

پر تو مہر کجا ذرّہ ناچیز کجا
کیون یہ دل حسرتی جلوۂ جانانہ ہے

تیرے ملنے کی وہ تقریب جو ہے یاد اب تک جس سے کہتا ہون وہ کہتا ہو اک افسانہ ہے

جس غزل کے یہ اشعار ہین وہ ۲۵ مارچ ۱۹۱۹ء کو لکھنو کے ایک نامی مشاعرہ مین پڑھی گئی تھی حقیقتاً غزل کی غزل مرصع ہے پہلے شعر مین معشوق حقیقی کے جلوۂ مستانہ کی شمولیت کے اعتبار سے گردش دہر کو گردش پیمانہ ثابت کر دکھانے مین شاعر نے غضب کی ندرت آفرینی سے کام لیا ہے تیسرا شعر بھی عدیم المثال ہے محفل عشرت کی واقعی عبرت ناک حالت کا انکشاف کرنے کے لیے پروانہ کا دفتر ہی نہایت موزون ہے پانچوین شعر کی سادگی اور اُسکے مفہوم کی دلچسپی قابل غور ہے افسانہ کے استعمال سے تقریب ملاقات کی انتہائی دلکشی کا پتہ چلتا ہے اور اس دلکشی سے اسباب دلکشی کی گونا گونیون کا اظہار ہوتا ہے۔

ہر قدم پر باغ عالم مین بچھا ہے دام حسن — کون ایسا ہے جسے ذوق گرفتاری نہین
میری حالت دیکھکر کیون تمنے ٹھنڈی سانس لی — بیکسون پر رحم آئین ستمگاری نہین
اُسکو رحم آئے کہان یہ نا اُمیدی مین اُمید — دلکو خوش کرنا ہے شغل گریہ وزاری نہین
ہر طرف سے یہ صدا آتی ہے ملک حسن مین — یہ وہ دنیا ہے جہان رسم وفاداری نہین

دوسرا شعر طرز تغزل کی ایک نادر مثال ہے غم دوست عاشق اپنے معشوق کی ادائے جفا پر مٹا ہوا ہے اور اُسکو آئین ستمگاری کے یاد دلاکر اپنے اوپر رحم کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ آخری شعر کا مضمون اگرچہ فرسودہ ہے۔ لیکن حسن بندش نے شعر کو کہین سے کہین پہونچا دیا۔

یاس و ناکامی سے بیحس قلب مضطر ہو گیا — اب ترا ملنا نہ ملنا سب برابر ہو گیا
آپ کا بیمار غم اور ضعف کی مجبوریان — ساری دنیا کا خلاصہ ایک بستر ہو گیا

مذکورۂ بالا ہر شعر مین شان تغزل بھی ہے اور جدت طرازی کی نمود بھی۔

دلکی حالت نہین سنبھلنے کی — اب یہ دنیا نہین بدلنے کی
دیکھ لو سیر دم نکلنے کی — یہ ہوا پھر نہین ہے چلنے کی
دل سوزان کو شمع کیا کہیے — اُسکو حسرت کہان ہے جلنے کی

دوسرے شعر میں "سانس لینے کی تشبیہ" ہو چلنے" سے دنیا اور اسی کی رعایت سے "دو سیر" کا لفظ لانا کس قدر تناسب آمیز ہے۔ آخری شعر میں حد درجہ کی نازک خیالی سے کام لیا گیا ہے، دل سوزاں کو شمع پر فوقیت دی گئی ہے کیونکہ دل میں جلن کے ساتھ ہی جلنے کی مسرت بھی موجود ہے۔

اُمید زیست کیا ہو اُس مریضِ رنج و حرمان کی
دوا پیدا نہیں دنیا میں جسکے درد پنہاں کی

خزاں انجام ہے سب کی بہار چند روزہ کا
بہت روتا ہوں صورت دیکھکر گلہائے خنداں کی

یہ دو چیزیں ہیں جنکو ہمنے آنکھیں کھولکر دیکھا
سفیدی صبح محشر کی سیاہی شام ہجراں کی

سُنا ہوگا شرارِ عشق سے دوزخ بھی کانپ اُٹھا
مجھے دیکھو کہ ایسی آگ اپنے دل میں پنہاں کی

نظرؔ اب چلکے کرنا چاہیئے آباد مرقد کو
بہت ہے منتظر اپنی زمین گورِ غریباں کی

سب اشعار تاثیر سے مملو ہیں نظرؔ مرحوم نے اپنے دل کی درد انگیز حالت کا نقشہ نہایت کامیابی کے ساتھ کھینچا ہے غزل کیا ہے غمزدہ شاعر کے احساسات باطنی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ مرحوم نے اپنے مخصوص شاعرانہ لہجہ میں بالکل سیدھے سادے الفاظ کے ذریعہ اپنی بیتی کہہ سنائی ہے۔ آخری شعر گویا اپنے اوپر کے چاروں اشعار کا خلاصہ ہے جسکے بعد اور کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بے پر و بالی ہوئی ہے باعثِ شادی مجھے
خانۂ صیاد میں حاصل ہے آزادی مجھے

زندگی کا لطف تھا زندہ دلی تک اے نظرؔ
مرگیا جب دل تو یکساں ہیں غم و شادی مجھے

پہلے شعر میں بے پر و بالی کے تعلق سے قفس میں بھی آزادی کا دکھلانا بالکل اچھوتا خیال ہے دوسرے شعر میں شاعر نے اپنی نسبت سے ایک فلسفیانہ نکتہ کو منظوم کر ڈالا ہے۔ طرزِ بیان قابل داد و ستایش ہے۔

سوزانِ غمِ جاوید سے دل بھی ہے جگر بھی
اک آگ کا شعلہ کہ اُدھر بھی ہے اِدھر بھی

اپنی شب ہجراں میں نہیں دخل تغیر
باطل ہے بیان فلسفۂ شام و سحر بھی

وہ شمع نہیں ہے کہ ہو اک رات کی مہمان
جلتے ہیں تو بجھتے نہیں ہم وقت سحر بھی

اب یاس ہے ایسی کہ نہ وہ رنگ نہ تاثیر
پانی دمِ گریہ ہے نظرؔ خونِ جگر بھی

مذکورۂ بالا اشعار مین شعریت بھی ہے اور مرحوم کی انتہائی سنجیدگی کا شائبہ بھی پھر سادگی اور صفائی تو اُن کے شاعری کے لیے دو لازم و ملزوم اُمور ہین۔

آسمان سے چلے وہ قطرۂ آب جن سے پیاسی زمین ہو سیراب
چمن و سبزہ زار ہون شاداب اور پیدا ہون بحر مین گرداب

ساری دنیا کو پالنے والے
جان مردون مین ڈالنے والے

سخت تھا انتظارِ بارش آب قطرہ قطرہ تھا گوہرِ نایاب
تابشِ مہر تھی جہان کو عذاب دل تڑپتے تھے صورتِ سیماب

ابر نے کی جو قطرہ افشانی
ساری گرمی پہ پھر گیا پانی

یہ دونون بند قطرات باران والی مسدس سے لیے گئے ہین اور اس امر کا پتہ دیتے ہین کہ نظر جیسا اوستاد فن اپنے نیچرل رنگ کی نظمون مین بھی کس قدر دل آویزی پیدا کر سکتا تھا اگرچہ ایسی نظمون کا لکھنا شاعر کے فطرتی خاصہ کے خلاف تھا۔

مجھے باوجود تلاش کوئی ایسی نظم نہین ملی جسکو ہر پہلو سے "سیاسی" کہہ سکین لیکن مرحوم کی طبیعت کے اصلی رنگ کو دیکھتے ہوئے مجکو اس امر پر کوئی تعجب بھی نہین ہوتا اُنکو قومی شاعری کے اس شعبہ سے کوئی طبعی مناسبت نہ تھی اور نہ اُنھون نے اس طرز مین نظم کہنا مناسب سمجھا لیکن یہان پہنچکے مشہور فرانسیسی عالم رنین (Raenan) کا قول بے اختیار یاد آجاتا ہے جو کہتا ہے کہ "فرنیکو جرمن جنگ مین جرمنی کو فتح دلانیوالا نہ تو مالتکے تھا اور نہ بسمارک، بلکہ اس فتح کا سہرا تو ھرکینٹ، ہیگل، وغیرہ کے سر ہے جنھون نے اہل جرمن کی دماغی حالت کو ترقی دی تھی"! اس لحاظ سے نظر مرحوم کی نظمون کا مطالعہ قومی خیالات کو بلند بنانے مین فی الواقع مدد دے سکتا ہے، اگر نگاہ تعمق سے دیکھا جائے تو کسی قوم کی ادبی ترقی ہی اُس کی دیگر انواع و اقسام کے ترقیون کی بنیاد قرار دیجا سکے گی اور نظر جیسے مستند ادیب کے علمی کارنامے قدرتاً ادب آموز ہین۔

مجکو افسوس ہے کہ ابھی یہ کارنامے یکجائی صورت مین دستیاب نہین ہو سکتے مرحوم کی وفات پر ۱۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو ایک ماتمی جلسہ لکھنو مین منعقد کیا گیا تھا جسمین مرحوم کے کلام کو چھپوانے کی بھی تجویز پاس کی گئی تھی یہ کام جسقدر جلد تکمیل پذیر ہو سکے بہتر ہے - میری رائے مین اسکے ساتھ ہی یقین ہے کہ حامیان اُردو بالعموم اور احبّائے نظر بالخصوص ایسا کرکے اپنے اُس آخری فرض سے جلد ہی سبکدوش ہونے کی کوشش کرین گے جو مرحوم کے تعلق سے اُن پر عائد ہوتا ہے یہی طریقہ ہے اُس قابل قدر صاحب کمال کی تکمیل قدردانی کا جس نے اُردو زبان کے خدمت مین ہمہ تن مشغول رہتے ہوئے اپنی ساری عمر بے سروسامانی کی حالت مین گذار دی -

اقبال ورما سحر (ہنگامی)

عشق و موت

اک سہانی رات کو چھٹکی ہوئی تھی چاندنی
ماہِ کامل دے رہا تھا اپنی پوری روشنی

خلد کے صحن معطر مین خرامان عشق تھا
دیکھتا تھا ہر طرف پڑتی تھین نظر جا بجا

سامنے ہی صحن مین تھا اک درخت پُر بہار
جسکے نیچے پھر رہی تھی موت تنہا بیقرار

اور یہ کہتی تھی ہر دم عشق سے کر کے خطاب
جا یہان سے، یان ترا کیا کام او خانہ خراب

یہ جگہ ہے دو گھڑی میرے ٹھلنے کے لیے
لطف اُٹھانے کے لیے ہی جی بہلنے کیلئے

عشق نے پھیلاے پر اُڑنے کو اور رو کر کہا
ابتو ہے تیرا زمانہ جو کہے تو ہے بجا

تیری ہستی اسطرح ہے جسطرح ہے اک شجر
ڈالتا ہے دھوپ کیوقت اپنا سایہ خاک پر

بس یونہی اس غیر فانی روشنی مین عمر بھی
اِک شجر ہے، اور تو ہے اُسکا سایہ واقعی

لیکن اس سایہ کو کب ممکن ہے عالم مین بقا
جب شجر گرتا ہے، ہو جاتا ہے سایہ بھی فنا

تو فنا ہو جائیگی، مجکو بقا ہے بیگمان
تا ابد ہر چیز پر یونہین رہون گا حکمران

نظر مرحوم)

(ترجمہ لارڈ ٹن سن)

مسئلہ کینیا

مسٹر مانٹیگو کے دور وزارت مین ہندوستان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسبات کی اُمید بندھی تھی کہ غالباً انگریزی حکومت اب ہمارے ملک کے ساتھ انصاف برتے گی لیکن مسٹر مانٹیگو کا وزارت ہند سے مستعفی ہونا تھا کہ یہ روشنی بھی ماند پڑگئی اور حکومت کی بیڈھنگی رفتار کا سلسلہ پھر قائم ہوگیا اور محصول کا جسطرح اضافہ ہوا اور بالآخر مسئلہ کینیا پر برٹش گورنمنٹ نے جو فیصلہ صادر کیا اُس نے ہندوستان کی آنکھین کھولدین۔

کینیا جسکا دوسرا نام برٹش ایسٹ افریقہ ہے بحر عرب کے ساحل پر واقع ہے اسکا مشرقی حصہ محض ریگستان ہے جو اس تذکرہ سے خارج ہے جنوبی حصہ سرسبز وشاداب ہے۔ لب ساحل تقریباً دس میل کی چوڑائی تک ہموار میدان ہے اسکے بعد جون جون مغرب کی جانب آپ جائین ملک کی شکل بدلنی شروع ہوتی ہے اور آپ پہاڑی حصہ پر چڑھتے ہین پہاڑی حصہ بتدریج بلند ہوتا جاتا ہے۔ کینیا کا دارالحکومت سمندر سے ۵ ہزار فیٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس حصہ کا سب سے بلند مقام سمندر سے ۹ ہزار فیٹ کی اونچائی پر ہے۔ اسکی مغربی حد وکٹوریا نیانزا ہے اسکا کل رقبہ ۲۴۶۰۰۰ مربع میل ہے ملک کا پہاڑی حصہ جو یورپین اقوام کیلئے مخصوص کیا گیا ہے رقبہ مین تقریباً ۱۰ ہزار میل ہے یعنی کل ملک کا ۱/۲۴ حصہ (یہ حصہ سب سے زیادہ سرسبز وشاداب موسم کے لحاظ سے نہایت خوشگوار اور آب وہوا کے خیال سے بہت اچھا ہے بخلاف اسکے اب ساحل کا میدان ہر طرح سے اس سے کمتر درجہ کا ہے۔ نہ اسکا موسم اسقدر اچھا نہ پیداوار اعلیٰ قسم کی ہے۔ پہاڑی حصہ مین گیہون آلو، پھلیان، قہوہ، سن وغیرہ کافی مقدار مین پیدا ہوتا ہے، ترائی مین اور لب ساحل پر ادنےٰ درجہ کی جوار اور تلون کے کچھ پیداوار نہین ہوتی، ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے کینیا کے اصلی افریقی باشندون کی آبادی ۲۴۸۳۰۰۰ ہے۔ ہندوستانیون کی آبادی ۲۲۷۳۱ اور

یوروپین آبادی ۹۰۲۵ ہے تقریباً ۱۰ ہزار عرب بھی کینیا مین بستے ہین، انگریزون کی آبادی ہرطبقہ پرمشتمل ہے۔ یعنی اعلےٰ حکام۔ عیسائی مشنری۔ تجار۔ ڈاکٹر اور بیرسٹر وغیرہ زراعت پیشہ لوگون کی تعداد بھی کافی ہے ہندوستانی بالعموم ادنےٰ مرتبہ کے حکام عملہ والے۔ کاریگر سوداگر وغیرہ ہین بعض اچھے مرتبہ کے تاجر اور آزاد پیشہ لوگ بھی ہین اصلی افریقی باشندے بالعموم کسان اور چرواہے ہین اور ان کی حالت نیم وحشی لوگون کی سی ہے ہندوستانی جو کینیا مین جاکر بسے ہین۔ زیادہ تر گجراتی کاٹھیاوار اور بمبئی کے مسلمان بوہرے ہین۔

ہندوستانیون کا سلسلہ تجارت کینیا سے صدیون سے چلا آتا ہے۔ انگریزون کا کینیا مین جسوقت نام ونشان بھی نہ تھا اسوقت سے ہندوستانی اس ملک مین آباد تھے۔ بلکہ خود انگریز محقق ومدبر اسبات کا اعتراف کرتے ہین کہ اگر ہندوستانی کینیا مین پہلے سے نہ بسے ہوتے تو انگریزون کے لیے اس ملک مین قدم جمانا غیر ممکن ہوتا۔ تقریباً ۴۰ سال ہوئے جب انگریزون نے وہان اپنا دخل کیا اور حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اُسوقت سے ہندوستانیون نے اس نیم وحشی ملک مین تہذیب وتمدن کی راہین کھولنے مین انگریزون کا کافی ہاتھ بٹایا مسٹر ونسٹن چرچل جیسا مدبر اسبات کا اعتراف کرتا ہے کہ بغیر ہندوستانیون کی امداد کے یوگانڈا ریلوے کا بنانا یا مختلف موقعون پر افریقی باشندون کی بغاوت کا دبانا بغیر ہندوستانیون کی امداد کے غیر ممکن ہوتا۔ گذشتہ زمانہ کے جنگ مین بھی جرمنون کے مقابلے مین ہندوستانی فوج کا کافی خون بہا اور سامان حرب وسامان رسد سب برابر زمانہ مین ہندوستان سے ہی مہیا ہوتا تھا۔ شروع شروع مین جب انگریزی عملداری مشرقی افریقہ مین قائم ہوئی تو اسوقت برابر یہی خیال تھا کہ اس ملک کی حکومت ومعاشرت کو ہندوستان کے ہی سانچے مین ڈھالا جاوے اور اسکو ہندوستان کی وافر آبادی کی گنجایش کے لیے مخصوص رکھا جاوے۔ چنانچہ حکومت کی باگ زیادہ تر ہندوستان ہی کی سول سروس کے حکام کے ہاتھون مین دیجاتی تھی انڈین پینل کوڈ وہان جاری کیا گیا تھا۔ سکہ بھی ہندوستانی ہی رائج تھا۔ لیکن جب حکومت کا تسلط جمانے کی وشواریان باقی نہین تہذیب وآئین کا دور قائم ہوگیا تو انگریزون کو وہان کی آب وہوا موافق آنے لگی اور کینیا کے سرد اور پہاڑی حصے کے دلفریب مناظر انکی طبیعتون کو لبھانے لگے۔ یعنی نیت مین فتور آگیا۔

اور یہ خیال پیدا ہوا کہ کینیا کو بھی مثل دوسری انگریزی نوآبادیون کے فرنگی سانچے مین ہی ڈھالنا چاہیے اسے بھی یوروپین قومون کے لیے ہی مخصوص رکھنا چاہیے نیت بدلنے کے ساتھ ہی حکومت کی پالیسی بھی بدل گئی اور ہندوستانیون کی تذلیل وتحقیر کا سلسلہ شروع ہوگیا ۱۹۱۰ء مین کینیا کی حکومت کی نگرانی صیغہ خارجہ کے ہاتھون سے نکالکر وزیر نوآبادیات کے سپرد کیگئی اور اسی وقت سے ہندوستانیون کے مصائب کا دکھڑا شروع ہوا۔

پہلا وار ہندوستانیون پر یہ ہوا کہ ان کو کینیا کے سرد اور پہاڑی حصہ مین بسنے اور ملکیت خریدنے سے باز رکھا گیا گو قانوناً نہین تاہم انتظاماً یہ طے پایا کہ سرکاری زمین صرف یورپین لوگون کے ہاتھ فروخت کیجاوے۔ اسوقت تک یہ موقع ہندوستانیون کو حاصل تھا کہ اگر کوئی یورپین اس زمین کو ہندوستانی کے ہاتھ نقل وبیع کرنا چاہے تو ہندوستانی اُسے خرید کرسکتا تھا ۱۹۱۹ء مین یہ دروازہ ہندوستانیون پر بند کردیا گیا۔ ۱۹۲۰ء مین لارڈ ملز وزیر نوآبادیات نے ایک مکمل اسکیم ایسی پیش کی جسکی رو سے کالے اور گورے کی پوری پوری تفریق قائم ہوسکے مثلاً ہر یورپین فرد بالغ کو انتخاب کونسل مین ووٹ کا حق دیا گیا۔ لیکن ہندوستانی اس سے قطعی محروم رکھے گئے یہ بھی تجویز کیا گیا کہ ہندوستانیون کو شہرون اور قصبون کی عام یورپین آبادی سے قطعی علیحدہ کردیا جائے ہندوستانی آیندہ اس آزادی کیساتھ کینیا مین داخل نہونے پائین جسطرح کہ ابتک ہوتے رہے بلکہ ان کے داخلے پر قیود اور پابندیان عائد کردیجائین سرد اور پہاڑی حصہ کینیا مین وہ کسی حالت مین نہ لینے پائین بلکہ یہ محض یورپین اصحاب کے لئے مخصوص رکھا جائے۔ قانونی کونسل مین دو ہندوستانی بھی بھیجے جاسکین۔ لیکن رجسٹر انتخاب جداگانہ ہو غنیمت سمجھنا چاہیے کہ گورنمنٹ ہند نے بذریعہ ایک سرکاری مراسلے کے ان تمام تجاویز کی پوری مخالفت کی جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ برائے چندے ان تجاویز پر عمل نہ کیا گیا اور یہ داخل دفتر کردی گئین۔ اس عرصہ مین لارڈ ملز کی جگہ مسٹر ونسٹن چرچل نے لی اور اُنھون نے اس مسئلہ کو از سر نو چھیڑا انکی تجاویز بمقابلہ لارڈ ملز کی تجاویز کے پھر غنیمت تھین بجز کینیا کے سرد اور پہاڑی حصہ کو یورپین اصحاب کے لیے مخصوص رکھنے کے اُنھون نے اور تمام معاملون مین فیصلہ ہندوستانیون کے موافق کیا یعنی لارڈ ملز کی

دیگر تجاویز کو رد کر دیا۔ اسی عرصہ مین امپیریل کانفرنس کا وہ یادگار ریزولیوشن منظور ہوا جسمین بحر جنوبی افریقہ کے تمام نوآبادیون مین ہندوستانیون کے ساتھ قطعی برابری کے سلوک کا وعدہ کیا گیا تھا ان تمام باتون پر غور کرتے ہوئے ہندوستانیون کو اس امر کی اُمید بندھی تھی کہ مسئلہ کینیا مین فیصلہ ان کے موافق ہوگا۔ اسی سال کے شروع مین جب مسٹر ونسٹن چرچل بھی وزارت سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ اور وزارت نوآبادیات مین نیا وُہ تھا وڈ ونٹرٹن کے نام سے ایک سمجھوتہ طے ہوا جسمین اُنھین تجاویز کو منظور کیا گیا تھا جو مسٹر چرچل نے پہلے پیش کی تھین جب یہ خبر کینیا کو یوروپین باشندون کو پہنچی تو انھون نے برٹش حکومت پر طرح طرح سے دباؤ ڈالنا شروع کیا حتی کہ علم بغاوت برپا کرنیکی بھی صاف صاف دھمکی دی۔ یہ صورت دیکھکر ہماری سرکار کے ہوش وحواس بجا نہ رہے اور یہ کوشش شروع ہوئی کہ کینیا مین اپنے ہم قومون کو کسیطرح راضی کیا جائے چنانچہ ان نمایندون کو ولایت بلایا گیا کینیا کے ہندوستانیون نے بھی اپنا ایک ڈپوٹیشن پیش کرنے کی اجازت چاہی ان لوگون کو بھی وہان پہونچنے اور عرض ومعروض کرنے کی اجازت ملگئی ہندوستان سے بھی ایک ڈپوٹیشن جسکے رکن مسٹر شاستری مسٹر کادمت مسٹر جمنادس ودوارکا داس تھے ولایت پہونچا۔ تقریباً ۳ ہفتہ تک گفت وشنید اور غور ومباحثہ ہوتا رہا بالآخر ۲۳ جولائی کو برٹش گورنمنٹ نے اپنا فیصلہ صادر کیا اور دو روز بعد پارلیمنٹ نے بھی اسپر مہر منظوری ثبت کر دی۔ برٹش گورنمنٹ کے فیصلہ کی قرار دادین حسب ذیل ہین۔

(۱) کینیا مین برطانوی حکومت کی غرض اور مقصد اور اُسکی پالیسی کا منشا مشرقی افریقہ کے اصلی باشندون کی بہبودی اور ترقی کے ساتھ وابستہ ہوگا چونکہ انگریزی حکومت یقین کرتی ہے کہ مشرقی افریقہ کے بیکس اور نادان اصلی باشندون کی سرپرستی اور ولایت کا اہم فرض اسپر عائد کیا گیا ہے لہذا اولین فرض حکومت کا یہ ہوگا کہ تمام معاملات مین وہ سب سے پہلے افریقی باشندون کی بہبودی اور ترقی کے خیال کو مدنظر رکھے اور اسکے بعد ان قومون اور لوگون کے حقوق کی نگہداشت کرے جو وہان جا کر بسے ہین۔

(۲) چونکہ ابھی افریقی باشندون مین اسبات کی اہلیت موجود نہین ہے کہ وہ اپنے بھلے کو سمجھ سکین اور اپنے حقوق کی نگہداشت کر سکین اور چونکہ انکی نگہداشت، سرپرستی منصفانہ اور بے غرضانہ طریق سے صرف برطانوی حکومت ہی کر سکتی ہے لہذا وہ اس اہم فرض کی ذمہ واری ان لوگون کے اختیار مین جو وہان جاکر بسے تھے خواہ وہ انگریز ہون یا ہندوستانی نہین دے سکتی لہذا کینیا کو حکومت خود اختیاری عطا کرنے کا سوال موجودہ حالت مین نہین اُٹھتا اور آیندہ خاص صورتین پیدا ہونے کی حالت مین طے کیا جاسکتا ہے۔

ان دو بنیادی اصولون کے طے کرنے کے بعد انگریز اور ہندوستانی کے قضیہ کے متعلق حکومت برطانیہ حسب ذیل فیصلہ صادر کرتی ہے۔

(۱) کینیا کی قانونی کونسل مین انگریزی حکام کی کثرت رکھی جاویگی یوروپین باشندون کے نمایندے منتخب ہوکر بھیجے جاوینگے ہندوستانیون کے نمایندے ہونگے۔ عربون کو ایک جگہ دیجاویگی اور اصلی افریقی باشندون کی نیابت کے لیے ایک مسیحائی پادری نامزد کیا جاویگا۔ طریق انتخاب جداگانہ ہوگا اور یوروپین اور ہندوستانی ووٹرون کے رجسٹر علیحدہ علیحدہ رکھے جاوین گے۔

(۲) کینیا کا پہاڑی اور سرد حصہ یوروپین اصحاب کے لیے مخصوص رکھا جاویگا حتی کہ نقل وبیع آراضی بھی انگریز اور ہندوستانیون کے درمیان طردانہ رکھی جاویگی۔

(۳) بالفعل ہندوستانیون کا داخلہ فوراً مسدود کیا جاویگا لیکن تجاویز پیش کیجاوینگی جنکی رو سے افریقی باشندون کی بہبودی اور ترقی کے خیال سے ہندوستانیون کے بلا روک ٹوک داخل ہونے کی روک تھام کیجاویگی۔

(۴) شہری آبادیون مین ہندوستانیون کو انگریزون سے قطعی علیحدہ نہ بسایا جاویگا۔ لیکن حفظان صحت کے خیال سے ایسے قاعدے بنائے جاوین گے کہ جنسے دونون قومون کے مخلوط ہونے سے جو اندیشے ذہن مین آتے ہین ان کا انسداد ہوسکے۔

اس فیصلہ کا تمام دارومدار بیچارے افریقی باشندون کی بہبودی کے سر تھوپا گیا ہے لیکن

یہ راز اب طشت از بام ہو چکا ہے کہ آسٹریلیا نیوزیلینڈ وغیرہ مین جہان جہان انگریز صاحبان نے نو آبادیان قائم کین وہان کے اصلی باشندون کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس قدر دور جانے کی بھی ضرورت نہین خود انھین مشرقی افریقہ کے اصلی باشندون کے ساتھ جو جو زیادتیان کیگئی ہین جسطرح انکا رزق یعنی زمین چینی گئی ان کو جبریہ مزدوری پر مجبور کیا گیا انپر ٹیکس کا بار بڑھایا گیا اور اسکی آمدنی کو انکی بہبودی کے لیے نہین بلکہ یورپین آبادی کے آسائش اور آرام پر صرف کیا گیا اسکی رام کہانی طویل اور دردناک ہے سر رابرٹ ہلٹن سابق چیف جسٹس کینیا نے دوران مباحثہ پارلیمنٹ مین تقریر فرماتے ہوئے اسکا پردہ کافی طور سے فاش کیا تھا لیکن پھر بھی اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ ہندوستانیون پر زیادتیان اور کالے گورے کی تفریق ان مظلوم افریقی اصلی باشندون کے نام سے کی جاتی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ مشرقی افریقہ کے یورپین آبادی کو حکومت خود مختاری نہین دیگئی بھلا پوچھئے کہ اس سے ہندوستانیون کو کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ اگر ان کو حکومت خود مختاری دیدی گئی ہوتی تو وہ اس فیصلہ سے اور زیادہ غیر منصفانہ فیصلہ کیا کر سکتے تھے سمجھ مین نہین آتا کہ ایسی حالت مین ہندوستانیون گو باوصف ان کی کثرت تعداد کے کونسل مین کم جگہین دینی اور یوروپین لوگون کو باوصف انکی قلت تعداد کے زیادہ جگہین دینی اور پہاڑی اور سرد حصے کو یورپین آبادی کے لیے مخصوص کرنے مین بیچارے اصلی باشندون کی بہتری اور بہبودی کا کونسا راز مضمر ہے۔ گو قانوناً محض ہندوستانیون کا داخلہ مسدود نہین کیا جاویگا لیکن عملاً یہ تمام نو آبادیون مین تجربہ ہو چکا ہے کہ قواعد اسطرح سے عمل مین لائے جاتے ہین کہ ہندوستانیون اور ایشیائیون پر دروازہ بند کیا جاتا ہے اور یوروپین آسانی سے داخل ہو جاتے ہین اسیطرح ہندوستانیون کے علیحدہ بسانے کے معاملے مین گو قانوناً اور اصولاً یہ فیصلہ ہمارے موافق سہی لیکن حفظان صحت کے قواعد غالباً ایسے بنائے جاوینگے کہ جنسے وہی نتائج نکلینگے جو مدنظر تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ باوجود اسکے کہ ہندوستانی کینیا مین بہ نسبت انگریزون کے پیشتر سے آباد ہین انہون نے اسے سرسبز اور شاداب بنانے اور نیم وحشی ملک مین تہذیب و تمدن کی راہین نکالنے مین انگریزون سے کم حصہ نہین لیا باوجود اسکے کہ شروع شروع مین خیال بھی تھا کہ کینیا

کو ہندوستانی سانچے مین ڈھالا جاویگا اور اسکو ہندوستان کی وافر آبادی کی گنجائش کے لیے مخصوص رکھا جاویگا جب ملک کے سردار بہادر حصہ کی پرفضا آب وہوا دلفریب مناظر نے یوروپین طبیعتون کو لبھایا اُن کی نیتین بدل گئین خودغرضی نے انصاف کی آنکھون پر پٹی باندھ دی لارڈ ایلگن اور لارڈ ملز کے زمانہ مین ہندوستانیون پر قیود اور پابندیان لازم کرنے کا سلسلہ شروع ہوا گورنمنٹ ہند کی کوششون کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ سٹرڈنسٹن چرچل کی تجاویز نے اُس سمجھوتہ کی راہ نکالی جو لارڈ ونٹرٹن کے نام سے مشہور ہے لیکن کینیا کے یوروپین آبادی کی شورش نے حکومت برطانیہ کے ہوش وحواس بجانہ رہنے دیئے۔ بالآخر وہ فیصلہ صادر ہوا۔ جسکی بے انصافی اور حق ناشناسی کو گوطرح طرح کے فریب انداز عصمت و پاکدامانی کی تہ مین چھپایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال پکار پکار کر افشائے راز کر رہی ہے۔

ابتک ان مظالم کی فریاد کی شنوائی نہ ہونے کا عذر کہ جو آئے دن ہندوستانیون پر خود مختار انگریزی نوآبادیون مین ڈھائے جاتے رہے حکومت برطانیہ کی جانب سے پیش ہوتا رہا کہ نوآبادیان خود مختار ہین اور ہم مداخلت کے مجاز نہین مگر کینیا کے فیصلہ کی حیاسوز دیدہ دلیری نے کم ازکم اس کفر کو توڑ دیا کیونکہ نہ کینیا خود مختار ہے اور نہ بیجا مداخلت کا عذر پیش کیا جا سکتا ہے۔

سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرنا کیا چاہیے۔ یہ تو اب کافی طور سے ظاہر ہو گیا کہ محض عرض معروض دلیل وبحث کا طریقہ باوجود کافی کوشش کے کامیاب نہین ہوا مشرقی افریقہ کے انگریزون کی بغاوت کی ایک دھمکی نے تمام گفت وشنید اور دلیل وبحث کو بالائے طاق رکھدیا اور گورنمنٹ نے مشکلون کا سامنا دیکھکر انصاف کا خون کرنے مین تکلف نہین کیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہم ایسی دھمکی کہ جیسی یوروپین فرقے نے دی نہین دے سکتے تاہم یہ خارج از بحث نہین کہ اگر ہم بھی حکومت برطانیہ کے راستہ مین مشکلات پیدا کرین تو غالبًا مشکلات کا وزن برابر دیکھکر سرکار انصاف کرنے پر آمادہ ہو جاوے اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا مشکلات اسکے راستہ مین پیدا کر سکتے ہین اس سلسلے مین جو تجاویز ابتک پیش کی گئی ہین اور جن پر تمام پارٹیون اور مختلف خیال کے لوگون مین اتفاق رائے ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) برٹش امپائر کی آیندہ نمائش مین حصہ لینے سے انکار کیا جائے۔
(۲) نوآبادیون مین ہندوستان سے مزدورون کا جانا قطعی ممنوع ہو جائے
(۳) جیسا سلوک نوآبادیون مین ہندوستانیون کے ساتھ کیا جاتا ہے بعینہ ویسا ہی سلوک نوآبادیون کے یوروپینون کے ساتھ ہندوستان مین برتا جائے۔
(۴) انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔

ان تجاویز کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ آئینی جدوجہد کے دائرے کے باہر نہین اور اسلیے گورنمنٹ یہ نہین کہہ سکتی کہ چونکہ ان سے خلاف ورزی قانون ہوتی ہے اور امن وامان مین خلل پڑتا ہے۔ لہذا اس تحریک کا دبانا لازمی ہے۔ اول الذکر تین تجاویز کا عمل درآمد تو کونسلون اور اسمبلی کے ذریعہ سے ہوگا۔

آخر الذکر البتہ ان کے دائرے سے باہر ہو اسکے علاوہ اسمین ایک اندیشہ یہ بھی ہے کہ ہم اسکو پوری طور سے کامیاب نہ بنا سکے تو الٹا نقصان پہنچ جائیگا اندیشہ ہر پچھلے دو مرتبہ کا تجربہ بتاتا ہے کہ باوجود عظیم کوشش کے اسمین پوری کامیابی نہین ہوئی تاہم اگر وہ تین شرطین پوری نہ ہو سکین تو ایک مرتبہ پھر اسکا ارادہ کرنا بے معنی نہوگا۔ اول شرط تو یہ ہے کہ بجائے اسکے کہ ہر انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے صرف چند چیزون کا بائیکاٹ ہو لیکن بائیکاٹ پورا ہو۔ دوسرے یہ کہ ہم اپنے دیسی کارخانہ جات اور تجارے اسبات کا عہد وپیمان لے لین کہ وہ موقع کو غنیمت جانکر انہین دیسی اشیاء کی قیمت زیادہ نہ کرین گے اور اسبات کی کوشش نہ کرینگے کہ لامحدود فائدہ اٹھائین تیسرے یہ کہ بائیکاٹ کی تحریک کے کامیاب بنانے کے دھن مین لوگون کے ساتھ زبردستی نہ کیجاوے اگر یہ شرطین پوری ہو سکین اور ان کا پورا ہونا دشوار سی لیکن غیر ممکن نہین تو انگریزی قوم کو ہوش مین لانے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہین ہو سکتا کہ انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ رہا یہ امر کہ یہ تجاویز مشکل العمل ہین اور کوئی گارنٹی اسبات کی نہین دیجا سکتی کہ انہین کامیابی ہوگی سو اس قسم کا اعتراض تو جب آپ آگے قدم بڑھائین گے اور کوئی نیا راستہ اختیار کرینگے ہمیشہ کیا جا سکتا ہے اگر اسکا کوئی جواب ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ جب عرض ومعروض کا طریقہ قطعی ناکام ہو گیا تو اب کیا کیا جاوے خاموش ہو جانے اور ساکت کھڑے رہنے کے تو کوئی

حق ہین اور نہ قوم اسکے لیے تیار ہے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ معاملہ اہم اور دشوار ہے پہلی شرط کامیابی کی یہ ہے کہ تمام اندرونی اختلافات دور کیے جاوین اور ملک کی سب پارٹیان اور گروہ یکدل اور متحد ہوکر اس کام کا بیڑا اٹھائین اور اس امر کو پوری طور سے ذہن نشین کرلین کہ کسی ایک فریق کی انفرادی کوشش کارگر نہین ثابت ہوگی اور اگر ایسا ہوسکے تو وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آیندہ تین سال مین ملک مین ایسی سیاسی صورت پیدا ہوجائے گی کہ گورنمنٹ کو اسکے مصالحت کرنا اور انصاف برتنا لازمی ہوجائے گا۔

پھر نہ صرف مسئلہ کینیا اور انگریزی نوآبادیات کے ہندوستانیون کے مشکلات کا سوال حل ہوجائیگا بلکہ سوراج کی منزل ہمسے نہایت قریب تر ہوجائے گی۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم متفق و متحد ہوکر خطرے اور دشواریون سے قطع نظر کرکے آگے قدم بڑھانے کے لیے تیار ہوجائین۔

کشن پرشاد کول

لارڈ لیورہولم مرحوم لیورپول کے جو گذشتہ ایام مین فوت ہوئے تھے اپنی وصیت مین جو اب شائع ہوئی ہے ایک قابل ذکر درخواست کی ہے۔ انھون نے اپنی تمام خاص کتابون اور دارائیان اور نوٹ اپنے بھتیجے کے نام چھوڑے ہین۔ اپنے خواہش ظاہر کی ہے کہ اگر کوئی شخص میری یا کسی اور شخص کی سوانحعمری لکھنے لگے تو اسکو ان کے استعمال کی اجازت نہ دیجائے۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ لارڈ لیورہولم خود مسٹر گلیڈسٹون اور رچرڈ کوبڈن کی سوانحعمریون کے مصنف تھے تو ان کی اس خواہش سے حیرانی پیدا ہوتی ہے۔

انگلستان کے مشہور انشاپرداز بیکن کے مضامین کا ایک مجموعہ جو ۳۲۵ سال قبل کا چھپا ہوا اور دوسرا ڈیشن تھا گذشتہ ماہ مین ۴۷۰ پونڈ مین فروخت ہوا ہے۔

دُنیاوی بہشت

جس دنیا مین ہم رہتے ہین اُسکی بابت لوگون کے دو خیال ہین۔ کچھ لوک اس دنیا کو بہشت نظیر کہتے ہین اور کچھ اسکو دوزخ نما تصور کرتے ہین لیکن درحقیقت یہ نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ بلکہ جیسا ہم اسے بناتے ہین ویسی بنجاتی ہے۔ جو لوگ اس مین لطف ڈھونڈھتے اور دلچسپی پیدا کرتے ہین اُنکے لیے یہ بہشت ہے اور جو یہان جیون تیون زندگی کاٹتے اور موت کے منتظر رہتے ہین اُنکے لیے دوزخ ہے۔

وہ قومین جو دنیا کو عشرت گاہ سمجھتی ہین اور اسمین اپنے لطف اور دلچسپی والے سامان مہیا کرتی ہین خوشحال ہوتی ہین اور جس سرزمین پر انکی بود و باش ہوتی ہے آراستہ بارونق بن جاتی ہے۔ برخلاف اسکے وہ قومین خوشحال نہین ہین جو دنیا سے دلچسپی نہین رکھتین اور زندگی کو زندگی نہین سمجھتین۔ اُنکے گھرون اور ملکون مین بھی رونق نہین ہوتی۔ ہندوستان کسی زمانہ مین نہایت سرسبز زرخیز اور خوشحال تھا۔ یہان بیشمار دولت تھی اور خوردنی اشیاء کی افراط تھی۔ سارا ملک دلچسپ مناظر و سبزہ زار سے پر تھا یہانتک کہ کچھ لوگ اُسکو بہشت نظیر کہتے تھے۔ سبب یہ تھا کہ یہان کے باشندے اُن اُصولون پر چلتے رہے جنکا مدعا زندگی کا بہترین استعمال کرنا اور دنیا کو دلچسپ بنانا تھا لیکن جسوقت سے اس خیال مین کمی آنے لگی، ترقی اور آرایش کے سامانون سے دلچسپی نرہی اور مایوسی اور مردہ دلی نے زندہ دلی کی جگہ لینی شروع کردی اُسیوقت سے وہ جنت بھی دوسرونکے حصے مین آگئی یہانتک کہ ساری دولت اور حیرت انگیز چیزون کا ذخیرہ جاتا رہا اور وہی سرزمین جو بہشت تھی دوزخ بن گئی۔ ہندوستان کا انقلاب بتلاتا ہے کہ کسی مُلک کی زرخیزی اور خوشحالی قدرت کے فضل اور زمین کی حالت پر منحصر نہین ہے بلکہ اُسکا دارومدار لوگونکے خیال اور طرز عمل اور حُسن کوشش ہے۔

قدرت کی رحمت کی بارش سب پر یکسان ہوتی ہے اور ہر زمین محنت و توجہ سے زرخیز و سرسبز

ہوسکتی ہے لیکن بے توجہی سے سرسبز زمین بھی اوسر بنجاتی ہے۔

"فردوس برین" (نام کتاب) مین ایک دنیاوی جنت کا حال ہے جو ہو بہو ایسی تھی جیسی آسمانی جنت اور اس دھوکے مین آکر لاکھون آدمی نے اپنے ضمیر اور اخلاق کے خلاف کام کر ڈالے۔

اس بہشت کی نسبت خیال ہے کہ آسمانی بہشت کے نقشہ پر تعمیر کی گئی تھی (جسکا بیان حدیث مین ہے) وہان ویسے ہی محلات تھے جیسے آسمانی بہشت مین ہین اور کوثر اور شراب طہور کے حوض بھی موجود تھے، یہانتک کہ نور الکہی بھی پیدا کردیا گیا تھا اور طیور کو خدا کا نام لینا اور بہشتیون کو پھل وغیرہ وغیرہ لاکر دینا بھی سکھا دیا گیا تھا۔ حسین حورین حوردن کے لباس مین پیش کی گئین تھین، غرض وہ تمام باتین تھین جو آسمانی بہشت کے لیے مخصوص سمجھی جاتی ہین

اگرچہ یہ سب چیزین ایک بدکردار بادشاہ کی خواہشات نفسانی کے لیے جمع کی گئی تھین اور وہ طرح طرح کے نامہذب افعال و ناکردنی گناہون کا ذمہ دار تھا لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بہشت نظیر بن سکتی ہے اور یہان وہ سب لطف اور دلچسپیان پیدا کی جاسکتی ہین جنکو ہم بہشت مین پانے کی امید کرتے ہین۔ یہ مصنوعی بہشت، لوگون کو گمراہ کرنے اور دھوکا دینے کے لیے بنائی گئی تھی اور اُس کا مقصد چند آدمیون کی خواہشات پورا کرنا اور دوسرون کو غارت اور برباد کرنا تھا اس لیے وہ برباد ہوگئی اور اُسکے باشندے دوزخ مین پہونچے لیکن اگر کسی ملک یا شہر کو امن وامان قائم کرنے، زندگی کو پُر لطف بنانے اور مذہب کے مقصد پورا کرنے کے لیے بہشت نظیر بنایا جائے تو امید ہے کہ وہ دراصل جنت بن جائیگا۔ اور وہان کے باشندے زندگی کا بہترین استعمال کرکے آرام و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرسکین گے مگر ایسی حالت صرف اسوقت حاصل ہوسکتی ہے جب لوگ ایمانداری، مساوات اور حُسن سلوک کے قائل ہون سب کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ سلوک کرین۔ کسی کو کسی کی حق تلفی گوارا نہو کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ سب ایک دوسرے کی ہمدردی کرنے اور رحمدلی سے پیش آنے کے عادی ہون دنیا کو بہشت بنانا زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد ہے۔ اور اسکو بہشت بنانا کوئی مشکل کام نہین"

یہان تمام چیزین موجود ہین جو بہشت مین بنائی جاتی ہین۔ صرف لوگونکی مردہ دلی دور کرکے اُنکو زندہ دل بنانا ہے۔ اگر لوگون کی مردہ دلی دور ہوجائے اور وہ دنیا مین دلچسپی لینے لگین اور انکو اس بات کا یقین ہوجائے کہ چند اصولون پر چلنے سے انکا سارا دکھ دور ہوجائیگا اور وہ بیماری مفلسی، تفکرات،

اور غم سے نجات حاصل کرکے لطف حاصل کرنے کے لیے کافی وقت اور موقعہ پاسکین گے تو ایسا کون شخص ہے جو دنیا کو بہشت بنانے کے لیے کوشان نہ ہوگا۔ مین سمجھتا ہون کہ کوئی شخص تفکرات اور مصائب کو پسند نہین کرتا لیکن وہ سمجھتا ہے کہ وہ لاچار ہے اور ان دکھون کا دور کرنا قدرت کے ہاتھ مین ہے۔ یا کم از کم اسکی قدرت سے باہر ہے۔ اگر ہم چھوٹے ہی پیمانہ پر بہشت کا نمونہ دکھا دین اور زندگانی مسرور کی عملی تمثیل پیش کرسکین تو جا بجا انکی نقل ہونے لگے گی اور ہمارا مطلب پورا ہوجائیگا ہم دیکھتے ہین کہ جب کوئی نیا فیشن چلتا ہے تو وہ مقبول عام ہو جاتا ہے اور اسکی بخوبی تقلید ہونے لگتی ہے اور چونکہ ہماری تحریک بھی دلچسپی سے خالی نہین اسلیئے وہ بھی مقبول عام ہوگی۔

شاید یہ بتلانا غیر دلچسپ نہ ہوگا کہ بہشت کیسی جگہ ہے اسمین کیا لطف ہین اور یہ کہ ہماری دنیا کسطرح بہشت نظیر بن سکتی ہے۔ ناظرین اس بات کو جانتے ہونگے کہ بہشت کا تعلق مذہبی روایتون سے ہے اور چونکہ ہر مذہب کی روایتین جداگانہ ہین اسلیئے ہر مذہب مین بہشت کا بیان مختلف ہے۔ تاہم یہ بیانات ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ہین اور ان سے تین نقشے تیار کئے جاسکتے ہین۔

نقشہ اول مین بہشت کو ایک دنیا سمجھنا چاہیئے صرف اسقدر خیال رکھنا چاہیئے کہ بہشت کے باشندے خوش اور صابر ہین اور اس دنیا کے باشندے غیر مطمئن اور دکھی بہشت مین تمام چیزین عمدہ اور خوبصورت ہین اور یہان کی ہر چیز اسکے مقابلے مین بدصورت اور ناپائیدار۔ خاص بات بہشت کے اندر یہ ہے کہ وہان کاروبار۔ شور و غل نہین ہے۔ وہان سکون اور اطمینان کی حکومت ہے۔ ضرورت کی ہر چیز بغیر محنت کے حاصل ہوتی ہین۔ وہان تردوات و تفکرات کا نام نہین اور وہان کے رہنے والے تمام وقت لطف اور دلچسپی مین گذارتے ہین۔ کوئی جھگڑا ہے نہ فساد، اور سب لوگ رتبہ مین برابر ہین اور سب کے لیے سب کچھ میسر و موجود ہے۔ نہ کوئی بیمار پڑتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ وہان ہر ایک چیز سے مسرت و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور یہی سب چیزون کا ماحصل ہے۔

اگرچہ بہشت کے متعلق مختلف مذاہب مین کچھ نہ کچھ اختلاف ہے لیکن بہشت کے مسرت انگیز وجود کے متعلق سب کا اتفاق ہے، اور ہر مذہب کا قول ہے کہ موت کے بعد بہشت مین صرف وہی لوگ داخل ہوتے ہین جو اس دنیا مین نیک زندگی بسر کرتے ہین اور خدا کی عبادت کرکے اسکے احکام بجالاتے ہین۔

دوسرے نقشہ مین بہشت پہلے نقشہ سے مختلف ہے۔ یہ بہشت ایک سادہ خطہ ہے جہان کی حمایتین

اور تمام ساز و سامان سادہ ہین۔ اور بہت تھوڑی چیزین ہین اور وہ صرف ایسی ہین جنکی خدا پرست یا تارک الدنیا لوگون کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہان کے باشندے پہاڑی سبزہ زار اور خوبصورت جھونپڑون مین رہتے ہین، یہان کا منظر قدرت کی بہار ہے جسکا تصور پہاڑی مقام۔ سبزہ زار۔ بہتے دریا اور سہانے وقت سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ لوگ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہین اور زیادہ تر وقت خدا کی عبادت اور غور و خوض مین صرف کرتے ہین لیکن کبھی کبھی وہ ایک جگہ جمع ہوجاتے ہین اور دلچسپ تقریرین اور دوستانہ مباحثات کرتے ہین۔

تیسری بہشت کا نقشہ پہلے دونون سے مختلف ہے۔ یہان بجز لطف کے دریا کے اور کچھ نہین ہے نہ زمین ہے نہ آسمان ہے۔ صرف ایک پگھلا ہوا مادہ ہے جو پانی کی طرح بہتا ہے اور جسمین ہر شخص جاکر دریا کا ایک قطرہ بنجاتا ہے اور آنند کے ساتھ موجزن رہتا ہے۔ یہان کی زندگی اسقدر مگن ہوتی ہے کہ آدمی کبھی نہین اکتاتا اور اسکو کسی چیز کی خواہش نہین ہوتی۔

یہ تین نقشے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہین اُس بہشت کی نقل ہین جو آسمان پر ہے، جہان خدا رہتا ہے اور جہان دنیا کے لوگ مرکر اپنے افعال و اعمال کا حساب دینے جاتے ہین۔ لیکن مین دنیا سے علیحدہ بہشت کی ہستی کی بابت کوئی سچا اعتقاد نہین رکھتا، تاہم مین بہشت کے خیال کو پسند فرد کرتا ہون اور چاہتا ہون کہ دنیا مین اس کا نمونہ دیکھنے مین آئے۔

میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتین یہان بھی میسر آسکتی ہین، اور اسی دنیا مین تینون قسم کی بہشت بن سکتی ہے اور ہر شخص زندگی کے حصے مقرر کرکے تینون بہشتون کا لطف اُٹھا سکتا ہے۔ ہان اسکے لیے ہم کو اپنے مکانات پاک صاف رکھنا ہونگے، ہر چیز آراستگی و سہولیت کے لحاظ سے قرینے سے رکھی جائے اور ہر کام مین خوبصورتی اور محبت مدنظر ہو زندگی، سکون۔ اطمینان و آزادی کے ساتھ بسر کیجائے تو ہماری دنیا کی حالت بہت کچھ بدل سکتی ہے۔ اگر ہم مین سے ہر ایک ان باتون کا خیال رکھے اور اپنے دوست احباب سے خلوص دل سے ملے اور اپنی پرائیویٹ اور پبلک زندگی مین اعلیٰ معیار زیست کو پیش نظر رکھے تو دنیا مین ایک عجیب قسم کی رونق ہوجائے اور روحانیت برسنے لگے۔

صفائی۔ خوبصورتی۔ سکون۔ محبت۔ استقلال۔ زندگی اور اخلاق پر بہت گہرا اثر ڈالتے ہین اور وہ آدمیون کو پاکبازی کی طرف راغب کرکے دنیا کو بہشت جیسا دلچسپ بنانے مین بہت کچھ مدد دیسکتے

ہین۔ دنیا کے بہشت بننے کے لیے کچھ ضرورت نہین کہ وہان زر و جواہر کے محلات ہی ہون بلکہ وہان امن و چین کی ضرورت ہے۔ ہر جگہ جہان جھگڑا فساد۔ بیماری بغض ہی نہو بہشت کا نمونہ دیکھنے مین آسکتا ہی، بہشت اسوجہ سے بہشت ہے کہ وہان محبت۔ لطف اور امن و چین ہے۔ اگر یہ چیزین وہان سے ہٹادی جائین تو وہی بہشت دوزخ ہوجائے۔ مذہبی پیشواؤن کا قول ہے کہ پاک زندگی بسر کرنے سے ہمکو موت کے بعد بہشت نصیب ہوگی۔ مین کہتا ہون زندگی ہی مین پاکبازی سے بہشت میسر ہوسکتی ہین اسلیے جو بہشت کے خواہان ہین انکو چاہیئے کہ اپنے زندگی کے مقصد اور مدعا کو ادنیٰ دولت یا ہیچ شہرت یا ناپائدار لذت فانی پر قائم نہ کرین بلکہ علم اور اعلیٰ قوتین حاصل کرنے کی فکر کرین اور ہر گھر کو اپنا گھر سمجھکر بارونق اور خوشحال بنانے کی کوشش کرین۔ ہمکو اپنی دنیا ایسی بنانی چاہیئے جو بہشت کے مانند ہو اور جہان اُن قواعد اور قوانین کی بخوبی پیروی ہوتی ہو جو بہشت کے قائم رہنے کیلئے ضروری ہین۔

ہریرام

نصائح کبیر

میرے دل بانے دیا محبت کے رازون کو نہ پایا تو جہالت مین آیا اور جہالت مین ہی کیا۔

اے میرے دوست تمنے اس زندگی کے ساتھ کیا کیا۔ تمنے اپنے سر پتھرون کے بھاری بوجھ کو اُٹھالیا ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ کون اسے اٹھا کریگا؟

تمہارا دوست دریا کے دوسرے کنارے پر تمہارا منتظر ہے۔ مگر تم خیال نہین کرتے کہ اس تک کسطرح پہنچ سکوگے کشتی ٹوٹ گئی ہے۔ لیکن پھر بھی تم کنارے پر بیٹھے ہوئے ہو اور لہرین یقین برباد کر رہی ہین۔

تم اکیلے ہو تمہارا کوئی مونس نہین، تمہین اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑیگی۔

کبیر اُسکی مدد ڈھونڈ جو تجھے ہمیشہ مدد دینے کے لیے تیار ہے۔

کبیر افتخار رسول بدر

بھاشا اور اُسکے نورتن

(از منظور الحق کلیم اعظم گڈھی)

بکرماجیت اور اکبر کی نورتن کیطرح بھاشا شاعری کی بھی نورتن ہے۔ اِس نورتن مین چند بردائی (۲) سورداس (۳) تلسی داس (۴) کیشو داس (۵) بھوشن گوئی (۶) بہاری لال (۷) متی رام (۸) دیودت (۹) بھارتیندو ہریشچندر شامل ہین۔

یہ وہ باکمال ہستیان تھین جو آسمان ادب پر پُرنور ستارون کیطرح چمکین اور اپنی ضیا بار کرتون سے ہندوستان کے گوشے گوشے کو چمکا دیا۔

ہم ناظرین کی دلچسپی کے یہ چند واں کے مختصر حالات اور نمونہ کلام پیش کرتے ہین اور انشاء اللہ آیندہ بھی اِس سلسلے کے قائم رکھنے کی کوشش کرینگے،

۱۔ چندر بردائی

جسطرح اُردو شاعری کے بابا آدم ولی مانے جاتے ہین اُسی طرح بھاشا شاعری مین چند بردائی کے باندھا گیا ہے۔ پرتھی راج راسوان کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے ان کی پیدایش ۱۱۲۶ء مین بمقام لاہور[1] ہوئی یہ قوم کے بھاٹ تھے لڑکپن ہی مین اجمیر گئے اور اپنی ذہانت اور کاوت کی وجہ سے پرتھی راج کے درباریون مین شامل ہوگئے۔ ابتداً ایک معمولی درباری کی حیثیت تھی لیکن رفتہ رفتہ تقدیر نے درجۂ وزارت تک پہنچا دیا۔

جب پرتھی راج کو دہلی کا راج ملا تو اسکے ساتھ ساتھ دہلی چلے آئے اور آخر دم تک دہلی ہی مین رہے۔ انجام کار محمد غوری کی قید مین گرفتار ہوئے۔ ۱۱۹۴ء مین یہی قید قید حیات سے نجات کا ذریعہ بنی۔

ان کی تصنیفات مین سے پرتھی راج راسو جو تقریباً ۲۵۰۰ صفحہ کی کتاب ہے مشہور ہے اسمین جنگ

---

[1] بموجب تحقیقات راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند کانگڑہ۔

کار۔ آئین حکومت۔ بسنت۔ جنگل۔ سواری۔ برسات۔ شادی۔ راج تلک اور پرتھی راج کی ستائش
مقامات خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہین انکی زبان پر پراکرت کا اثر زیادہ ہے ملاحظہ ہو۔

ہی کب چندن سو ما دھو[1] نر ندم
مرتان[2] بھٹم[3] مدھو[4] ما و[5] ایندم[6]
ی ایک بھنڈ ہی بھی ڈمبھی پرمانم
تار جھنکار بد یا سو۔ جانم
ہم منتر پتری پڑھے وید بانی
م بھٹ کو نم جو یو جو گیانی
ھے ترک بیترک چو نسٹھ بدیا
م روپ کے بھید چوراس سدیا

कवी कव्वि चन्दं सुमाधौ नीरदंम
सुरंतान भद्द मधू माद हूंद कवी एक भंडी
कवी एक भंडी मि डिंभी प्रमान
किती तार झंकार बिदया सुजानम
बिधं मंत्र पत्री पढ़े वेद वानी
तिनं भट कोनं जुपुज्जै गियानी
पढ़े तर्क बित्तर्क चौंसदि विदया
तिनं रुप के भेद चौरस सदया

چندر بردائی اسمین، دھوراج کا حال بیان کرتا ہے کہ یہ شہاب الدین محمد غوری کا ایک بھانٹ
ماجو شراب کے نشہ کا ماہتاب تھا یعنی باوجود اہل کمال ہونے کے بدنام بھی تھا وہ ایک بھانڈ کے مانند
ما اور خرافاتی بھی۔ وہ تارون کی جھنکار یعنی ستار بجانے کے فن مین ہوشیار تھا۔ سنسکرت پر عبور تھا اور
سانی سے پڑھتا تھا۔ ان صورتون مین ایسا کون ہو سکتا ہے جو اسکی پوجا نکرے علم کے چونسٹھ اقسام مین سے
ایک کا ماہر تھا اور سینکڑون طریقہ سے پڑھتا تھا اور انکی چوراسی قسمون کو فوراً جان جاتا تھا یعنی ہر علم پر کامل عبور تھا

رس کا دیہ رچنا رچون کمل جن مون ہنسنت[10]
یسے سیندھور دیکھ مگ سوان[11] سو بھاؤ بھوسنت[12]
ہی سو جن بت گن لیے تن من پھول
د کا بھے جیے جان کے کیون ڈارئے دو کول

सरस काव्य रचना रचे खल जन सुनन हंसन्त
जैसे सेंधुर देख मग स्वान सो भाव भुसन्त
तो पति सुजन निमिन्त गुन रचिये तन मनफूल
जूका भेजिय जान के क्यों डारिये दु कूल

بڑے خصائل کی بابت لکھتے ہین کہ مین اپنی شاعری کر رہا ہون اور نیچے خیال والے سنکر ہنستے ہین جس طرح
ہاتھی کو راستہ مین دیکھکر قدر نا کتے بھونکتے ہین اس صورت مین اچھے لوگون کو چاہیے کہ اوصاف حمیدہ مین نیک

۱۔ نام شاعر ۲۔ سلطان ۳۔ بھانٹ ۴۔ شراب ۵۔ نشہ ۶۔ ماہتاب ۷۔ خرافاتی ۸۔ مشہور ۹۔ کیطرح ۱۰۔ پر معنی
۱۱۔ شاعری ۱۲۔ ہنستے ہین ۱۳۔ ہاتھی ۱۴۔ آتا،

کے ساتھ ترقی کرتے رہین کیا کوئی جون کے خوف سے اپنے ریشمی ڈوپٹہ کو پھینکدیتا ہے۔

تشبیہات اور تمثیلات نے اسمین جان ڈالدی ہے اس قسم کے مضامین جتنے بھاشا شاعری مین ہین اور کسی زبان مین نہین ہین۔ ایک موقع پر پرتھی راج کے لڑکپن کی حالت دکھاتے ہین

पाग विराजत सीस पर जर कलगोत निहय	پاگ براجت سیس پر جرکس جوت نہاے
मानो मेरु के शिखर पर रहयो अहषपत आय	مانو میرو کے سکھر پر رہیو اہش پت آئے
ताप तुरास भत अत कहत सोभ कवि नाथ	تاپر طرہ سوبھت ات کہت سوبھ کوئی ناتھ
मानो सूर्ज के सीस पर अषिन धरे धन हाथ	منو سورج کے سیس پر دھکن دھریو دھنواتھ
शर्वन विराजत स्वात सुत करत नबने बखान	ثرون براجت سوات سہت کرت نہ بنے بکھان
कमल पत्र अग्रज रहे ओस उड्गन आन	کمل پتر اگرج رہے اوس اوڈگن آن
कंठ माल मोतीन की सो भत सोभ विशाल	کنٹھ مال موتین کی سوبھت سوبھ بشال
मेरु शिखर पारस फिरत जान अतिलिन माल	میرو سکھر پارس پھرت جان ہچرن مال
मिस भनिने सभचन्क मुख निपट ब्राजत नूर	مس بھنینے سوبھنک مکھ نپٹ براجت نور
मनो बीर अरु काम के उगे आन अंकूर	منو بیر اور کام کے اوگے آن انکور

پرتھی راج کے سر پر زربفت کی پگڑی نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور اُسمین ایسی روشنی معلوم ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ میرو پہاڑ کی چوٹی پر ناگ کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا ہے۔ اسکے اوپر طرہ خوبصورتی پیدا کر رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ برہسپت جو تمام ستارون کے گرو ہین سورج کے سر پر ہاتھ مین کمان لیے ہین کان مین موتی کے آویزے ایسی خوشنمائی پیدا کرتے ہین کہ جیسے کنول کے پہلے نکلے ہوئے پتے پر شبنم کے ستارے جڑے ہون گلے مین موتیون کا مالا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اسکو چھپریون کا مالا نہ سمجھو بلکہ میرو پہاڑ کی چوٹی پر پارس پھر رہا ہے سبزہ آغاز ہونیکی وجہ سے چہرے پر عجیب نور برس رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بہادری اور جذبات کے انکور نکل رہے ہین۔

غور کیجئے تشبیہ و تمثیل کی قوت سے نفس مضمون مین کس قدر دلکشی پیدا ہو گئی۔ یہی دلکشی ہے جسکی بدولت چند بردائی آج بھی بھاشا شاعری کا مسلم الثبوت اُستاد تسلیم کیا جاتا ہے۔

منظور الحق کلیم اعظمگڈھی

جواہرات عالم[1]

(۴)

(کوہ طور)

۱۶۵۵ء مین شاہجہان نے اپنے لیے ایک عجیب و غریب تخت شاہی تیار کرایا۔ جسکا نام تختِ طاؤس رکھا گیا۔ یہ تخت اسم با مسمّےٰ تھا کیون کہ شکل و شباہت مین یہ بالکل مور کی صورت کا بنا ہوا تھا۔ ایک عظیم الشان طلائی پر مذ قیمتی جواہرات سے مرصع تیار کیا گیا تھا اور مور کے اصلی قدرتی رنگ نہایت موزون طریقے سے مینا کاری سے قائم کئے گئے تھے۔ اسکی گردن بلند اور اسکا سر نشست کی جگہ سے کچھ ہی نیچے تھا۔ پشت کے جانب مصنوعی دم کی رنگین پر پھیلے ہوئے تھے۔ یعنی اس طرح جیسے کہ ناچتے وقت مور اپنے پر پھیلا دیتا ہے۔ اور یہ بہت بڑے جواہرات کو نقش و نگار عین وسط مین لگاؤ گئے تھے۔ اس کے متعلق یہ ایک عام روایت ہے کہ ایک ہیرا مشہور عالم کوہ نور تھا۔ مگر وثوق سے اسکے بارے مین کچھ نہین کہا جا سکتا ہے اور دوسرے ہیرے کا نام "کوہ طور" تھا یہ کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ اسکا رنگ نہایت شوخ چمکدار اور زرد تھا قریب ایک صدی کے یہ نادر و نایاب ہیرا تخت طاؤس مین جڑا رہا۔ اسنے بڑے بڑے دربار اور عظیم القدر جشن دیکھے اور اسکی شہرت چار دانگ عالم مین پھیل گئی۔ کہتے ہین کہ منجملہ اور زر و مال کے اسکے حصول کے حرص کی وجہ سے بھی نادر شاہ درّانی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب ہوئی تھی۔ آخر حملہ ہوا اور سلطنت مغلیہ پر زوال آگیا۔ اور نادر شاہ فاتح و کامیاب ہو کر دہلی مین داخل ہوا۔ بہت سے اور بیش بہا جواہرات کے ساتھ کوہ طور کو بھی اپنے ساتھ ایران لیگیا۔

اپنے تمام مال و غنیمت مین نادر شاہ تخت طاؤس کو سب سے زیادہ بیش قیمت اور قابل قدر

---

[1] اس سلسلہ کے اول مین مفصلہ زمانہ بابت اکتوبر۔ نومبر و دسمبر ۱۹۲۳ء مین شایع ہو چکے ہین۔

سمجھتا تھا اور اسے وہ اپنے احباب اور معزز مہمانون کو نہایت تحزد مباہات کے ساتھ دکھاتا تھا۔ مشہور فرانسی سیاح ٹیورنیر بھی اسکی آب و تاب چمک دمک اور عجیب و غریب ساخت دیکھکر محو حیرت ہوگیا تھا اور تمام عالم مین اس تخت کی اسقدر شہرت ہوگئی تھی کہ دور و دراز ممالک سے سیاح اسے دیکھنے کے لیے ہندوستان آیا کرتے تھے۔

فرانس کے کئی سیاحون نے اسکا تذکرہ بھی اپنے سفرنامون مین لکھا ہے۔ لیکن تخت طاؤس کی عجیب و غریب داستان اُسیوقت سے شروع ہوتی ہے جب یہ نادرشاہ کے ہاتھ آیا۔ جب نادر قتل ہوا ہے تو اُسوقت ایک فرانسیسی سپاہی جو اپنی فوج سے بھاگ آیا تھا اُسکے قریب تھا۔ تخت طاوس اور اسکا بیش بہا کوہ طور اسکی نظر سے بھی گذر چکا تھا اور اسکو اس تخت کا کل حال معلوم تھا۔ نادر کے قتل کے بعد ملک مین بدامنی و بدنظمی پھیل گئی ہر طرف ایک ہلچل مچگئی اور بغاوت کا دور دورا ہوگیا۔ اس طوائف الملوکی کو دیکھکر یہ سپاہی ایک روز رات کو جبکہ بارش کی وجہ سے ساری فضا طوفانی ہو رہی تھی فقیرانہ بھیس بدلکر شاہی محل مین پہنچگیا اور تخت کے کمرے مین جاکر کوہ طور کو تخت سے نکال لایا اور رفتہ رفتہ اس ہیرے کو لیکر مدراس پہونچا جہان اسنے کوہ طور کو ایک انگریز بحری کپتان کے ہاتھ بیس ہزار روپیہ مین فروخت کر ڈالا۔ اس انگریز کو اس قیمتی پتھر کی قدر معلوم تھی۔ اور اسنے فرانسیسی سپاہی کو سرقہ کے الزام کی دھمکی دیکر اسکو بہت ہی کم قیمت پر خرید لیا اور پھر اسے لندن لے گیا جہان ایک یہودی جوہری کے ہاتھ بارہ ہزار پاونڈ (ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ) کو فروخت کیا۔ حسن اتفاق سے اُنھین دنون مین انگلستان مین خواجہ رفیع نامی آرمینہ کا ایک مشہور و مالدار جوہری آیا ہوا تھا یہ اصفہان مین رہتا تھا اور وہین اسنے کوہ طور کا ذکر سنا تھا اور اب اسکے خریداری کا شایق تھا چنانچہ اسنے فروخت کی بات چیت کرکے اسکو خرید لیا۔ کس قیمت پر یہ سودا ہوا اسکی تحقیق نہین ہوسکی ہان اتنا معلوم ہے کہ یہودی جوہری نے کوہ طور کو ترشوا ڈالا تھا اس تراش کے بعد اسکا وزن ۱۹۴ قیراط رہگیا تھا۔ بہرحال خواجہ رفیع اسکو انگلستان سے ایمسٹرڈیم لیگیا جہان عشق و محبت کے جھگڑون مین مبتلا ہوگیا۔ ایمسٹرڈم مین اس زمانہ مین اُسکا شاہزادہ آرلف ORLOFF اپنے ملک سے جلا وطن ہوکر آیا تھا۔ شاہزادہ موصوف ۱۷۲۴ء مین پیدا ہوا تھا اور بہت ہی شکیل و خوبصورت بہت توانا اور جوانمرد تھا۔ ملکہ کیتھرن

دوم اُسکے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونے سے پیشتر ہی شاہزادہ آرلف کے دام محبت مین گرفتار ہو چکی تھی اور ایک عرصہ سے یہ محبت قایم بھی رہی چنانچہ ایک مدت دراز تک ملکہ کے دل اور سلطنت کا اصلی حکمران یہی شاہزادہ رہا ملکہ کے لڑکے کاونٹ ابن سری BOBRINSKI COUNT کا باپ بھی یہی شاہزادہ آرلف تھا۔ مگر آخر کار ملکہ کا دل شاہزادہ موصوف سے پھر گیا اور وہ شاہزادہ پاٹمکن POTEMKIN کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس رقیب نے ملکہ کے دل سے آرلف کی دیرینہ محبت کا نقش مٹا دیا اور اس سے طرح طرح کی پیچیدگیان پیدا ہوگئین ان دونون عشاق مین سلطنت عشق کے واسطے جنگ وجدل ہونے لگی ۱۷۷۳ء مین آرلف ایک سازش کا شکار ہوگیا اور ملکہ نے اسکے واسطے کریمیا مین رہنے کا حکم دیا بہ الفاظ دیگر یہ اسکے جلاوطنی کا حکم تھا شاہزادہ آرلف کو قدرتاً یہ ذلت گوارا نہوئی اور وہ اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہکر کئی سال تک ممالک یورپ کی سیر کرتا رہا کہ شاید اسی طرح اسکا غم غلط ہو جائے مگر ملکہ سے عشق حقیقی تھا اسلیے اسکے محبت مین کمی ہونے کے بجائے آتش عشق وشوق اور بھی تیز ہوگئی۔ گو ہر طرف مایوسی کا سامنا تھا لیکن دل مین ہنوز یہ امید باقی تھی کہ شاید ملکہ کا جوش محبت پھر کسی وقت تازہ ہو جائے اور اُسکو پھر سرفرازی کا موقعہ ملے۔ یہی آرزو اور یہی ارمان اسکی زیست قایم کئے ہوئے تھا بہر حال وہ ہر وقت ملکہ کی نظر نوازش کا منتظر اور متلاشی رہتا۔ اور اسی فکر مین غلطان وپیچان رہتا کہ کسی طرح اسکی معشوقہ دلنواز کی توجہ پھر اسکے حال پر مبذول ہوا۔ غرض اسی حال مین وہ ایک جلاوطن اور معزول ومعتوب شخص کے حیثیت سے امسٹرڈم پہونچا اس شہر مین مشہور ومعروف جوہری خواجہ رفیع سے اسکی ملاقات ہوئی خواجہ نے اسکی درد والم کی داستان سنکر کوہ طور کے طلسماتی اثرات کا مبالغہ آمیز تذکرہ کیا اور مشرق کے عمل تسخیر کی جو یورپ مین ناپید ہے اسقدر تعریف کی کہ آرلف بصد شوق کوہ طور کی خریداری پر آمادہ ہوگیا۔ آرلف اہل غرض تھا وہ اپنے گم گشتہ عشق کے تجدید کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا چاہتا تھا اور اسکے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا آرلف کو معلوم تھا کہ ملکہ کو جواہرات وزیورات کی بڑی شوقین ہے اسکو یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا اور اس خیال سے کہ شاید اس بیش بہا تحفہ کے ذریعہ سے اسکو اپنی کھوئی ہوئی دولت ۱۷۷۶ء

ملاقات [illegible] کے خود لیا اسکا تذکرہ سنگ کے ایک مراسلہ مورخہ ۲ جنوری

مین بھی موجود ہے۔

خواجہ نے آرلف سے کوہ طور کے نوے ہزار پاونڈ (ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ) نقد لئے اور یہ معاہدہ بھی کرلیا کہ اگر آرلف کی مراد بر آئی تو وہ تمام زندگی خواجہ کو چار ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ دیتا رہے گا۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آرلف ملکہ کے عشق مین کس درجہ دیوانہ ہو رہا تھا۔

بہرحال مشتاق آرلف کوہ طور کو لیکر امید و بیم کی حالت مین روس واپس آیا۔ دربار شاہی مین ملکہ کی باریابی کا مستدعی ہوا حسن اتفاق دیکھئے کہ کتھرین کے دل مین اسوقت پاٹم کن کی طرف سے کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی پاٹم کن کے مزاج مین غصہ بہت تھا جسکے باعث ملکہ سے کبھی کبھی ان بن ہوجاتی تھی۔ غرض اس عارضی شکر رنجی کا فائدہ آرلف کو پہونچا اور ملکہ نے اپنے قدیم عاشق زار کو شرف ملاقات بخشا اور اس بیش بہا تحفہ سے بہت خوش ہوئی کوہ طور نے واقعی جادو کا کام کیا اور آرلف پھر اپنے پرانے ممتاز منصب پر عزت و حرمت کے ساتھ بحال ہوگیا اور اور پاٹم کن گمنامی مین جا گرا۔ اس تاریخ سے کوہ طور کا نام "آرلف" قرار پایا اور یہ روس کے شاہی جواہرات مین شامل ہوگیا۔ اسکی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور عصا ر شاہی کے موٹھ پر اسکو لگایا گیا اسکے اوپر ایک خوبصورت طلائی عقاب بنایا گیا تھا اسی مین یہ ہیرا جڑا دیا گیا۔

غرض اسوقت سے اسکا شمار یورپ کے بیش قیمت پتھرون مین ہوگیا افسوس ملکہ کی محبت آرلف کے ساتھ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ اور چند ہی سال بعد شاہزادہ پاٹم کن نے پھر اسکے دل پر اپنا سکہ جما دیا۔ اسمرتبہ آرلف ہمیشہ کے لیے معتوب ہوگیا مگر اس معزولی کا اثر اسکے قلب پر ایسا گہرا پڑا کہ ملکہ کے عشق مین متوالا ہوکر دیوانہ ہوگیا۔ اور آخر کار اسی حالت مین ۱۷۸۳ء مین فوت ہوگیا۔

یہ پتھر ایک عرصہ دراز تک اسی نام سے موسوم رہا اور روس کا عصائے شاہی اسکا مسکن رہا بڑے بڑے جشن سلاطین متعلیہ و شاہان روس اسکی نظر دن سے گذرے اور دونون نے اسی فخر و مباہات کی جگہ دی روس کے کئی شہنشاہ قتل بھی ہوئے مگر یہ ہیرا یکے بعد دیگرے بادشاہ ہی کے ہاتھ مین رہا۔ بدنصیب زار نکولس آخری شہنشاہ روس کے تخت نشینی کے وقت بھی یہ موجود تھا اور اسکے قتل کے بعد جب بغاوت و بدامنی نے روس کے تخت شاہی کو خون کے

دریا مین غرق کر دیا

خزانہ شاہی کے جواہرات مین کوہ نور بھی شامل تھا۔ اب یہ کہان ہے؟ اور کس کے قبضے مین ہے؟ ہم اسکا جواب دینے سے قاصر ہین۔ خدا معلوم انقلاب روس مین یہ عجیب و غریب تاریخی ہیرا کس کے ہاتھ لگا۔ مگر ایسا بیش بہا جواہر مستقل طور پر چھپا ہوا نہین رہ سکتا ہے۔ آیندہ کبھی نہ کبھی پھر نمودار ہوگا۔ دیکھئے اُسوقت اسکی گذشتہ تاریخ کا لوگون کو پتہ لگتا ہے یا نہین؟

رام سرن نگم

لازم ہے سوچے، غور کرے پیش و پس کرو جو ہو سکے نہ، کیون بشر اسکی ہوس کرے (میر انیس)

" دنیا مین عزت سے زیادہ نازک کوئی چیز نہین۔ یہ وہ شیشہ ہے جو سنگ اندازی سے نہین بلکہ سنگ اندازی کے ارادہ سے بھی چور چور ہو جاتا ہے!

(مصنف سیرۃ عائشہؓ)

محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہین ہوتا عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہین ہوتا (انیس)

" خوشامد جھوٹے موتیون کا ایک چمکتا ہوا ہار ہے "

" وہ آنسو بے بہا ہین جو دوسرون کی مصیبت پر نکلین۔

" کسی کام مین ناکامی فتح کی تیاری ہے "

" ایک انسان کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ جان دیکر بھی قرض سے سبکدوش ہو "

حقیقتِ عشق

کسی نے جو بیگانۂ عاشقی تھا
باصرار دامق سے اِک بار پوچھا

تجھے شوق عزات گزینی کا کیون ہے
تجھے ذوق سحر انشینی کا کیون ہے

یہ کیا ہے کہ اسدرجہ بیتاب ہے تو
شرارہ ہے یا برق وسیماب ہے تو

سسکتا کبھی ہے تڑپتا کبھی ہے
تری زندگی روکشِ جانکنی ہے

کوئی تیرا مونس نہ کوئی ہے ہمدم
فقط ایک دل ہے سو وہ کشتۂ غم

ہمیشہ تجھے آبدیدہ ہی دیکھا
ترے رنگ رُخ کو پریدہ ہی دیکھا

کہا اُس سے دامق نے کیا پوچھتا ہے
مرے دردِ دل کا عجب ماجرا ہے

مین بہرون یہ بیٹھا ہوا سوچتا ہون
کہ عذرا کو ایسی جگہ لیکے پہونچون

جہان آدمی زاد ہو مثلِ عنقا
وہ ایسا لق و دق ہو سنسان صحرا

وہان اسطرح محوِ نظارہ مین ہون
کہ عذرا ہو موجود لیکن نہ دیکھون

یہانتک کہ عذرا سے "عذرا" جدا ہو
مٹے اسطرح امتیازِ من و تو ؛

طبیعت مین جبتک دوئی کا اثر ہے
ہے سامان جنگ اور جدائی کا ڈر ہے

محبت اُسی وقت ہوتی ہے کامل
محبت کا جب خود محبت ہو حاصل

محبت ذریعہ ہو ترکِ خودی کا
وسیلہ ہو بے نفس کی زندگی کا ؛

تعین کا پردہ اُٹھے درمیان سے
تعلق رہے جسم سے اور نہ جان سے

پھر اُس ذات مطلق سے ہو جائے واصل
جہان وصل و ہجران ہین اوہام باطل

جعفر علیخان اثر لکھنوی

فصلِ بہار

آئی بہار پھر نئے سامان کئے ہوئے
یعنی متاعِ حسن کو ارزان کئے ہوئے

اُترا ہے صحنِ باغ میں پھولوں کا قافلہ
پھر جنتِ نگاہ کا سامان کئے ہوئے

ہے دستیاب غازۂ رُوئے شباب پھر
گُل جلوہ گر ہے "چہرۂ گلستان کئے ہوئے"

پھر ضبط آزما ہے کلی کا نمودِ حسن
وارفتۂ تبسّمِ پنہان کئے ہوئے

غنچوں کی طرفہ چاک گریبانیاں ہیں پھر
کیفیتِ جنون کو نمایاں کئے ہوئے

پھر امتحانِ صبر پہ نرگس ہے مستعد
تیغِ نگاہ تیز کو عریاں کئے ہوئے

پھر شعلہ بار ہے نفسِ برقِ بیقرار
سطحِ فلک کو بزمِ چراغاں کئے ہوئے

کیفِ نشاطِ فصل سے پھر ذوقِ عشق ہے
دلکش نوائے مرغِ خوش الحان کئے ہوئے

سوزِ دروں سے ہے تپشِ اندوزِ لالہ پھر
داغوں کو اپنے شعلۂ عریاں کئے ہوئے

مشعل بدست جگنوؤں کا ہے ہجوم پھر
سروِ چمن کو سروِ چراغاں کئے ہوئے

پھر درسِ معرفت ہے زبانِ طیور پر
پتّوں پہ شرحِ معنیٔ قرآں کئے ہوئے

لذت شناسِ آہ مگر ہیں نہیں، کہ ہوں
افتادگی سے عیش کا ارماں کئے ہوئے

یہ جوشِ فصلِ گل، یہ مرا گوشۂ خمول
بیٹھا ہوں اپنے گھر کو بیاباں کئے ہوئے

اب ولولے کہاں کہ ترنم نوا رہوں
غالبؔ کو اپنے ساتھ غزلخواں کئے ہوئے

دَر ہی نہیں کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
"سر زیرِ بارِ منّتِ دربان کئے ہوئے"

وہ "نوبہار ناز" ہی جاتا رہا کہ تھا
ظلمت کدے کو میرے شبستان کئے ہوئے

کیا لطف دلفریبیِ فصلِ بہار اگر
ہو صیدِ دل کو ناوکِ حرمان کئے ہوئے

سیّد محمّد فاروق (شاہجہانپوری)

سکونِ عدم

وہ ہجومِ آرزو، وہ اضطرابِ دلخراش
عمر بھر منّت کشِ صد کاہشِ بے جا رہا

زندگی بھر جستجوئے مدعائے دل رہی
مدعائے دل مگر میرا سدا اغفار رہا

نامرادِ آرزو رہ کر گذاری زندگی
کامیابِ آرزو ہونیکا اک سودا رہا

ایک مدت تک رہا مین شکوہ سنجِ عقل و ہوش
اِک زمانہ تک مجھے تقدیر کا شکوا رہا

ہر قدم میرے لیے تھا اِک فریبِ آرزو
اِس دوراہے مین ہمیشہ ٹھوکرین کھاتا رہا

عمر بھر یونہی رہا واماندۂ مقصود مین
فکرِ لاحاصل مین جانِ ناتوان کھوتا رہا

نامرادی نے بہت مجکو جھنجوڑا بار بار
مین مگر اک خوابِ غفلت مین پڑا سوتا رہا

لاکھ تدبیرون پہ بھی حاصل سکونِ دل نہ تھا
الغرض مضطر رہا جبتک کہ مین جیتا رہا

ہان بہت ممنون ہون مین تیرا مرگِ ناگہان!
تیری غمخواری سے اطمینان اب حاصل ہوا

اب نہین دلکو مرے وہ اضطرابِ مستقل
گوشۂ مرقد مین اب حاصل سکونِ دل ہوا

موجِ حرمان سر سے جب گذری تو بیڑا پار تھا
ڈوب کر اُبھرا تو مین آسودۂ ساحل ہوا

مٹگئین وہ اضطراب شوق کی کیفیتین
اب دلِ مضطر سکونِ عیش کا حامل ہوا

اب نہین دلمین طلسمِ شوق کی نیرنگیان
کھل گئی اب آنکھ سحرِ آرزو باطل ہوا

اب نہین جوشِ تمنّا باعثِ سرگشتگی
خاک مین ملکر مین گویا فارغ منزل ہوا

آ، مین رکھ لون تجھکو اپنے دلمین اے گنجِ عدم!
تیری خلوت مین مجھے حاصل سکونِ دل ہوا

سیّد رازؔ چاندپوری

کلام حسرت

آنکھونمین نور جلوۂ بے کیف وکم ہے خاص
جیسے نظر پہ اُنکی نگاہِ کرم ہے خاص

کچھ ہمکو بھی عطا ہو، کہ اے حضرتِ کرشن
اقلیمِ عشق آپکے زیرِ قدم ہے خاص

حسرت کی بھی قبول ہو متھرا مین حاضری
سُنتے ہین عاشقونپہ تمہارا کرم ہی خاص

فتنہ وُے کا حکم عام نہین
عاشقون پر یہ کچھ حرام نہین

ظرفِ رندان کی آزمایش ہے
بزمِ ساقی مین دورِ جام نہین

فتنۂ عشوہ گفتگو ہے تری
محشرِ ناز ہے خرام نہین

جلوہ فرما وہ اب، ہوئے بھی تو کیا
کوئی مشتاق زیرِ بام نہین

کبھی اقرار ہے کبھی انکار
کچھ تری بات کو قیام نہین

ہم بھی رکھتے ہین کس سے چشمِ کرم!
رحم کا ان کے دلمین نام نہین

کاٹ دی اُسنے سب کی قیدِ حیات
ایک تخچیر زیرِ دام نہین

کردیا تونے پختہ کار ستم
اب کوئی شوق دلمین خام نہین

دلکے جامِ زمرد ین کے لیئے
کیا مئے شوق لالہ فام نہین

عید مین بھی شراب سے انکار
کچھ یہ حسرت ہے صیام نہین

نوٹ جن جن بزرگون سے فقیر کو فیض پہنچا ہے ان مین سے اکثر کی جانب دیوان ہفتم مین کہین نہ کہین اشارہ موجود ہے (جو زیرِ طبع ہے) بزرگان دین کے علاوہ ایک قطع پر سرکرشن کا بھی نام آیا ہے حضرت کرشن علیہ الرحمۃ کے باب مین فقیر اپنے پیر اور پیرون کے پیر حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ انوار کی مسلکِ عاشقی کا پیرو ہے ؎ مسلکِ عشق ہے پرستشِ حُسن ؛ ہم نہین جانتے عذاب و ثواب (حسرت)

بزم سخن

اس نمبر سے ہم اپنے معزز ناظرین کی تفریح طبع کے لیے اس نئے باب کا افتتاح کرتے ہین اور انشاء اللہ اسی عنوان کے تحت مین ہر ماہ خاص خاص مشاعرون کے انتخابات پیش کرتے رہینگے۔

اُردو شاعری ہمیشہ سے مشاعرون کی ممنون احسان ہے اور آج بھی انہین ادبی محفلون کی بدولت ہندوستان مین شعر و سخن کا مذاق روبہ ترقی ہے اسلئے انکی سعی عمل کی داد نہ دینا، ایک ادبی گناہ ہے۔

ہمکو امید ہے کہ شائقین ادب اس، ادبی اضافہ، کو پسند فرمائینگے۔ اور اس عنوان کے قائم رکھنے مین، اپنی حوصلہ افزا اعانت سے دریغ نہ فرمائین گے، ایڈیٹر

انتخاب مشاعرہ حلقۂ ادبیہ کانپور

ہمارے مکرم دوست جناب احسن کے زیر نگرانی کانپور حلقۂ ادبیہ ملک کی ادبی خدمت مین معقول حصہ لے رہا ہے، ہر ماہ ایک نشستہ اور ایک مشاعرہ ہوا کرتا ہے، ماہ نومبر کے مشاعرہ کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت احسن سمبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور

وداع زندگی مین کیون یہ شرط جانستان کھدی
کہ بعد مرگ بھی قید حیات جاودان رکھدی

مری امید سے رونق تھی ظلمخانۂ دل کی
شب غم تونے آخر شمع اس گھر کی کہان رکھدی

مرا ہر ہر نفس اک داستان درد جانکا تا
مگر تقدیر نے قید زبان بے فغان رکھدی

کرون کیون شکوۂ غم اسسے یہ احسان کیا کم ہے
کہ میرے دل کے آئینے مین اک تصویر جان رکھدی

مری ہستی مری صیاد تھیری باغ عالم مین
کہ آزادی مین بھی ظالم نے قید آشیان رکھدی

فریب حسن باطل نے ہمین بے خانمان رکھا کہین دو پھول دیکھو اور طرح آشیان رکھدی

جناب حافظ افشر علیصاحب حافظ کانپوری

نہین مخصوص کچھ دیر و حرم پر جلوہ فرمائی خدا نے حسن کی دولت جہان چاہی وان رکھدی
رہ فریاد جب مسدود کر ناتھی مرے مالک تو پھر بیکار کیون تونے مرے منہ مین زبان رکھدی

جناب جگر کانپوری

الٰہی کیطرح رگ رگ مین تاثیر فغان رکھدی یہ کسنے دلکے ہر ذرے مین غم کی داستان رکھدی

جناب ثاقب کانپوری

ہمین تو بیخودی عشق مین مقصود سجدہ تھا یہان یہ ہوش تھا کسکو کہ پیشانی کہان رکھدی
رہ الفت مین ثاقب پختہ کاری کا یہ عالم تھا نہ اٹھی عمر بھر اس در سے پیشانی جہان رکھدی

جناب زکی صاحب کچھوچھوی

محبت نے خموشی مین بھی تاثیر فغان رکھدی سکوت بے سبب نے کھولکر سب داستان رکھدی
الٰہی قلب مین کیون گرمی سوز نہان رکھدی جلی جاتی ہے جان تو نے یہ چنگاری کہان رکھدی
اجل ہنستی ہے مجھپر زندگانی اسکو کہتے ہین گھلا کر جان میری تو نے او سوز نہان رکھدی
یہ سرگردانی غم اور یہ برگشتگی یارب مری تقدیر مین کیا گردش ہفت آسمان رکھدی

جناب راز صاحب چاندپوری

بنا کیون بزم رسوائی مین میری داستان رکھدی لے او داستان گو تو نے یہ دولت کہان رکھدی
بقدر لذت غم طاقت فریاد بھی بخشی خدا نے شکر نعمت کے لیے منہ مین زبان رکھدی
الٰہی تیری رحمت کیا مین اس شہرت کو قابل تھا مری قسمت مین کیون سوائی کون و مکان رکھدی
مری خود رفتگی دیکھے تو کوئی انکے کوچہ مین جبین شوق سجدہ مین یہان رکھدی وان رکھدی

جناب ہادی دیلوری

مری ہر آہ مین الفت نے وہ طرز فغان رکھدی کہ جسکو سنکے سب نے اپنی اپنی داستان رکھدی
دو روزہ زندگی اور سوز غم اتنا مرے مالک اس آئینہ مین کیون تصویر مرگ ناگہان رکھدی
نہ طاقت ضبط کی ہے اور نہ مین فریاد کے قابل خدا نے کیون مرے منہ مین زبان و فغان رکھدی

تصور مین رہیگی حشر تک تصویر ناکامی ؛ محبت نے مرے حق مین یہ قید جاودانی کھدی

جناب روحی اڈیٹر شگوفہ

دعا جب بے اثر ٹھیری تو پھر حکم دعا کیون تھا مری باتون سے نفرت ہی تو کیون منھ مین زبان کھدی
پہنچنے والے آخر منزل مقصود تک پہونچے مرے حصے مین ناکامی نے گرد کارروان کھدی
عجب عالم تھا اپنی بیخودی شوق کا روحی وہین قبلہ نظر آیا جبین سجدے جہان رکھدی

۱۲ دسمبر کو بابو کرشن سہائے صاحب ہنکاری وکیل کانپور کے دولتخانہ پر ایک بزم شاعرہ منعقد ہوئی تھی ہم اُسی مشاعرے کی دو بہتر غزلین ناظرین زمانہ کی تفریح طبع کے لیے شایع کرتے ہین ؛

جناب مولانا سعید رزمی بھوپالی

کب تک خیال کوشش اخفاء راز کا پردہ اُلٹ بھی دے کہین بزم مجاز کا
پردہ سمجھ رہے تھے جسے تیرے راز کا آئینہ تھا وہ جلوۂ حیرت نواز کا
حیرانیون کٹ گئی اپنی تمام عمر سمجھے نہ ہم فریب طلسم مجاز کا
ہر ذرہ دے رہا ہے مجھے درس زندگی ممنون ہون نہین ذوق حقیقت طراز کا
خاموشیون کو موت سمجھتے ہین اہل ہوش ہے نام زندگی دل ہنگامہ ساز کا

رزمی خدا کے واسطے خاموش بھی ہو اب
کچھ بھی خیال ہے تجھے افشائے راز کا

جناب جگر مرادآبادی

آخر کھلا یہ راز طلسم مجاز کا اک شعبدہ تھا غفلت بیگانہ ساز کا
اللہ رے اوج عشق کی شان نیاز کا کونین ایک ذرہ ہے، خاک نیاز کا
عالم نہ پوچھ کشمکش ضبط راز کا ہر سانس ہے پیام غم جانگداز کا
دھوکا قدم قدم پہ نزہ بزم ناز کا کیا سخت مرحلہ تھا طلسم مجاز کا
اللہ رے اثر نگہ مست ناز کا ہر پرزہ ارتعاش مین ہے دل کے ساز کا

دل کیا ہے؟ نقش، حسنِ حقیقت طراز کا
آئنہ کیا ہے؟ عکس ہے آئنہ ساز کا

صوفی نے جسکو شاہدِ مطلق سمجھ لیا
اک پرتوِ لطیف تھا حسنِ مجاز کا

محشر مین سب حقیقتِ اعمال کھل گئی
دھوکا نہ جلوہ بندگیِ بے نیاز کا

نکلا نہ ایک لفظ بھی ہمشکل دہم محل
دیکھو تو اختلافِ سخن ہائے راز کا

تنہائیِ فراق مین کیون گریہ کیجئے
لے دل یہ وقت خاص ہے راز و نیاز کا

کیفِ شباب و سرخوشیِ بادۂ حیات
کیا دور تھا تری نگہِ مستِ ناز کا

خود جلوۂ جمال تھا اپنا نگاہبان
بیکار ہی تو خوف تھا افشائے راز کا

اسمین بھی اے لگی ہوئی، اک شرطِ بیخودی
اے وائے بر نیاز جو حسن ہو نیاز کا

کس لطف سے کٹین شبِ غم کی مصیبتین
مشکور ہون محبتِ افسانہ ساز کا

ناگاہ سامنے نظر آیا جمالِ دوست
مین شکوہ سنج تھا غمِ ہستی گداز کا

تو محو بیخودی ہی رہا ورنہ بیخبر
تنہا تھا ناز حسن مین عالم نیاز کا

پیراہنِ جنون سے، تن عشق ڈھک لیا
یہ اک طریقِ خاص ہے اخفائے راز کا

تصویرِ رسائے سر مین ہوائے شوق
ایسے مین کسکو ہوش نقیب و فراز کا

کتنی حقیقتین ہین نہان تجھ مین بیخبر
پردہ اٹھاکے دیکھ حریمِ مجاز کا

کب تک اٹھاتے رہیے حجابات تو بتو
ایک ایک راز عشق مین محشر ہے راز کا

ہر شے کو تیرے سامنے پاتا ہون سجدہ ریز
کیا فیض ہے بلندیِ ذوقِ نیاز کا

مجھ سے گنہگار پہ بارش کرم
منھ دیکھتا ہون رحمتِ عاجز نواز کا

مجھکو وصال و ہجر سے کیا واسطہ جگرؔ
عاشق ہون، اک تبسمِ دیوانہ ساز کا

رفتارِ زمانہ

لبرلوں کی شکست

پچھلے ماہ ہندوستان کا سب سے اہم واقعہ کونسل انتخابات میں لبرلوں کی شکست ہے، اس مرتبہ سوراج پارٹی نے کانگریس کے نام اور مہاتما گاندھی کی آڑ لیکر پبلک سے اپیل کی اور ہر صوبہ میں اس پارٹی کو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔ مدراس و پنجاب کے علاوہ باقی ہر صوبہ میں سوراجیہ پارٹی کی بہت کافی تعداد صوبہ واری کونسلوں میں موجود ہوگئی ہے۔ اور صوبہ متوسط میں تو انکی قطعی کثرت ہے لیجسلیٹو اسمبلی میں بھی انکی معقول تعداد داخل ہوگئی ہے۔ صوبہ آگرہ اودھ کے سب نشستیں انکے قبضہ میں آگئی ہیں۔ بعض جگہ تو لوگوں پر انکا اسقدر رعب غالب رہا کہ بہت ہی معمولی لیاقت کے امیدواروں کے سامنے قابل قابل لوگوں کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ نامزدگی کے پرچے تک داخل کرتے۔

ہر جگہ لبرل پارٹی کے بڑے سے بڑے شخص سوراجیہ پارٹی کے معمولی سے معمولی امیدواران کے سامنے شکست کھا گئے۔ بنگال میں سر سریندر ناتھ بنرجی، جنکو کانگریس کے بانیوں میں سمجھنا چاہیئے۔ اور جو کسیوقت بنگال کے نے تاج کے راجہ کہلاتے تھے۔ ایک گمنام امیدوار سے ہار گئے۔ اور بھی بڑے بڑے مدبران کا جنکی لیاقت۔ حب الوطنی اور ایثار کا سکہ جما ہوا تھا۔ یہی حشر ہوا۔ بمبئی میں ڈاکٹر پرانجپے (وزیر تعلیم) صوبہ متوسط میں مسٹر کیلکار پنجاب میں مسٹر منوہر لال۔ صوبہ متحدہ میں، پنڈت گوکرن ناتھ مصر پنڈت ہردے ناتھ کنزرو بابو انبیکا سرن وغیرہ سبھی اسمرتبہ معمولی امیدواروں کے مقابلے میں رہ گئے۔

اسمیں شک نہیں کہ اس مرتبہ ہندوستان کے سیاسی تاریخ میں پہلے مرتبہ عوام الناس نے ووٹ کے حق سے فائدہ اُٹھایا، اور کہا جاسکتا ہے کہ ابھی انتخاب کنندگان کو چشم بصیرت حاصل نہیں

ہوئی ہے اور نہ انھین کوئی علم و تجربہ ہی ہے کہ جسکے بدولت وہ کھوٹے کھرے کی جانچ کر سکین، یہ بھی سچ ہے کہ سوراج پارٹی نے کامیابی حاصل کرنے کیلئے آسمان سر پر اُٹھا لیا اور اچھی بُری کوئی چال و ترکیب اُٹھا نہ رکھی۔ لیکن اسمین بھی کلام نہین ہے کہ نیک و بد جو کچھ ہوا عوام الناس کے حوصلا افزائی سے ہوا اور اہل ملک نے صاف و صریح طور پر لبرل پارٹی سے اپنی بے اعتمادی ظاہر کی اور کہین بھی انکو کامیابی نہین دی۔ غیر تعلیم یافتہ طبقوں کا کیا ذکر، یونیورسٹی گریجوئیٹون کا فیصلہ بھی ہر جگہ لبرلون کے خلاف ہی ہوا کیا پنجاب کیا بنگال۔ کیا بمبئی کیا آگرہ و اودھ اور کیا صوبہ متوسط ہر صوبہ مین یونیورسٹی کی نشست پر لبرل امیدوارون کے مقابلے مین سوراجی یا آزاد خیال ممبرون کو ترجیح دی گئی ہے۔ ہم ملک کو اس نتیجہ پر مبارکباد نہین دیسکتے ہین۔ مگر اسپر افسوس کرنا فضول ہے، ہان موجودہ صورت حال پر غور و فکر کرنیکی اشد ضرورت ہے۔ اور ہمکو امید ہے کہ لبرل پارٹی کے رہنمایان اس حالت سے مایوس و بد دل ہونیکے بجائے اس پر مناسب غور کرکے آیندہ کے لیے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرین گے۔

یونتو تقسیم بنگال کے وقت ہی سے کانگریس مین نرم و گرم پارٹی کی بنیاد پڑگئی تھی لیکن مانٹیگو چمسفورڈ ریفارم سے قبل ملک سیاسی حیثیت سے کانگریس و انٹی کانگریس مین تقسیم تھا۔ تعلیم یافتہ جماعت عموماً کانگریس کی حامی تھی اور صاحبان جائداد و مالکان آراضی زیادہ تر اسکے مخالف تھے۔ لیکن ۱۹۱۹ء کے ریفارم اسکیم کے سلسلے مین مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کی تشریف آوری نے یہ غضب ڈھا دیا کہ اُنکی اصلاحات سے قبل ہی حامیان کانگریس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے۔ سب سے پہلے ۱۹۱۹ء مین لارڈ مارلی نے اعتدال پسندون کو رضامند رکھنے کی پالیسی جاری کی لیکن وہ ہندوستان سے ہزارہا کوس دور تھے۔ دس برس بعد مسٹر مانٹیگو نے اسپر مزید ترقی کی اور سات سمندر پار کرکے ہندوستان مین بہ نفس نفیس تشریف لاکر ہندوستانی ممبرون مین باہمی نفاق کا بیج بوگئے۔ ہم اسکو اپنے مدبرون کی ناتجربہ کاری کہین گے کہ اُنھون نے محض فروعات پر جھگڑا برپا کر دیا۔ اور ایک ناقص و نامکمل ریفارم اسکیم پر اسطرح ٹوٹ پڑے۔ جیسے کوئی مہینون کا بھوکا نان شبینہ کے چند ٹکڑون پر جان دیدے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر مانٹیگو خاص خاص رہنمایان ملک سے ریفارم بل کو منظور کرنے اور اسے کامیاب بنانے کا پہلے ہی سے وعدہ لے گئے تھے۔ خیر کچھ ہو یہ امر مسلمہ ہے کہ ہمارے

خاص خاص مدبرین اس اسکیم کے جزئیات کے اسدرجہ قائل ہوگئے کہ انھون نے اپنے ساتھیون سے اسکے خلاف ایک حرف بھی شکایت کا سننا گوارا نہ کیا۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور بعض دیگر لیڈران اسکیم کی توسیع چاہتے تھے۔ مسٹر مانٹیگو کو اسمین مشکلات معلوم ہوئین۔ ہمارے بہت سے رہنمایان ملک انکے ہم نوا ہوگئے اور اس خوف بیجا سے کہ کہین زیادہ مانگنے مین یہ مراعات بھی نہ ملین۔ زیادہ مانگنے کی ہمت ہی نہ کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کانگریس کے موقعہ پر ملک سے دوصدائین بلند ہوئین۔ برٹش گورنمنٹ نے پھر وہی پالیسی اختیار کی جسکی بنیاد لارڈ مارلے ڈال گئے تھے۔ اور جس پر

۱۹۱۸ء مسٹر مانٹیگو نے اپنی عمارت بلند کی۔

کانگریس کے مقابلے مین لارڈ منٹو نے مسلم لیگ کی پیٹھ ٹھونکی۔ مسٹر مانٹیگو نے لبرل فیڈریشن۔ قائم کرادی۔ غرض ملک کے بعض قابل ترین رہنما یہ سمجھ بیٹھے کہ اسوقت ملک کے پولٹیکل نجات حاصل کرنے کے صرف وہی ٹھیکہ دار ہین اور ریفارم کے متعلق اندرونی فیصلی حالات صرف انھین کو معلوم ہین۔ اور اگر خدانخواستہ اس اسکیم کو اہل ملک نے رد کردیا۔ تو پھر شاید سالہا سال تک ہندوستان کیلئے ریفارم کا نام ہی انگلستان مین نہ لیا جائیگا۔ وہ سمجھے کہ عام مدبران کانگریس اپنے انتہاپسندی کے دھرے مین ریفارم کو غارت و برباد کردینگے اور اس اسکیم کو ہر صورت سے بچانا ان کا فرض مقدم ہے۔ بہرحال ریفارم کی اہلیت ثابت کرنے کے دھن مین ہمارے لبرل مدبرین کا نقطۂ خیال خواہ مخواہ سرکاری ہوگیا۔ ادھر ملک مین مسائل پنجاب و خلافت وغیرہ کا زور ہوا۔ اور مہاتما گاندھی نے اپنی تحریک نان کوآپریشن جاری کی۔ کانگریس نے ریفارم اسکیم سے بالکل کنارہ کشی کرلی۔ اور ملک مین پولٹیکل افراط و تفریط کے نظارے پیش ہونے لگے۔ ملک مین قطعی طور پر دو پارٹیان ہوگئین۔ اور ہر طرف فرقہ بندیون کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اول انتخاب کو کانگریس نے بائیکاٹ کیا۔ سب جگہ زمیندار اور لبرل اصحاب ہی کونسلون مین داخل ہوگئے۔ اکثر صوبون مین خالص لبرلون کی کافی تعداد بھی کونسلون مین منتخب ہوئی لیکن ان کو ہر جگہ وزارت قبول کرنے مین کوئی پس و پیش نہ ہوا۔ بہتر ہوتا کہ جن صوبون مین کونسل کی اکثریت انکے ساتھ نہ تھی انھین لبرل مدبرین وزارت قبول نہ کرتے اور گورنمنٹ کے نکتہ چینی کے فرائض انجام دیتے۔ ملک کو اسطرح انکے طرز عمل کا بہترین اندازہ ہوسکتا۔ مگر لبرل حضرات نے صرف یہی نہین کیا کہ ہر جگہ عہدے قبول کئے بلکہ تنخواہون کے متعلق بھی انھون نے انگلو انڈین نقطۂ خیال اور سول سروس کے معیار کو اپنا بنالیا

بھی وجہ ہو کہ صوبہ آگرہ و بمبئی و بنگال وغیرہ کے وزراء نے پانچ ہزار
نہ کیا۔ (بنگال مین سر سریندر ناتھ اپنی تنخواہ کے ایک جزو کو تعلیمی وغیرہ
عام نکتہ چینی پر کوئی اثر نہین پڑتا) ہندوستان ایسے غریب ملک
وہ خود اپنے لیے کم تنخوا مین منظور نہ کرین گے اُسوقت تک وہ اُن
انگریز لوگ اپنی میراث سمجھے ہوئے ہین۔ سفر خرچ کے متعلق بھی یہی قصہ پیش رہا اور یہ افسوسناک نظارہ دیکھنے
مین آیا کہ کونسل ممبران ایک میل چلے ہوئے بغیر ہی ڈبل فرسٹ کلاس چارج کرنے کو تیار رہتے ہین۔
اسمبلی وغیرہ کے ممبرون نے روزانہ الاؤنس وغیرہ کی کمی کی تجویز کو بھی اسی دھن مین پاس نہین ہونے دی کہ
کہین انکی شان مین فرق نہ آجائے۔ صوبہ آگرہ و اودھ مین سر ہارکوٹ بٹلر کا ایسا جادو چل گیا کہ مسٹر خیتانی
اور پنڈت جگت نرائن صاحب بالکل گورنمنٹ کے ہمنوا ہوگئے اور موقعہ بموقعہ گورنمنٹ کا راگ الاپنے لگے
ان خوش عقیدہ حضرات کو "دو عملی" کے بجائے متحدہ گورنمنٹ نظر آنے لگی۔ افسوس بعض خفیف رعایتون
کے صلے مین اُنھون نے لوکل گورنمنٹ کے تشدد انہ پالیسی کی ذمہ داری بھی اپنے سر اوڑھ لی۔ اب کیا تھا حکام
وقت کی پوری جیت ہوگئی اور ملک اور مدبرین کی درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی!

عام خیال ہے کہ قائمقامان کونسل رعایا کے نقطۂ خیال ہی کو پیش نظر رکھتے تو حکام بالا کو پھونک پھونک کر
قدم رکھنا ہوتا۔ مگر ہمارے لبرل اصحاب نے ہر معاملے کو حاکمانہ نقطۂ نگاہ ہی سے دیکھا اور عوام الناس کے دلون
سے دور ہوتے گئے۔ اس طرح ہمارے ملکی سورماؤن نے خیکے پولیٹیکل فتوحات کے ڈنکے بجے
ہوئے تھے، بالکل ہتھیار ہی ڈال دیئے اور جن عہدون پر جو صاحب مقرر یا منتخب ہوئے وہ احساس ذمہ داری
کی نئی روایات قائم کرنے کی فکر مین لگ گئے مثلاً کونسلون کے وائس پریسیڈنٹ اصحاب نے بھی یہ فیصلہ
کر لیا کہ انکو گورنمنٹ کی شکایت مین علانیہ لب کشائی نہ کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ جو لوگ ملک کے قائم مقام ہوکر
کونسلون مین داخل ہوئے تھے وہ کونسلون مین پہنچکر ملکی جذبات کے ترجمانی کے فرائض بھول گئے۔ مہاتما گاندھی
کو جنکی عزت اسوقت تمام دنیا مین ہو رہی ہے گورنمنٹ نے قید کر لیا لیکن ہماری کونسلون نے زیادہ تر سکوت
ہی اختیار کیا۔ ہزارہا محبان وطن جیل چلے گئے لیکن کونسلین عرصہ دراز تک اس ہولناک نظارے کو اطمینان
ہی سے دیکھتی رہین۔ بلکہ گورنمنٹ کا ساتھ دینے کے خیال سے پولیٹکل قیدیون کی رہائی کے اکثر تجویزین
بھی رد ہوگئین۔ کونسل اور ملک کے باہر بھی ہمارے بعض مدبرین گورنمنٹ کے ڈھول بجاتے رہے چنانچہ

شرم اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آنریبل مسٹر شاستری جیسے محب وطن سے بھی اس بارے مین سخت غلطیان ہوئین اور انھون نے ہندوستان کے باہر جاکر تحریک نان کوآپریشن کی فضول تاویلین اور مہاتما گاندھی وغیرہ پر سراسر غیر ضروری نکتہ چینیان کرنے کی ضرورت محسوس کی - حالانکہ برطانوی نوآبادیون وغیرہ مین اسکا ہرگز کوئی موقعہ نہ تھا - اگر تحریک نان کوآپریشن کی مخالفت کرنا تھی تو اسکا میدان ملک ہی کے اندر موجود تھا - باہر جاکر اندرونی اختلاف رائے پر زور دینا سخت معیوب ہونا چاہیے تھا[1] - بہرحال ایسی ہی بہت سی باتون سے ملک کے عوام الناس ان مدبرون سے قطعی مایوس اور بددل ہوگئے - کانگریس کے مقابلے مین لبرل حضرات کی یہ ضد کہ ریفارم کے توسیع اور ترقی کے بامین کوئی مزید تحریک پارلیمنٹ مین رفارم بل کے پیش کیوقت نہ کیجائے - اہل ملک کو بہت ہی شاق گذری تھی انکا وقت بیوقت گورنمنٹ کا ساتھ دینا اور بھی ناگوار ہوا - اسکے ساتھ ہی مالی ایثار کے موقعون پر جو فروگذاشتین لبرل حضرات کیطرف سے ہوئین انھونے عوام کو اور بھی بدظن کردیا - انکی قابلیت اور آزاد خیالی کے کارنامے پس پشت پڑ گئے - انکی محنت و جفاکشی اور ایمانداری بھی نظر انداز ہوگئی اور گورنمنٹ کا ساتھ دینے کے جرم مین اسمرتبہ انتخابات مین عوام الناس نے ہر جگہ انپر اپنی بے اعتمادی کا علی الاعلان ثبوت دیا ہے - سوراج پارٹی نے اس عام ناراضی کا پورا فائدہ اُٹھایا اور جونگ نظری ریفارم ایکٹ کے آغاز پر لبرل حضرات سے ہوئی تھی اسی تنگ دلی اور کوتاہ اندیشی کے اسمرتبہ یہ اصحاب مرتکب ہوئے - پولیٹکل جدوجہد کی ابھی ابتدا ہے - ہر طبقہ کے محبان وطن کا ایک ہی نصب العین ہے اسپر بھی پارٹی بندی کی بدترین خرابیان ملک مین پیدا ہوگئی ہین - حالانکہ حصول مدعا سے قبل ان پارٹیون کی گنجایش ہی کیا ہے؟ ابھی تو سوراج کی منزل دور ہے - ملک کو یقیناً اسوقت سب رہنماؤن کی مشترکہ کوششون کی ضرورت ہے - آیندہ حقوق کی لڑائی مین تو سب شریک ہوسکتے ہین - یہ کوشش کامل اختیارات مل جائینگے اور حکومت خود اختیاری کی نوبت آئیگی اُسوقت البتہ مختلف خیالات اور مختلف طرز عمل کی کشمکش اور آزمایش کا موقعہ ہوگا - مگر یہان اول تو لبرل حضرات حامیان نان کوآپریشن کو دشمن ملک سمجھکر ان سے "دُور باش" کہتے رہے - اب انکی باری آئی ہے اور انھون نے بھی لبرل اصحاب سے پورا انتقام لیا اور زمیندارون وغیرہ سے بھی سوا انکی مخالفت ضروری سمجھی! افسوس!

---

[1] اس طرح کی لبرل مدبرین کے غلط رویہ کی اور بھی کئی مثالین دیجاسکتی ہین

علمی خبرین اور نوٹ

امسال دنیا کا مشہور نوبل انعام آئرلینڈ کے نامور شاعر ایٹس کو ملا ہے۔ پہلے خیال تھا کہ اسمرتبہ پھر یہ اعزاز ہندوستان کے حصے مین آئیگا۔ نوبل سویڈن کا ایک ماہر کمسٹری تھا جس نے ڈائینمٹ کے ایجاد سے بیشمار دولت پیدا کی تھی۔ اور اسکو بنی نوع انسان کیلئے وقف کر گیا۔ اس سے ہر سال چالیس ہزار پاؤنڈ (چھ لاکھ) روپیہ کے پانچ انعامات تقسیم ہوتے ہین۔ انعام پانیوالون کے لیے کسی خاص ملک کی قید نہین ہے۔ ممالک یورپ کے چند علما کی ایک کمیٹی ہے جو انعامات کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کمیٹی کی سفارش پر شاہ سویڈن انعامات تقسیم کرتے ہین۔ انعامات ادبی جذبات۔ علم طبیعات اور کمسٹری کی مفید دریافتون اور دنیا کے امن قائم رکھنے کی سب سے زیادہ کوشش کرنیوالون کو دیے جاتے ہین۔ ہندوستان مین ابھی تک صرف علامہ ٹگور کو یہ انعام ملا ہے جسے اُنھون نے بولپور دارالعلوم کو دیدیا ہے۔

اکثر ناظرین نے یورپ کے اخبارون کے ترقی کے افسانے سنے ہونگے۔ انگلستان کا سب سے کثیر الاشاعت اخبار ڈیلی میل ہے جسکی اٹھارہ لاکھ کاپیان روزانہ شایع ہوتی ہین۔ لکھو کھا آدمی اسمین کام کرتے ہین۔ ستر ہزار روپیہ مالیت کا روزانہ کاغذ صرف ہوتا ہے اور تین ہزار روپیہ کی سیاہی روزانہ خرچ ہوجاتی ہے۔ ہندوستان مین گنتی کے چند اخبار ہونگے جنکی اشاعت دس ہزار سے زائد ہو۔

منشی پریم چند صاحب نے حال مین ایک اور طولانی ناول گوشۂ عافیت تمام کیا ہے۔ جو دارالاشاعت لاہور سے شایع ہوگا۔ پریم پچیسی اور پریم بتیسی کے پہلے ایڈیشن بھی قریب الاختتام ہین اور انکے دوسرے ایڈیشن بھی دارالاشاعت لاہور مین زیر طبع ہین۔ ہندی مین منشی صاحب کی آٹھ دس کتابین شایع ہوچکی ہین اور ان کے کئی کئی ایڈیشن ختم ہوچکے ہین۔

مرقع عالم

دنیا کے خاص خاص واقعات کے متعلق یورپ کے مشہور مشہور اخبارات میں ہر ماہ بڑے بڑے سبق آموز و عبرت انگیز کارٹون شایع ہوا کرتے ہیں۔ ہم ناظرین زمانہ کے تفنن طبع کے لیے یہاں پر ہم چند تصویریں درج کرتے ہیں یہ تصاویر مضحکہ کے پیرایہ میں زبان حال سے دنیا کے بعض اہم واقعات کا مرقع پیش کر رہی ہیں۔

پہلے کارٹون میں فرانس اور دیگر اتحادیوں کے باہمی تعلقات کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دوسرے کارٹون میں انگلستان کے مختلف پولیٹکل پارٹیوں کے عقائد و اصولوں کا اشارہ ہے۔



اتحادیوں کی کانفرنس



برطانوی مدبروں کے مشاغل



شوشلزم (سرمایہ دار سے) میں آپ تک پہونچ ہی جاؤنگا

اسمرتبہ برٹش

پارلیمنٹ مین لبرل کنسرویٹو اور مزدور پیشہ سب ہی پارٹیون کے ممبر اس تعداد مین منتخب ہوئے ہین۔ کہ کسی پارٹی کی بہت زیادہ کثرت نہین ہے۔ ۱۵ جنوری کو پارلیمنٹ کا افتتاح ہے۔ جب یہ تینون پارٹیان ایکدوسرے سے برسرپیکار ہونگی۔ اس کارٹون مین اسی نظارہ کے دکھلانے کی کوشش کیگئی ہے

پہلے کارٹون مین سوشلزم اور سرمایہ دارون کے درمیان جدوجہد کا خاکہ پیش کیا گیا ہے



زمانہ

جلد ۴۳ فروری سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۲

ترقیٔ زبان

دنیا مین علم وادب کی ترقی کے لیے چند اسباب کا ہونا ضروری ہے جنمین امن اور اطمینان کا درجہ بہت بلند ہے۔ قدیم یونانیون نے علم الاصنام فنون لطیفہ علم وادب مین جسطرح ترقی کی تاریخ اسکی شاہد ہے تمام ہیرونجات کے رہنے والے کاشت کرتے تھے اور انکی محنت ومشقت کا ثمرہ فقط ایتھنز کے بیس ہزار باشندون کا حق تھا۔ جو معاش سے بے فکر ہوکر علم وادب طب۔ تاریخ وجغرافیہ اور علم نجوم کے مسئلون پر بحث ومباحثہ مین منہمک رہتے تھے۔ اسی طرح رومۃ الکبرے کے باشندے بھی صنعت ودستکاری کے کامون مین اطمینان سے مشغول رہتے تھے اور تمام محصولات کا بار ومحنت شاقہ کی تکلیف غربا (پلیبٹین) کو برداشت کرنی پڑتی تھی۔ رومۃ الکبریٰ کی تباہی کے بعد جب ملک اٹلی مختلف ریاستون مین منقسم تھا۔ تو وہان بھی یہی حالت تھی۔ چنانچہ مائیکل انجلو ڈانٹے۔ جیسے مصنفین اور شعرا اور لیونارڈو ڈاونچی (LEONARDODAVINCCI) جیسے صناع، اور نقاش نہایت کامیاب اور مشہور ہوے۔

ایک بڑی وجہ جس سے علم وفن مین نمایان ترقی ہوتی ہے وہ مصنفین۔ صناعون اور نقاشون کی سرپرستی ہے۔ اہل یورپ کی تمدنی ترقی کا راز اسی مین مضمر تھا۔ اکثر امرا اور رؤسا اپنے کو گونہ ذریعہ معاش سے بے فکر کردیتے تھے۔ اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت یورپ علم وادب کے میدان مین نہایت جوش وخروش اور سرعت سے گامزن ہے۔

گرے جرمن زبان کا بہت زبردست مصنف۔ شاعر۔ ڈراما نویس اور نقاش تھا۔ اس کی ترقی اور شہرت محض امرا کی سرپرستی سے ہوئی۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت مسرف واقع ہوا تھا۔ اس کے دوست ہمیشہ اسکا قرض اتارنے مین مصروف رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اسکا نہایت عزیز دوست کونٹ لکسمبرگ جب مرگیا تو اس کی بیوہ نے اپنی مالی مشکلات کے باوجود گرے کا قرض اُتارنا ضروری خیال کیا اور جب تک اسکا فیصلہ نہ ہوگیا، اطمینان سے نہ بیٹھی۔

خلفائے بنی اُمیہ اور بنو عباس کے زمانے مین شاعری اور دیگر علوم و فنون نے بہت عروج حاصل کیا۔ شعرا خراج تحسین وصول کرنے کے علاوہ بڑی بڑی گرانبہا رقمون سے مالا مال کر دیے جاتے تھے۔ کوئی شاعر سونے سے تلتا تھا تو کسی کا منھ جواہرات سے بھرا جاتا تھا۔ غرض جتنی فارغ البالی شعرا، مصنفین اور ماہران موسیقی کو بنو عباس خصوصاً ہارون الرشید۔ مامون الرشید اور معتصم باللہ وغیرہ کے عہد حکومت مین نصیب ہوئی۔ اس کی مثال ہندوستان کے مغل شہنشاہون کی فیاضی کے سوا روئے زمین پر نہین ملیگی۔ بنو امیہ کے عہد حکومت مین حجاج بن یوسف اگرچہ حد درجہ کا ظالم صوبہ دار تھا۔ تاہم اس نے علما اور فضلا کے ہر طرح کا امن، اطمینان اور دیگر آسایشین بہم پہنچادی تھین۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ مین قرآن کریم اور حدیث کا باقاعدہ مطالعہ حجاج ہی کے زیر سایہ تکمیل کو پہونچا۔ حجاج پُرانے استادون کے کلام کو نہایت عزت اور عقیدت مند نگاہون سے دیکھتا تھا۔ اور نئے شعرا کی بے حد حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ خاندان بنو امیہ کے خلفا مین کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور تھی۔ ولید بن عبدالملک کا شوق نغمہ جنون کے درجے تک پہونچ گیا تھا۔ سلیمان بن عبدالملک خوبصورت لونڈیون اور عمدہ اور نفیس غذا کا اسقدر دلدادہ تھا کہ آخر اسکی موت بھی زیادہ کھا جانے ہی کی وجہ سے لاحق ہوئی۔ اسی طرح خلیفہ عبدالعزیز علم دین کا بہت بڑا دلدادہ تھا چنانچہ اس کے زمانے مین مذہبی اور علمی ترقی معراج تک پہونچ گئی تھی۔ خلفا چونکہ خود اعلیٰ درجہ کے شاعر ہوتے تھے۔ اسلیئے وہ ہمیشہ دوسرون کے کلام کی خوبیون کو قابل ستایش سمجھتے تھے اور انھین انعام واکرام سے مالا مال کر دیتے تھے۔ اور خلفائے بنی عباس کا عہد حکومت تو تمدن کے لحاظ سے "عہد طلائی" شمار ہوتا ہے۔ اس دور کی ادب نوازی اور سخن پروری کا کیا پوچھنا

اہل عرب ایک غیر عرب کو عجمی (گونگا) کہتے تھے کیونکہ انکو اس بات کا زعم ہے کہ غیر ملک کا کوئی شاعر عربی زبان پر قدرت حاصل نہین کر سکتا۔ لیکن اس کے باوجود عباسیون کے زمانے مین مختلف ملکون کے لوگ سرزمین عرب و عراق مین وارد ہوئے اور اپنے علم و فضل کی بدولت بڑی بڑی جاگیرون کے مالک قرار دیے گئے

کیمبرج مین فارسی وعربی کے مشہور پروفیسر نکلسن اپنی کتاب تاریخ ادبیات عرب LITERARY HISTORY OF THE ARABS مین رقمطراز ہین کہ ان خلفا اور سلاطین کے وزرا بھی ادبی مشاغل اور علما اور فضلا کی سرپرستی پر اندھا دھند روپیہ لٹایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ابن الحمید وزیر اعظم سلطان رکن الدولہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ شخص فن زبان دانی اور مراسلہ نگاری مین اپنا ثانی نہین رکھتا تھا۔ لوگون مین یہ عام طور پر مشہور تھا کہ "فن مراسلہ نگاری عبدالحمید سے شروع ہوا اور ابن الحمید پر ختم ہوگیا"۔ ابن الحمید کے طفیل اسکا ایک دوست اسمٰعیل بن عباد عربی زبان کا ایک بہت زبردست مصنف۔ عالم جید اور فاضل اجل ہوا۔ ثانی بن ارد شیر نے جو سلطان ابونامر بہاء الدولہ کا وزیر اعظم تھا۔ ایک حلقۂ ادبیہ اپنے خرچ پر قائم کیا۔ جہان تمام ملک کے علما۔ فضلا۔ ادبا اور شعرا باہم مباحثہ خیالات کرتے تھے۔ اور ان مین سے ہر ایک کے حقوق اور مناصب کا رتبہ موجودہ زمانے مین کیمبرج یا اکسفورڈ یونیورسٹیون کے کسی کالج کے فیلو[1] کے برابر ہوتا تھا۔

قدیم اور زمانۂ وسطیٰ مین ہندوستان مین بھی یہی حالت تھی۔ فنون لطیفہ۔ موسیقی۔ ناٹک۔ نقاشی۔ اور سنگ تراشی نے اسوقت تک ترقی کی۔ جب تک سلاطین۔ اور امرا ان لوگون کی سرپرستی کرتے رہے۔ مہاراجہ بکرماجیت والی اوجین کے نورتن۔ اور کالیداس وغیرہ خوب مشہور و معروف ہوئے۔ گپت خاندان کے تمام مہاراجگان فنون لطیفہ مین ماہر ہونے کے علاوہ قدرشناس بھی تھے۔ اسی طرح ابوالفضل فیضی۔ حکیم ہمام وغیرہ اپنے اپنے بادشاہون کے مرہون منت تھے۔ اکبر کے زمانے مین عبدالرحیم خان۔ خان اعظم نے لاکھ روپیہ صرف ایک شعر کی قیمت مین شاعر کو دیکر اُسے مالامال کردیا تھا۔ یہ انکی علمی سخاوت کے بے شمار فسانے صفحات تاریخ کی زینت ہین۔

ملکون مین زبان کی ترقی ہمیشہ حکومت کی سرپرستی سے ہوتی ہے۔ لیکن ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے

---

[1] اس کی سالانہ آمدنی دوسو پاؤنڈ سے لیکر تین سو پونڈ تک ہوتی ہے۔ اس سے علاوہ انگورو ٹی کمن۔ دودھ اور رہنے کیلئے مکان بھی ملتا ہے۔ یہ عہدہ سات سال تک کیلئے ہوتا۔ اگر اس عرصہ کے اندر اسکو کوئی تعلیمی ملازمت دیدے تو وہ فیلوشپ سے علیحدہ کردیا جاتا ہے۔ یہ لوگ کالج کی مجلس انتظامیہ کے رکن ہوتے ہین۔ اور ماسٹر بورڈنگ وغیرہ کے مہتمم اور صدر کا انتخاب انہین سے ہوتا ہے۔ اور یہی ایک مجلس شورے منتخب کرتے ہین اس تمام کونسل کام کا انتظام ایک عہدیار کے سپرد ہوتا ہے۔ (جو بر سر BUY S OR) کہلاتا ہے۔

کہ موجودہ حکومت ہندنے ہندوستانی زبانون کو کس مپرسی کی حالت مین چھوڑ رکھا ہے۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکام وقت اس بدبخت ملک کو اپنا وطن نہین سمجھتے۔ لیکن دوسری طرف جب خیال کیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ حکومت کیا کر سکتی ہے۔ سب سے بڑی مشکل جو حکام اور اکابر قوم کو پیش آرہی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان کونسی ہے۔ حکومت برطانیہ نے اپنے ابتدائی ایام مین اردو کی طرف توجہ مبذول فرمائی تھی۔ لیکن چند ہی سال کے بعد کئی اور زبانین اردو کے مقابلے مین کھڑی ہوگئین یا کھڑی کردی گئین۔ آخر حکومت کس کس زبان کی سرپرستی کرے۔ اردو۔ ہندی۔ پنجابی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ سندھی۔ ماڑواڑی۔ مرہٹی۔ تلنگی۔ تامل۔ کنڑی۔ دکھنی وغیرہ سینکڑون زبانین اپنے اپنے روز افزون سرمایۂ ادبیات کو ساتھ لیے ہوئے ایک ہی راستے پر گامزن ہین۔ سب سے پہلے ایک مشترکہ زبان تسلیم کرلی جائے۔ اور اسکا سہل طریقہ یہ ہے کہ ہندی اردو کے جھگڑون کی بجائے جو ایام گذشتہ مین موجودہ ہندو مسلم فساد سے بھی زیادہ خطرناک صورت اختیار کر رہے تھے۔ خاموشی سے اکابر قوم کی ایک مجلس عامہ و مخصوصہ مین اس بات کا فیصلہ کرلیا جائے، اور پھر حکومت سے پرزور طریق پر استدعا کیجائے۔

عوام الناس پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی زبان کی سرپرستی کرین۔ کیونکہ مصنفین اپنی قوم پر احسان کرتے ہین۔ اس کے عوض انکو کم از کم ذریعۂ معاش سے تو بے نیاز کردیا جائے۔ اسوقت یورپ اور امریکہ کے لوگ اس امر کو محسوس کرتے ہین کہ ایک انشا پرداز کے لیے تو محتاج نہ ہونا یہی وجہ ہے کہ اسوقت مغربی ممالک مین ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جسے علمی و ادبی مشاغل کے سوا دنیا کے دوسرے جھگڑون سے کوئی سروکار نہین ہوتا۔ حتیٰ کہ اکثر مصنفین اپنے عقائد کے اعتبار سے تمام دنیا کے خیر خواہ ہوتے ہین۔ انکے نزدیک وطن پرستی تعصب اور بغض پھیلانے کا نام ہے۔ مشہور و معروف جرمن شاعر گرٹے[1] نے اپنے آپ کو کبھی جرمنی کا باشندہ نہین بتایا۔ اس کی رائے تھی کہ مصنفین کو مذہبی تفرقات۔ نسلی امتیازات۔ فوجی مہمات وغیرہ سے الگ تھلگ رہ کر نسل انسانی کے اخلاقی۔ روحانی اور تمدنی سود و بہبود کیطرف متوجہ ہونا چاہیے کیونکہ اسطرح ممالک خود بخود سدھر جائینگے۔ اور یہی وجہ تھی کہ گرٹے کی تصنیفات نے جرمنی کے باشندون مین حب الوطنی اور قومیت کی زبردست روح پھونکدی کہ آخر تمام المانی ریاستین ایک شہنشاہی کے زیر اثر منسلک ہوگئین۔

---

[1] JOHANN VOLFGANG WON GOETHE

موجودہ زمانے مین ہندوستان مین جتنے بھی مصنفین۔ شاعر۔ صناع اور نقاش ہین۔ معدودے چند کے سوا سبھون نے ان کامون کو محض ایک تفریحی مشغلہ سمجھ رکھا ہے۔ بہت کم ایسے آزاد ہونگے جنکی بسر اوقات تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے ہوتی ہو۔ مثال کے طور پر آپ اردو کے مشہور عالم ڈاکٹر اقبال ہی کو لیجئے۔ کیا یہ بات ملک کیلئے باعث ننگ وشرم نہین ہے کہ ایسا زبردست شاعر ابتک فکر معاش سے مستغنی نہین ہوا ہے۔ چاہیئے تھا کہ اسرار خودی، رموز بیخودی، اور پیام مشرق وغیرہ کے ایڈیشن لاکھون کی تعداد مین چھپتے اور فروخت ہوتے تاکہ جو وقت موصوف اپنے قانونی پیشے مین صرف کرتے ہین، شعر شاعری مین صرف کرکے ملک وقوم کیلئے زیادہ مفید ثابت ہو سکتے۔

دوسرے مین ایک اور صاحب کا ذکر کرونگا۔ جنکے نام سے بھی شاید اردو دان جماعت ابھی طرح واقف نہین ہے۔ اگر اردو دان طبقہ کیطرف سے انکی حوصلہ افزائی ہوتی تو ضروریات زندگی سے وہ بے نیاز ہو سکتے اور اسوقت وہ ایک بہت بلند پایہ مصنف ومترجم ہوجاتے۔ اور ادب اردو کا خزانہ بعض بہترین کتابون کے اعلیٰ ترین ترجمے سے مالامال ہوجاتا۔ انھون نے MOORISH EMPIRE IN SPAIN کا ترجمہ اخبار لاندس کے نام سے شایع کیا ہے اور مقری کی نفح الطیب کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

آخر یہ بدبخت ہندوستان کب تک اپنے مصنفین۔ شعراء وغیرہ سے بے اعتنائی برتے گا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جبتک ہماری علمی وادبی ترقی نہین ہوتی۔ ہمارا ملک حکومت خود اختیاری سے ہزارون کوس دور رہیگا ہمارا روئے سخن اسوقت والیان ریاست اور ارباب حل وعقد کیطرف ہے۔ ہماری استدعا ہے کہ ایک قومی سرمایہ نہایت عالیشان اور زبردست پیمانے پر جاری کیا جائے جسکا مقصد یہ ہو کہ مختلف صوبون مین ایک ایک علمی وادبی درسگاہ قائم کیجائے جسمین ہونہار نوآموز مصنفین کو تصنیف وتالیف کا کام سکھایا جائے اور پھر انکی دستگیری اور سرپرستی کے لیے ریاستون کے زیر اہتمام صوبہ وار دارالاشاعت بھی قائم کیے جائین جنکے مہتمم علمی وادبی مذاق رکھنے کے علاوہ نقاد فن ہون۔ اور جتنی نئی کتابین اشاعت کے لیے لکھی جائین۔ انکی جانچ پرتال اور خامیون کا موازنہ کرکے حسب لیاقت معقول معاوضے دیئے جائین اسطرح ایک اعلیٰ پیمانے پر قومی کتب خانے کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس بارے مین حضور نظام وکن کی فیاضیان ہندوستان کی ادبی تاریخ مین سنہرے حروف سے لکھی جائین گی۔ جتنے مصنفین کی پرورش اس ریاست کی طرف سے ہوتی رہی ان تمام کی فہرست دینے کی ضرورت نہین، محسن الملک۔ وقار الملک

مولینا محمد علی بلگرامی، مولینا شبلی نعمانی، سب اسی فیاض ریاست کے ممنون التفات تھے اور مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا گرامی وغیرہم، اب بھی اسی ریاست کے ممنون احسان ہین۔

ہندوستان کے ہر صوبہ مین بہت سی ریاستین ہین۔ اگر ہر ایک ریاست سے ایک خاص رقم سالانہ وصول ہوتی رہے۔ اور اس روپیہ کی آمد و خرچ کا اہتمام ایک ذمہ دار کمیٹی کے ماتحت ہو تو ہماری رائے مین کوئی وجہ نہین کہ یہ ملک اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے ترقی نہ کرلے اور باشندون مین ذوق سلیم پیدا نہ ہو جائے اس سے ملک مین صحیح حب الوطنی پیدا ہو جائیگی اور اس ملک کی گذشتہ عظمت اور شان عود کر آئیگی!

محمد فضل حق معتصم

تجارت کی کساد بازاری سامان طباعت و دیگر ضروریات زندگی کے گرانی کے باوجود انگلستان مین تصنیف و تالیف کے مدمین کوئی تخفیف نہین ہوئی بلکہ ۱۹۲۲ء مین سابق گذشتہ کے بہ نسبت زیادہ کتابین شائع ہوئین، کل چھ ہزار نو سو اکیاسی (۶۹۸۱) نئی تصانیف چھپین اور تین ہزار دو سو انسٹھ (۳۲۵۹) کتابون کے دوسرے اڈیشن شائع ہوے۔ پہلی مرتبہ چھپنے والی کتابون کی تفصیل یہ ہے۔

ناول اور افسانے	۱۰۵۸	شاعری و ڈرامے	۱۸۵
مذہب و روحانیات	۵۷۵	فن تعمیر و دیگر فنون لطیفہ	۱۸۰
تواریخ و سوانح عمریان	۵۳۰	سیر و سفر وغیرہ	۱۸۰
تعلیمی کتابین	۳۵۹	کتب متعلق حیوانات	۱۲۸
طبی و جراحی	۲۶۰	قدیم ادبیات و ترجمے	۱۱۶
نثر خالص ادبی تصانیف	۲۴۸	مشرقی زبان کی کتابین	۱۰۶

سیاسی۔ اقتصادی اور پولٹیکل کتابین ۲۳۸

مسئلہ سُرخ سپید

آجکل اخباری دنیا مین فیصلۂ کنیا کے متعلق جس غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا جارہا ہے وہ ناظرین زمانہ سے پوشیدہ نہین۔ ہمکو یہان اس سے بحث نہین کہ مشرقی افریقہ کی اس چھوٹی سی نوآبادی مین شہری حقوق کی بنیاد مساوات پر رکھی جانی چاہیے یا قومیت پر اس اصول کے مفاد و مضرت سے کچھ برطانوی مدبرین ہی زیادہ واقف ہونگے۔ مگر ہم اتنا ضرور عرض کرینگے کہ کنیا کے اس تصفیہ سے سفید اقوام کی وہ پالیسی جسکو وہ ایک عرصۂ دراز سے سُرخ و سیاہ قومون کے خلاف عمل مین لا رہے ہین آج صیغۂ راز سے نکلکر طشت از بام ہوگئی ہے۔ سُرخ و سیاہ قومون سے ہمارا اشارہ بر اعظم ایشیا اور افریقہ کے قدیم باشندون کی جانب ہے یعنی اس سے وہ لوگ مراد ہین جنکا شمار سفید تمام قومون مین نہین کیا جاتا۔

آج روئے زمین پر سفید لوگون کی عظمت و برتری کا جو سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اگر تحقیق کیا جائے تو اسکی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہین۔ اقوام عالم کا نقشہ عہد وکٹوریہ مین اس سے کہین زیادہ مختلف تھا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ ۱۸۳۰ء مین ملکہ وکٹوریہ کی تاجپوشی ہوئی۔ اور اسی زمانہ مین سفید لوگون نے باہمی افراط و تفریط کے دشوار گذار راستہ سے نکلکر ترقی کی شاہراہ عام پر قدم رکھنا شروع کیا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ انکو اس وقت تک اسکا شمہ بھی اقتدار نصیب نہین ہوا تھا جتنا آج حاصل ہے۔

افریقہ کے شمالی اور جنوبی صوبجات کو اُن کے قبضہ و تحت مین آئے ہوئے کچھ زیادہ مدت نہین گذری۔ آسٹریلیا مین بندرگاہ ملبورن ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی سے کچھ پیشتر وجود مین آباد ورنہ اس سے قبل وہان صرف معدودے چند مفید اور کارآمد بندرگاہین تھین، اور اسی وجہ سے براعظم آسٹریلیا عرصۂ دراز تک سفید اقوام کے لیے ایک سربمہر کتاب کے مانند رہا۔ دوسری جانب امریکہ کی

یہ کیفیت تھی کہ دریائے مسی سپی کے اندر مغربی اضلاع مین جنگلی بیل اپنا عمل دخل جمائے ہوئے تھے، وکٹوریہ کے جشن جلوس سے دس سال کے بعد کیلی فورنیا مین سونے کی کانون نے مشرقی امریکنون کی توجہ کو اپنے جانب مبذول کرنا شروع کیا درحقیقت سان فرانسسکو، لاس انگیلز، پورٹ لینڈ اور سیٹل جیسے شہرون کا جو آج اسقدر برسرترقی ہین ایک صدی پیشتر نام ونشان بھی نہ تھا، اور واقعی سفید اقوام بحر الکاہل کی گہرائیون سے قطعی ناآشنا تھین۔ ایک وہ وقت تھا کہ جاپان چین اور ہندوستان غفلت مین پڑے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے قازان وتنابی، چوئی کونون اور دادا بھائی نوروجی جیسے محب وطن اپنی تصانیف کے ذریعہ اہل ملک کو سفید اقوام کے ایک زبردست حملہ سے متنبہ کرنا چاہتے تھے مگر قوم تھی کہ نیند کے خمار مین ان انمول نصائح کو دھیان مین نہ لاتی تھی، پھر ایک دور ایسا آیا کہ مارکوپولو کے معرکون کے بعد بحیرۂ فلزم سے دیوار چین تک کا تمام علاقہ سفید رنگ والون کے سبز قدم سے بالکل پاک ہوگیا تھا بلکہ کچھ عرصہ تک وسطی ایشیا مین شاید ہی کوئی سیاح آیا ہو۔

اصل مین یہ صرف گذشتہ نوے برس کی شدید جدوجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ آج سفید لوگون کی شوکت وعظمت کا ڈنکا دنیا کے ہر گوشہ مین بج رہا ہے۔ چنانچہ وکٹوریہ آبخانی کی چونسٹھ سال طول طویل مدت حکومت ہی مین انگلستان کے مقبوضات پیشتر سے دوگنے ہوگئے تھے، اسی درمیان مین روس نے بھی متعدد الحاقات کرکے اپنے حدود کو کافی وسعت دیدی تھی، اُدھر امریکہ مین بحر الکاہل کا تمام ساحلی علاقہ بجنوبی سمندر، جنوبی امریکہ، اور تمام براعظم افریقہ یک قلم سفید قومون کے زیر اثر آگیا۔

اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہو گا کہ سیاہ وسپید کے مالکون کی اس تیز دستی نے سیاہ وسرخ فام قومون کی ہستی کو معرض خطر مین ڈالدیا۔ جزائر عرب الہند مین کاریہ قوم کی تباہی پہلے ہی کامل ہو چکی ہے۔ لوری کنگ اور طوبان کی نسلین جزائر الکاہل مین روز بروز تنزلی و بربادی کی طرف جارہی ہین۔ بلکہ وہ بھی جو ابتک فنا نہین ہوئین گمنامی کے قعر مذلت تک پہنچگئی ہین۔ تاریخ عالم سے ثابت ہے کہ یہ "حاملان تہذیب" سطح ارضی کے جس گوشہ مین گئے انھون نے وہان کے قدیم باشندون کو اپنا حلقہ بگوش غلام بنالیا، اسکے بعد یہ انپر نہ صرف اپنا دست ہوس

ہی دراز کیا۔ بلکہ انمین بعض مخرب اخلاق جراثیم بھی پیدا کرانے کے مرتکب ہوئے مگر رفتہ رفتہ دنیائے سرخ پر "اس مہذب گروہ" کی حکمت عملیون کا پول کھلنے لگا اور سرخ اقوام مین کچھ بیداری کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

اس اثنا مین افق مغرب پر یکایک تمام مطلع غبار آلود نظر آنے لگتا ہے کامل پانچ سال تک "حامیان تہذیب" بنی نوع انسان کو صفحۂ دنیا سے نیست و نابود کرنے کے لیے وہ سر توڑ کوشش کرتے ہین کہ الامان الحفیظ گرد نیا کے اسٹیج کا ایک نسبتاً فریب پردہ ہٹتا ہے اور جنگ عظیم کا ایک دھواں دھار منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔ جدھر تک جسطرف نگاہ اُٹھتی ہے سرخ لوگ بقاے حیات کی کشمکش مین مصروف پیکار دکھائی دیتے ہین۔

جاپانی تو اسی وقت سے اس جد و جہد مین منہمک تھے جبکہ انھون نے روس کی زبردست سفید اویت کو شکست دیکر مغربیون کے نکبت و غرور کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔ مگر انکی دیکھا دیکھی دوسری قومین بھی کمر ہمت چست کرکے اس میدان مین اُتر آئین جنمین ہندوستانی، ترک، مصری، عرب، نامی، سنگالی، جنوبی، افریقی اور قدیم چینی خاص طور پر قابل ذکر ہین۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ گذشتہ جنگ یورپ اپنے اصلی معنی مین "جنگ فرنگ" قرار دیجا سکتی ہے یعنی ایشیا یا افریقہ کے نقطۂ نگاہ سے ایک طور پر سفید اقوام کی خانہ جنگی تھی گویا "ایک سفید دوسرے سفید سے برتر ہے" یہی وجہ ہے کہ افریقہ اور ایشیا کی غیر متمدن نسلین اس جنگ عظیم کو مہذب درندون کی تمسخرانہ دیوانگی پر محمول کرتی ہین۔ علاوہ ازین دوران جنگ مین اتحادیون نے اس پیغام کو دنیا کی کئی سو زبانون مین ببانگ دہل مشتہر کیا تھا کہ انھون نے یہ لڑائی محض عزت و ناموس کے مقدس اصول کی پاسداری مین اپنے سر لی ہے۔ مگر واقعات بتاتے ہین کہ اس اصول کو صلح نامہ وارسلز اور سیورے سے صرف اسقدر تعلق تھا کہ جرمن مشرقی افریقہ اور کیمرون کے دیسی باشندے بھی قیصر جرمن کی گرفت سے رہا کرا دیئے جائین اور بس۔

اب قابل غور یہ امر ہے کہ کیا ہم خدا وندان صلح و جنگ سے بصد ادب دریافت کر سکتے ہین کہ ایسے متبرک اصول کو کسی خاص جغرافیائی حدود اربعہ تک محدود رکھنا قانون کے کن دفعات مین درج ہے، انصاف تو اسکا مقتضی تھا کہ جسوقت افریقہ کی نوآبادیون کی گلو خلاصی کرائی تھی

ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کی بھی رسیان کاٹی ہوتین، جس اصول کا استعمال یو لینڈ یا بوہیمیہ کے واسطے جائز تھا وہی مصر و چین کے بھی صادق آنا چاہیے تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ پہلے سفید فام لوگ سرخ اقوام کے ملکون مین گھس آتے اور وہین نوآبادیان بناکر اپنی بود و باش اختیار کر لیتے تھے، مگر اب سرخ قومین کہتی ہین کہ ہمکو بھی ہر طرح سے سفید انسانون کی بستیون مین جانے اور رہنے سہنے کا حق حاصل ہے۔

اسی بنا پر مجلس بین الاقوامی کی قرارداد مین (جسپر تیس سے زیادہ قومون کے دستخط ثبت ہوئے تھے) اس شرط پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا کہ دنیا کا نظام حکومت صرف ان دو اصول کے ماتحت ہونا چاہیے۔ اوّل اقوام عالم کے مابین اشتراک عمل (اقرارنامہ کا پہلا جملہ اس اعلان کی تائید کرتا ہے) دوم غیر متمدن قومون کی حفاظت جو کہ "تہذیب و انسانیت کی بزرگ ترین امانت ہے" (ملاحظہ ہو دفعہ ۲۲)

انکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ سرخ و سیاہ اقوام مین خودداری اور خود اعتمادی کا عام احساس پیدا ہو گیا اور یہ احساس خود ہی جب اس حد تک پہنچگیا کہ کسی گوری قوم کا محکوم بنکر رہنا جدّ قومیت کی سخت توہین ہے، تو کثرت سے نسلی اور قومی تحریکین معرض وجود مین آنے لگین، جسنے فضائے خیال مین ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا اور زمانہ حال کی تاریخ سیاست کو آنیوالی نسلون کے لیے نہایت اہم بنا دیا۔

انمین سب سے پہلی تحریک "ایشیا کی بیداری" کے لقب سے موسوم کیجاتی ہے جسکی ایک شاخ ہندوستان کا سودیشی اندولن، ہوم رول یا "سوراج" نامی ہے۔ ۱۹۱۹ء مین مظالم پنجاب نے ملک کے طول و عرض مین ایک آگ سی لگادی، حقوق طلبی کی آواز مین تمام ہندوستان مہاتما گاندھی کا ہم آہنگ ہو گیا۔ برطانوی ارباب حل و عقد کو یہ ہندو مسلم اتحاد کا تپلا ایک آنکھ نہ بھایا اور بالآخر انہون نے گاندھی کے جسم نحیف کو لیجاکر قید و بند کے شکنجون مین جکڑ دیا۔ گو آج واقعات نے بہت کچھ رنگ بدل لیا ہے، مگر وہ روح جو اسوقت تک ہر ہندوستانی کے دل و دماغ مین سرایت کر چکی ہے، اسکا کسی صورت نکلنا ممکن نہین،

ہندوستان کے تیس کروڑ نفوس جنکو گاندھی کے خیالات سے (اصول و طرز عمل کا سوال

نہین ہے، پوری ہمدردی ہے آج بھی بدستور سابق اپنی تحریک کو جاری رکھنے پر آمادہ و مستعد ہین اور ہر قدم آگے ہی اٹھاتے رہین گے۔ حینک کہ اپنی منزل مقصود پر نہ پہونچ جائین۔

اُدھر "دلدادگان حریت" کی فتح کے ساتھ ہی ترکون کے رہے سہے ملک پر زبردست توپین ہر طرف سے ٹوٹ پڑین حتی کہ خود ان کا وطن مالوف بھی بلا غل وغش غیرون کے قبضہ و تصرف مین آگیا مگر یکبیک ہی دیکھتے نہ صرف ترکی کا "جان لب مریض" اپنے ملک کی حمایت کے لیئے از سر نو اُٹھ کھڑا ہوا بلکہ مصطفےٰ کمال کی تلوار نے اتحادی اور یونانی زنجیرون کو یکسر کاٹ ڈالا؛

البانیا (جزیرہ نما بلقان) مین وآلونا کی فتح تسخیر سمرنا سے بھی زیادہ حیرت خیز کامیابی ہے، جنگ فرینک کے ختم ہوتے ہی اس چھوٹے سے ملک کے حصے بخرے ہو گیے۔ شمالی علاقہ کو سرویا نے آدبایا، جنوبی یونان کو ملا، اور وسطی حصہ پر اطالیہ نے اپنے قدم جما لیے۔ مگر باینہمہ البانیا نے صرف آٹھ لاکھ افراد سے متواتر دو برس تک لڑائی کو جاری رکھا اور آخر کار چپہ چپہ زمین دشمنون سے پھر چھین لی۔

افغانستان نے بھی موقع دیکھکر کابل کی پہاڑیون پر "علم خود مختاری" بلند کر دیا اور مختلف ممالک مین اپنے سفیر بھیجے۔

ایران نے بھی روس اور انگلستان کی گرفت سے چھوٹ کر کشمکش حیات و ممات سے نجات حاصل کر لی؛

اسی سلسلہ مین زاغلول پاشا نے "آزادی مصر" کا نعرہ بلند کیا، اسپر کچھ عرصہ کے لیے جزیرہ سراندیب مین مجبوراً نظر بندی کے ناگوار مناظر کا نظارہ کرنا پڑا۔ مگر اب وہ یوسف مصری اس حبس فرنگ سے رہائی پاکر پھر اپنے وطن واپس آگیا ہے جہان پہونچکر اسنے مصریون اور قبطیون کے باہمی ارتباط پر زور دینا شروع کر دیا ہے اور اہل مصر نے بھی بخوبی سمجھ لیا ہے کہ اسی آئینہ مین آزادی کی ملکہ اپنا خوشنما چہرہ دکھائیگی؛

ایسے ہی جزائر فلپائن مین اگنیلڈو اور فیترن جیسے وطن پرست اپنے ملک کی آزادی کے واسطے کھڑے ہو گئے ہین باوجودیکہ امریکہ نے ان کے مطالبات کو بے اصل ثابت کرنے مین کوئی ممکن کوشش اُٹھا نہین رکھی مگر یہ بھی اپنی صدائے بے ہنگام پر اسوقت تک

ثابت قدم رہنے کا تہیہ کر چکے ہیں جبتک کہ اپنا مقصد حاصل نہ کر لیں گے۔

امریکہ کی محکوم اقوام میں سے ایک شخص مسٹر گارڈن نامی رونما ہو گیا ہے جو افریقہ کو غیر اقوام کے پنجۂ ظلم سے چھڑانے کا دعویدار ہے بلکہ وہ خود امریکہ کو بھی قدیم سرخ اقوام کا مسکن بتاتا ہے۔ انکا قول ہے کہ یہ سفید لوگ "مہذب غاصب" ہیں جو زبردستی امریکہ پر قابض ہو گئے ہیں۔

اسوقت جماعت توران، عربی اخوۃ، مسئلہ خلافت، وطن یہود، فلسطینوں کا فلسطین کے نام سے مختلف النوع تحریکیں بھی جاری ہیں، دنیائے اسلام میں علیحدہ ایک ہلچل مچی ہوئی ہے، مجاہدین مراکش جو ڈھائی سال سے سرگرم ہیں اور ہسپانیہ کی باقاعدہ فوجوں کو پے در پے شکستیں دے رہے ہیں، کینیا، ٹنال، بسوتولینڈ اور فجی میں الگ ہندی نژاد دن نے اپنی مظلومیت کا جھنڈا کھڑا کر رکھا ہے۔ غرض بحالت موجودہ دنیا میں ایک درجن سے زائد تحریکیں پھیلی ہوئی ہیں، جنمیں سے ہر ایک کی تاریخ کو اگر مختصر طور پر بھی بیان کیا جائے تو یہ مضمون بہت طویل ہو جائیگا؛

اگرچہ ہمکو بوجوہ احسن معلوم ہے کہ ہر ملک میں بعض اس قسم کے نادان بھی موجود ہیں جنکو سفید اقوام گرۂ مسکین کے مصداق تصور کرتی ہیں۔ بلکہ انکو خود انکے محبان وطن کے خلاف خیالات پھیلانے کا مفید آلہ بنا رکھا ہے۔ مگر پھر بھی اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا کہ واقعات عالم ہر لحظہ سرخ و سیاہ اقوام کی عالمگیر بیداری کا موجب ہوتے جاتے ہیں۔ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اب کسی قسم کی خفیہ ریشہ دوانیاں یا سیاسی سازشیں قدرتی رو کو نہیں روک سکتیں گذشتہ نوے برس میں سفید اقوام کا دنیا کو مطیع و منقاد کرنے کا دور دورہ تھا مگر اب امید ہے کہ شاید آیندہ نوے سال کا وہ زمانہ ہوگا جسمیں سرخ قومیں زندگی کے تباہ کن گرداب سے نکلکر ساحل آزادی کی ہوا کھائینگی۔

بہرنوع دعویداران تہذیب نے جن اصول کا چار دانگ عالم میں اعلان کیا تھا وہی آج خود ان کی مطلق العنانی میں سد راہ ہو رہے ہیں۔ زمانہ کا رخ دیکھتے ہوئے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب غلامی کی تمام زنجیریں ٹوٹ کر گر پڑیں گی اور سرخ و سیا

اقوام بھی فضائے آزادی مین خودداری کا دم بھرنے لگین گی درحقیقت یہ سفید اقوام کا پُراسرار وعظ ہی تھا جسنے سُرخ رنگ کی قومون مین ایک نئی روح پھونکر اپنا فرض منصبی ادا کرنے کی جرارت وہمت عطا کردی - غالبًا اب وہ وقت آگیا ہے (اور ہمکو اسکے واسطے تیار ہو جانا چاہیے -) کہ انسانیت کی "گول میز" ٹوٹن، گال، امریکن اور برٹن مساوی شرکا کی حیثیت سے آرین، منگول، عرب اور حبشی قومون کے دوش بہ دوش بیٹھے نظر آئین -

مرزا منظفر حسین (علیگ)

موسیقی

مین اُس نغمہ کا متمنّی ہون جو ایک عطیہ فطرت ہے - میرا دل اُسکے شوق مین ایک افسردہ پھول کی طرح مرجھایا ہوا ہے

تو ان لے نغمہ طراز! لبریز فخر شراب کی طرح نغمہ پاشی کر - اور قطرات سیمین کی طرح اپنی دلنواز آواز سنا - مین اس چٹیل میدان کے مانند موسیقی کا آرزومند ہون جو تھوڑی سی بارش کا منتظر ہو مجھے نغمہ خوشگوار کی شراب پینے دو اور بہت زیادہ پینے دو کیونکہ مین ہنوز تشنہ ہون - یہ نغمہ اُس سانپ سے مجھے رہا کردیگا جسے انکار نے میرے سینہ پر باندھ دیا ہے اور یہ اثر ریز نغمہ رگون کے ذریعہ میرے دل و دماغ مین تحلیل ہو جائیگا - یہ نغمہ اُس گل نرگس کی خوشبو ہے جو چاندی کی جھیل کے کنارے کھلا - اور جسکا عطر دوپہر کی تپش نے چوس لیا - کہرے کا پتہ نہ تھا کہ اُسکی پیاس بجھاتا - آخر وہ پھول مرجھا گیا اور اُسکی خوشبو ہوا کے پرون پر اُڑکر نیلگون سمندر پر چھا گئی -

یہ نغمہ اُس شخص کے مانند ہے جو طلسمی ساغرین، محبت کے لبون کی اُبلتی، چمکدار، اور شور مچاتی ہوئی شراب پیتا ہے، اور جسنے ایک مست ساحرہ سے عشق کرتی ہے

(بقیہ) در ڈوڈ ورتھ

جان کیٹس

باغ فطرت کے وہ پھول جو اپنی بہار جانفزا دو دن دکھلا کر راہی ملک بقا ہو جاتے ہین اپنے شیدایون کو عمر بھر کے لیے تشنہ کام رکھتے ہین، اُنکے غم مین چمن دہر کے گوشہ گوشہ سے وحشت اور سراسیمگی کے آثار نمایان ہونے لگتے ہین اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کائنات کے بنیادی عناصر مین کوئی تزلزل پیدا ہو گیا ہے کسی ہرے بھرے باغ مین جاکر دیکھو، جہان شاداب اور تر و تازہ پھولونکا جھرمٹ ہو گا وہان کچھ ایسی پژمردہ اور بدنصیب کلیان بھی نظر آئینگی جنکا رشتۂ حیات کسی بلائے ارضی وسماوی نے منقطع کر دیا، اور وہ ناشاد نامراد کھلنے سے پیشتر ہی مرجھا گئین، باغبان اُنکی قسمت پر رویا کرے، لیکن وہ تو اپنی بہار کھو چکین، آج جن کلیون کا تبسم ناز سرمایہ گلشن ہے وہ بھی ہنستی ہوئی ریاض دہر سے رخصت ہو جائینگی لیکن اس باغ کی رونق و شادابی مین کوئی فرق نہ آئیگا،

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزارون اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

آج ہم انگلستان کے ایک ایسے نامور شاعر کے حالات قلمبند کرتے ہین جو ایک گوشہ گمنامی مین پیدا ہوا، لیکن جسنے اپنے حکیمانہ خیالات اور شاعرانہ بلند پروازی کی بدولت ملک کے ہر ممتاز ادیب اور سخن سنج سے خراج تحسین وصول کر لیا - افسوس کہ عنوان شباب ہی مین قزاق اجل نے اُسکے متاع زندگی پر حملہ کر دیا، اور ادبی دنیا کا ایک گوہر شب چراغ جسکی ذات سے بہترین اُمیدین وابستہ تھین فانی نظرون سے روپوش ہو کر اُس فضائے مقدس کو سدہا راحبان ہماری ناکام آرزوئین رہا کرتی ہین، اُن واقعات اور حالات پر ماتم کرنا بیسود ہے جو انسانی قبضہ قدرت کے حدود سے باہر ہون - مگر اسکی جوانمرگی کا افسوس ہے - اس قبل از وقت حادثہ سے جو ادبیات کو نقصان

JOHN KEATS - 1795-1821

نظیم ہو پہنچا ہے اُسکا صحیح صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ کاش کیٹس بڈھا ہو کر مرتا، اور اُسکے خیالات مین وہ پختگی اور متانت پیدا ہو سکتی جو مدتون کی مشق کے بعد حاصل ہوتی ہے!

پیدائش اور ابتدائی حالات

جان کیٹس ۲۹ اکتوبر ۱۷۹۵ء کو پیدا ہوا، اور لندن کی ایک غیر معروف اسٹریٹ کے متصل ایک اصطبل کو (جسکا انتظام اسکے باپ کے سپرد تھا) اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی، اِس تنگ و تاریک گوشہ مین اس بلبل رنگین نوا نے آنکھ کھولی، اور اسی ماحول مین جو کسی عنوان سے شاعرانہ جذبات کو اُبھارنے مین مدد معاون نہین ہو سکتا تھا اُسکی ابتدائی نشوونما ہوئی، اُسکی اولین درسگاہ آغوش مادر تھی جو در اصل اپنے بچے کی حقیقی معنون مین حاشیہ زار تھی، اور جس سے کیٹس بھی بیحد محبت کرتا تھا، وہ خود لکھتا ہے۔

"مجھے اپنی ماں خوب یاد ہے، وہ جان سے بہت محبت کرتی تھی، اور صورت شکل مین بھی اُسی سے بہت مشابہ تھی، وہ نہایت غمگسار اور محبت کرنے والی ماں تھی، اور مجھے یقین ہے کہ اُسکی لیاقت غیر معمولی تھی"

اسمین شک نہین کہ جان کے ماں باپ دونون اپنی اپنی حیثیت سے زیادہ تعلیم یافتہ، مہذب، ذہین، اور لایق تھے، وہ فراخ دل حوصلہ مند بھی تھے اور اُنکی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنی اولاد کو زیور تعلیم و تربیت سے مزین کرین، لیکن اُنکے ذرائع محدود اور آمدنی قلیل تھی، چنانچہ مجبوراً جان کو پادری کلارک کے اسکول مین داخل کر دیا جو این فیلڈ مین واقع تھا، اور جہان اُسکے دو ماموں پہلے تعلیم حاصل کر چکے تھے، اسکول کی شہرت اچھی تھی، اور گرد و پیش کے مناظر بھی خوب تھے لیکن ناکامیان، رسوائیان، بدنامیان" روز ازل سے کیٹس کے لیے مقدر ہو چکی تھین۔ اسکول مین داخل ہونے کے چند ہی ماہ بعد اُسکو اپنے پدر بزرگوار کی اچانک وفات پر صف ماتم بچھانا پڑی۔ جسکا وجود اسکی محبت، مسرت اور دنیا کی ضروریات کا کفیل تھا،

اس اسکول کے علاوہ کیٹس کو کسی اور بلند پایہ درسگاہ مین شرکت کی عزت نہین حاصل ہوئی، نہ وہ کسی کالج مین داخل ہوا اور نہ اسکو کوئی علمی یا اعزازی ڈگری نصیب ہوئی لیکن اُسکے دل و دماغ پر شاعری کا ایک ابدی پرتو تھا، اُسکا قلب ادبی ذوق سے معمور تھا، وہ فطرت کیجانب سے اُن اوصاف پسندیدہ کا مالک بنایا گیا تھا جو انسان کو ایک مایۂ ناز

شاعر اور ایک عدیم المثال ادیب بنا سکتے ہین، ڈاکٹر ٹیگور نے کبھی کسی کالج مین تعلیم نہین پائی اور نہ کوئی ڈگری حاصل کی لیکن دنیا کو بخوبی معلوم ہے کہ اُنکی شاعرانہ سحر طراز یون کو زمانہ کا فنا کرنے والا آزبردست ہاتھ بھی مٹا نہین سکتا۔ وہ خواہ کتنے ہی رنگ بدلے لیکن ٹیگور کے جواہر زیزون کا رنگ کبھی پھیکا نہ ہوگا۔ اسی طرح کیٹس کی شاعری بھی کسی کالج یا کسی ڈگری کی ممنون نہ تھی۔ وہ فطری شاعر تھا، تعلیمی حیثیت سے صرف پادری جان کلارک کیٹس کا اولین اور آخری معلم تھا جسکی خدمت مین اُسکی عمر کی ابتدائی پانچ سال صرف ہوئے، اپنے ہمسنون مین وہ خوش خلق۔ خوش فہم، حسین، تیز مزاج مشہور تھا کبھی کبھی اُسپر رنج و محن کی تاریک گھٹائین بھی چھا جاتی تھین جو اسکے دلپر غم والم کی بارش کیا کرتی تھین، لیکن وہ ہنس مکھ تھا اور اس پردے مین اسکا دلی انتشار پوشیدہ رہا کرتا تھا۔

کیٹس کو خدا نے تین بھائی اور ایک بہن عنایت کی تھے ان مین باہم نہایت گہری اور مستحکم محبت و الفت تھی جو مرتے دم تک قایم رہی، اور جسکو کوئی دنیاوی خود غرضی نقصان نہ پہونچا سکی، کیٹس کے انتقال کے بعد اُسکے چھوٹے بھائی جارج نے کیٹس کے متعلق اپنی ایک تحریر مین اسطرح لکھا ہے،

"مین اُسکی نیکی اور شرافت کی وجہ سے اُسکا بہت گرویدہ تھا، گو بسا اوقات وہ زیادتی بھی کر گذرتا تھا، اسکول کے زمانہ مین ہم بارہا خوفناک اور خونخوار لڑائیان لڑے، اور میرے ساتھی شہادت دیسکتے ہین کہ ان مناوات کا بانی اکثر جان ہوا کرتا تھا لیکن اُسکے خیالات ستھرے اور اُسکا دل صاف تھا۔"

یون تو کیٹس کی کل زندگی مصائب اور تکالیف کا مجموعہ تھی، لیکن وہ مصیبت جسنے ایک عرصہ کے لیے ہوش و حواس سلب کر لیے اور اُسکو اسقدر رنجیدہ اور مغموم کر دیا کہ اُسکے اعزاء

ان مطور کو مرتب کرنے مین مندرجۂ ذیل کتابون کی امداد حاصل کی گئی۔

1. ENGVCLOPAEDIA BRITTANNICA
2. THE ENGLISH POET BY WARD.
3. KEETS BYS COL VIN.
4. SHELLEY BY SVMONDS.

اور احباب اُسکی ماتم گساری اور نالہ وزاری دیکھکر کف افسوس ملتے تھے، اُسکی مادر شفقہ کی علالت تھی ماں کی تیمارداری مین کیٹس نے وہ حیرت انگیز سرگرمی اور مستعدی ظاہر کی کہ دیکھنے والے تعجب کرتے تھے۔ شب و روز بستر علالت کے متصل کرسی پر بیٹھا رہتا، اپنے ہاتھ سے ماں کو دوا پلاتا کھانا پکاکر کھلاتا دل بہلنے کے لیے قصے پڑھ پڑھ کر سناتا، لیکن جام حیات لبریز ہو چکا تھا۔ رفتہ رفتہ بیماری مہلک صورت اختیار کرتی گئی انجام کار فروری ۱۸۱۸ء وہ نیک خاتون اس دنیا سے کوچ کر گئی

اس حادثہ جانکاہ کا تلخ ترین نتیجہ یہ ہوا کہ کیٹس کو مدرسہ چھوڑنا پڑا اور ایک ڈاکٹر کی دکان پر ایک معمولی سی ملازمت اختیار کرنی پڑی، فطرت کی یہ ستم ظریفی قابل داد ہے کہ ایک ایسے ہونہار نوجوان کو جو محض شاعری کے لیے خلق کیا گیا تھا اور جسکے دل مین ادب کی ایک مستقل اور نہ مٹنے والی چاٹ موجود تھی، ایک ایسی جگہ پھینکدیا جائے جہان ٹنکچر آیوڈین (TINCTURE IODINE) اور کاپر سلفیٹ (COPPER SULPHATE) کے علاوہ کوئی مذکور ہی نہو، سلسلہ ملازمت مین بھی کیٹس کا علمی ذوق برابر قایم رہا، وہ اپنے فرصت کے اوقات اسکول مین بسر کرتا رہا۔ اور اپنے مشفق دیرینہ کاؤڈن کلارک (COWDEN CLARKE) کی صحبت مین بیٹھکر اس معصوم مشن مین سرگرم کار رہا جو اُسکی حیات کا مقصد اولین تھا، اسکول کے باغ مین کسی پرسکون کنج مین یہ دونون بیٹھ جاتے اور کتابون کے مطالعہ مین منہمک رہتے کیٹس کی یہ خوش نصیبی ہے کہ پندرہ برس کی عمر مین اسپنسر* سے اُسکا تعارف ہوگیا۔ اُسنے فیری کوئین (FAIRY QUEEN) کا مطالعہ شروع کیا جسنے اُسکی آنکھین کھولدین، اور اُسکے سامنے ایک ایسی وسیع فضا پیش کی جہان وہ دل کھولکر بلند پروازی کر سکتا تھا۔ اسپنسر کے متعلق بعض باخبر سخن سنج حضرات کی رائے ہے کہ اُسکا کلام نہ صرف نوجوانون بلکہ شاعری

* E. SPENSER انگلستان کے دور اول کا ایک نہایت ممتاز شاعر جو ۱۵۵۳ء مین پیدا ہوا، جسنے بی اے کی ڈگری ۱۵۷۳ء مین اور ایم اے کی ڈگری ۱۵۷۶ء مین کیمبرج سے حاصل کی، اُسکی تصنیف "فیری کوئین" ایک نہایت مقبول کلاسک ہے جو اب تک نہایت قدر و منزلت کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہے ۱۵۹۹ء مین اسپنسر کا انتقال ہوا۔

کی محبت پیدا کر دیتا ہے بلکہ شاعرانہ حسیات کو ابھار کے غیر شاعر کو شاعر بنا سکتا ہے، چنانچہ کیٹس کے محبوب دوست چارلس برآؤن کا قول نہایت مستند ہے کہ "فیری کوئین" ہی وہ کتاب تھی جسنے کیٹس کے خوابیدہ اور پنہان محسوسات میں تلاطم برپا کر دیا اور وہ خود شعر کہنے لگا یہانتک کہ آگے چلکر شاعری اُسکی حیات کا جزو لاینفک بنگئی۔

لندن کی زندگی یہان سے کیٹس کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اور یہ وہ دور ہے جسنے گمنام کیٹس کو ایک عالم متجر اور ایک نغز گو شاعر بنا دیا اور اُسکے سر پر شہرت دوام کا ایسا تاج رکھدیا جسکے جواہرات کی چمک صدیوں تک چشم بصیرت کو خیرہ کرتی رہیگی جان کیٹس نے اپنا وقت مطالعہ اور تیاری میں صرف کیا تھا۔ لیکن لندن میں قدم رکھتے ہی اسنے اپنے اندوختہ مواد سے کام لینا شروع کر دیا، اور یکے بادیگرے متعدد نظمیں لکھ ڈالیں یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اُسکی اولین نظم کونسی ہے مگر گمان غالب ہے کہ ہنٹ LEIGH HUNT کی رہائی کے متعلق اُسنے جو کچھ قلمبند کیا وہی جان کیٹس کا سب سے پہلا ادبی کارنامہ تھا ۲ فروری ۱۸۱۵ء کو لی ہنٹ جب دو سال کی قید سے رہا ہوا تو کاؤڈن کلارک نے اِس ادیب اور آزاد منش سردار ملی کا شاندار خیر مقدم کیا، اور یہی شناسائی جلد ایک مستقل دوستانہ صورت میں مبدل ہوگئی اسی دریا میں کلارک کیٹس سے ملا، اُسوقت اِس نوجوان شاعر نے اپنی اولین فکر منظوم اپنے دوست کیخدمت میں پیش کی، جسکی بابت کلارک خود کہتا ہے۔

"میں نے خود محسوس کیا کہ شاید یہ اولین موقعہ تھا جب کیٹس نے اپنے خیالات اور جذبات کو نظم کے سپرد کیا، اور مجھے وہ ہوشمند نگاہیں اور وہ شرمگیں جھجک خوب یاد ہے جو اُسوقت کیٹس پر طاری تھی، محبوب دوستوں کی نگاہوں میں وہ جاذبیت اور محبت ہوتی ہے جسے صرف موت زائل کر سکتی ہے،

تھوڑے ہی عرصہ بعد کلارک نے بھی این فیلڈ کو خیرباد کہا اور لندن میں آکر آباد ہوا، دونوں بچھڑے ہوئے دوست جب ایک جگہہ ہوئے تو مطالعے کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے ہومر کو مطمح نگاہ بنایا جسکو جیپمین

ہومر HOMER یونانی شاعر جو غالباً ۹۰۰ قبل مسیح کے درمیان بقید حیات تھا اُسکی دو تصنیفیں الیڈ ILLIAD اور اوڈیسی ODYSSEY مشہور ہیں ۱۲

CHAPMAN نے اُسی زمانہ مین انگریزی لباس پہناکر اپنے قومی لٹریچر مین ایک گرانقدر اضافہ کیا تھا۔ کیٹس ہومر کی تصنیف دیکھکر دیوانہ ہوگیا، اور چیپ مین کے شان مین اُسنے یہ قصیدہ لکھا جو دراصل اُسکی ابتدائی فکر کا نمونہ ہے لیکن نہایت مقبول ہے

"مین زرین کتاب مین بہت مسافر کر چکا ہون،
اور مینے بہت سی عمدہ سلطنتین اور شاداب ریاستین دیکھی ہین!
مین نے بحر مغربی جزائر کے اردگرد بھی چکر لگایا ہے۔
جسپر شعراء اپالو[1] کے ہم آہنگ ہوکر قابض ہین۔
مین نے بارہا ایک وسیع مملکت کا ذکر سنا تھا
جسپر گھنی ابروؤن والا ہومر حکمرانی کرتا ہے!
لیکن کبھی اُس پاکیزہ اور لطیف نسیم مین سانسین لینا نصیب نہین ہوا تھا کہ
جب[2] مین نے آواز بلند تقریر شروع کردی،
تب اُس نجومی کی سی حالت مجھپر طاری ہوگئی جو آسمان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور جسکے دائرہ نگاہ مین یکایک ایک نیا سیارہ آجاتا ہے!
یا بہادر کارٹیز کی طرح جو اپنی عقاب نما آنکھون سے
بحر کاہل پر نظرین جمائے ہوے تھا، اور اُسکے تمام ساتھی ایکدوسرے
پر وحشت اور حیرانگی کی نگاہین ڈال رہے تھے! اور ڈیرین[3] مین ایک فلک نما چوٹی پر
خاموش و ساکت تھے!!!

کلارک نے یہ خوب کیا کہ ہنٹ کا تعارف کیٹس سے کرادیا جسکی وجہ سے اِس ہونہار شاعر کو

---

[1] اپالو - یونانی خدائے موسیقی و شاعری - (MEXICO)

[2] چیپ مین = انگلستان کا مستند شاعر جسنے ہومر کی تصانیف کا ترجمہ انگریزی مین کیا۔

[3] کارٹیز - یہان کیٹس ایک غلط فہمی مین مبتلا ہوا ہے کہ کارٹیز دراصل میکسو کا فاتح تھا، اور یہان شاعر اُسکو بحر کاہل کا دریافت کرنیوالا تصور کررہا ہے!

[4] ڈیرین ایک جزیرے کا نام ہے!

بڑی مدد ملی، اور اُسکی حوصلہ افزائی ہوئی، ہنٹ ایک نہایت خوش خلق اور تعلیم یافتہ نوجوان تھا، اور اپنے دوستون پر پروانہ وار فدا ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے احباب کے وسیع دائرہ مین ایک بت کی طرح پوجا جاتا تھا، اور ہر طبقہ کے لوگ اُسکی بڑی عزت و عظمت کرتے تھے۔ چنانچہ اسکی معرفت کیٹس کو بلٹن، شیلی اور ہیڈن سے شناسائی کا موقع حاصل ہوا اور وہ ایک ایسے ادبی حلقہ مین داخل ہو سکا جہان بڑے نامور شعرا موجود تھے، شیلی بھی اسی محفل مین ایک رکن تھا، اور دنیائے شاعری مین اُسکی شہرت اور حشمت آج تک قابلِ رشک ہے، کیٹس بذاتِ خود دوست نواز تھا لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ شیلی کی اخلاص و محبت کے باوجود وہ اُسکا سچا اور دلی دوست نہ بن سکا۔ اور ہمیشہ بے تکلفی سے پرہیز کرتا رہا۔ کیٹس نہایت خوددار اور ذکی الحس تھا، وہ یہی سمجھتا رہا کہ میری کم مائیگی اور بے بضاعتی مجھکو شیلی کی نگاہون مین ذلیل بنا دیگی، چنانچہ اس غلط فہمی سے کیٹس کا دل کبھی صاف نہو سکا، کیٹس کے خاص دوستون نے اصرار کیا کہ نظمون کا ایک مجموعہ جلد شایع کرایا جائے تاکہ بیرونی دنیا بھی محسوس کر سکے کہ آفتاب شاعری طلوع ہو چکا ہے، اور جلد ممالک قریب و بعید کو اپنی طلعت ریزیون سے جگمگانے والا ہے، پس ایک مجموعہ پریس مین دیدیا گیا۔ جو کیٹس نے لی ہنٹ کے نام نامی پر معنون کیا، اور اپنے جذبات کو ان الفاظ مین ادا کیا،

" شان و شوکت اور حسن و جمال فنا ہو چکے ہین
کیونکہ اگر ہم علی الصباح چہل قدمی کے واسطے نکل کھڑے ہون
تو ہمکو کوئی خوشبودار گجرا نظر نہ پڑیگا
جو مشرق مین تبسم سحر کا استقبال کرے!
نرم آواز والی، نوجوان اور خوش مزاج پریون کا کوئی جھگٹ نہین جو گندھی ہوئی ٹوکریون
مین صندل کی بالیان
گلاب و یاسمن کے پھول لائین۔
اور اوائل مئی مین نباتات کی دیوی کے مندر مین چڑھائین۔
لیکن اتنی ہی بلند پایہ خوشیان ابتک موجود ہین
مین اپنی قسمت پر رشک کرتا ہون

کہ ایسے وقت مین جب خوشگوار اشجار کے سایہ مین
پین[1] کا کوئی مسلاشی نہین، مین ایک آزادانہ اور سرسبز عشرت و مسرت کی حالت محسوس کر رہا
ہون کیونکہ مین دیکھ رہا ہون کہ مین اس نذر حقیر سے تجھ جیسے شخص کو محظوظ کر سکتا ہون!

لندن کی فضا مین کیٹس کے خیالات مائل بلند پروازی ہوے، اور یہ اُسکی خوش نصیبی تھی کہ اُسکو ایسے نامور شعرا اور ادبا کی صحبت حاصل ہوئی جنسے اُسکے ذہن رسا اور فکر عمیق مین چار چاند لگا دیئے اِس سے انکار نہین ہوسکتا کہ کیٹس کو شیلی اور ہنٹ کی صحبت مین ادبی جد وجہد کا بہترین موقع ملا اور اُسکو وہ بات حاصل ہوئی جس سے مدتون کے مطالعہ کے بعد بھی وہ محروم رہتا ہنٹ کے مکان کو فخر تھا کہ وہان قرآن سدین تھا یعنے انگلستان کے وہ ایسے بہترین شاعر ادبی نشو ونما حاصل کرتے ایک دن افق یورپ پر نیر تابان کیطرح چمکتے لیکن دونون جوانی کے عالم مین پیوند خاک بھی ہوگئے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اے لئیم تونے وہ گنجہاے گرانمایہ کیا کئے

تعلقات اور خطوط کیٹس ایک رقیق القلب شخص تھا جسکے دل مین رحم ہمدردی اور محبت و الفت کا دریا موجزن تھا، وہ اپنے بھائیون اور بہن کا سچا پرستار تھا، اور اُنکی تکلیف دیکھکر تڑپ جاتا تھا، سب سے زیادہ اپنے چھوٹے بھائی جارج کا گرویدہ تھا کیونکہ دونون نے ایک ہی اسکول مین تعلیم حاصل کی تھی اور ایک ہی آب وہوا مین ابتدائی زندگی بسر کی تھی۔ زندگی کے پُر لطف دور مین داخل ہونے کے چند سال بعد جب جارج نے شادی کی اور امریکہ مین آباد ہونے کی طیاری شروع کردی تو کیٹس اپنے بھائی سے ملنے آیا، یہ خیال اُسکو مارے ڈالتا تھا کہ اُسکے مختصر سے خاندان مین بھی تفریق ہونے والی ہے، اور اُسکا عزیز بھائی جیتے جی اُس سے جدا ہونے والا ہے ان جذبات نے اُسکے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا۔ اِسی زمانہ مین اُسنے اپنے ایک دوست کو خط لکھا جسکا آخری فقرہ یہ تھا "زندگی تو گذر ہی جائیگی لیکن یہ خیال نہایت اطمینان بخش ثابت ہوا کہ مین مرنے سے قبل چند نظمین لکھ لونگا"

کیٹس نے اپنے بھائی بہن کے نام جسقدر خطوط لکھے۔ سب مین ایک قسم کا بے خبر مستانہ پن برادرانہ شفقت اور ہنسی خوشی کی لہر موجود ہے، اور لفظ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا دل کسقدر ملوث

---

[1] پین۔ PAN یونان کے عہد قدیم کے ایک دیہاتی دیوی جسکو باغات اور صحرا کی ملکہ کہتے ہین اور جسکی ہیئت کذائی نصف انسانی اور نصف حیوانی مانی گئی ہے۔

اور محبت سے لبریز تھا، اور اُسکی تقریر کسقدر تصنع سے دُور ہوتی تھی، ایک خط مین لکھتا ہے،

"بہن تمکو معلوم ہے کہ چار ماہ سے ہمکو جارج اور اُسکی جیتی بیوی کا کچھ حال معلوم نہین ہوا، خدا جانے وہ اُس دور دراز ملک مین کیا کر رہا ہے، اور کیون خاموش ہے؟

جن مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ جارج گو زندہ ہے، لیکن ہماری نظرون سے عمر بھر کے لیے پوشیدہ ہو گیا، مجھے وہ دن خوب یاد ہین جب مین اُسکے ساتھ مدرسہ مین پڑھتا تھا اور اُسکے تحمل و بردباری سے فائدہ اُٹھایا کرتا تھا"

کاؤڈن اُسکا قدیم ترین دوست تھا لیکن تمام عمر کوئی ایسی وجہ پیدا نہوئی کہ انکے باہمی تعلقات مین کچھ بھی فرق نہ آتا۔ کیٹس کی موت کے بعد بھی کلارک نے عمر بھر اُسی کا کلمہ پڑھا۔

ایکرتبہ اُس دائرہ احباب مین ایک سنگین شکر رنجی ظہور پذیر ہوئی جسکے متعلق کیٹس نے بیلی کو یہ خط لکھا۔

"چند روز کا ذکر ہے کہ نہایت پریشان کن واقعات پیش آئے، تمنے تو سُن لیا ہوگا۔ رینالڈ اور ہیڈن دونون برسرپیکار ہین اور ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ ہیڈن اور ہنٹ کے درمیان مین بھی یہی غیر خوشگوار حادثہ پیش آیا۔ یہ بُری بات ہے، انسانون کو ایک دوسرے کے کمزوریون کا خیال رکھنا چاہئے، دنیا مین کوئی ایسا شخص نہین جسکی کمزوری اور خامی پر ہم حملہ نہ کر سکین، بہتر سے بہتر انسان مین نیکی کا صرف ایک مختصر سا جز ہوتا ہے۔ ایک قسم کا روحانی خمیر جو حیات انسان مین اُبال پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے انسان حرکت کر سکتا ہے نبرد آزما ہو سکتا ہے اور مصائب کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ بیلی، بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان کی کمزوریان معلوم کی جائین اور بعد ہ مدافعت کیجائے۔ اسکے بعد بھی وہ اگر تمکو اپنی جانب کھینچے تو رشتۂ محبت کو توڑنا آسان نہین لیکن رینالڈ اور ہیڈن سے ملاقات کرنے سے قبل مینے اُنکی خامیان سمجھ لین تھین دونون سے واقف ہونے کی وجہ سے مین دونون مین ملاپ پیدا کر رہا تھا، شاید مین پھر دونون مین محبت پیدا کر سکون اور اس طوفان کے دُور ہونے کے بعد وہ دونون ایک دوسرے کی خوبیان ہی یاد رکھین گے"

آتش عشق | حسن اور شاعری ان دو الفاظ مین کیٹس کی تمام دنیا مضمر تھی، اُسنے ان دونون کی

عمر بھر پرستش کی اور اُن پر جان تک نثار کر دی، لیکن کیٹس کی بدنصیبی تھی کہ نہ شاعری اُسکو راس آئی اور نہ حسن و عشق مین وہ شاد کام و بامراد رہا۔ پبلک نے اسکی کسی کتاب کا خیر مقدم نہ کیا اسلیے وہ ہمیشہ مفلس اور تنگدست رہا "رہا کوچۂ عشق" سو اس بازار مین اُسکے دل پر داغ کا کوئی عاشق نواز گاہک نہ پیدا ہوا، اُسکا درد بھرا دل ایسا مٹا کہ خاک تک باقی نہ رہی اُسکو ایسا روحانی صدمہ پہونچا جسنے اُسکو موت کے گھاٹ اتار دیا،

اُسنے خود ایک مرتبہ درد آفرین آواز سے کہا تھا۔

"نظم، شہرت، اور حسن ضرور نہایت سخت ہین۔

لیکن موت سخت تر ہے ——— موت زندگی کا ایک بیش بہا انعام ہے!

کیٹس کی داستان محبت نہایت دلچسپ ہے۔ اسلیے ہم اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے اسکاٹ لینڈ سے واپس ہونے کے بعد جب کیٹس اپنے بھائی[۱] کی تیمارداری مین مصروف تھا۔ تو اُسکے آئینۂ دل مین ایک حسین تصویر نظر آتی تھی جو اسکی تمناؤن کا مرکز بنی ہوئی تھی وہ فینی بران[۲] کے دام محبت مین اسیر ہو چکا تھا، فینی برآن ایک مجسمۂ حسن تھی اور کیٹس پرستار حسن، فینی برآن سراپا شعریت تھی، اور کیٹس ایک حسن پرست شاعر؛

غرض کیوپڈ کا تیر، کیٹس کے دل و جگر سے پار ہو چکا تھا، اور وہ پروانہ وار سوز محبت سے بیقرار تھا، اُسنے خود ایک نظم مین اپنی دلی کیفیات کی تصویر کھینچی ہے، لکھتا ہے،

"مین موت کو برداشت کر سکتا ہون، یا خدا؛ لیکن مین اُس سے کنارہ کشی اختیار نہین کر سکتا، ہر وہ شے جو میرے بکس مین موجود ہے، اور جو اسکی یاد تازہ کرتی ہے ایک خونخوار بھالے کا کام کر رہی ہے وہ ریشمی استر جو اُسنے میری سفری ٹوپی مین چسپان کیا تھا میرے سر کو جلائے ڈالتا ہے میرا تخیل اُسکے متعلق نہایت خوفناک طریقہ سے صحیح اور روشن ہے، مین اُسکو دیکھ رہا ہون، اُسکی آواز سُن رہا ہون، آہ اُون[۳] میرے سینہ مین شعلے دہک رہے ہین، اور مجھے حیرت ہے کہ اسقدر سینہ

اسقدر تکلیف برداشت کرنیکا اہل ہے"

لیکن اس تعشق کے باوجود کیٹس کے دوستون کا خیال تھا کہ یہ دوشیزہ کیٹس کے لیے ایک مخلص شریک زندگی ثابت نہین ہوسکتی، اور یہ اچھا ہوا کہ اس ابتدائی محبت نے شادی و خانہ آبادی کی صورت اختیار نہین کی ہان اس دلی تعلق سے اتنا تو ضرور ہوا کہ کیٹس کے جذبات نظم کی صورت مین رونما ہونے لگے لیکن اس درمیان مین اُسنے اپنے بھائی اور دوستون کو جو خطوط لکھے وہ اس چاشنی محبت سے بالکل معرا ہین، اور اگر کہین فینی کا ذکر بھی ہے تو نہایت سرسری اور مختصر، اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ اُسکے احباء و اعزا اس رشتہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ اس دوشیزہ کو کیٹس کے لیے ناموزون خیال کرتے تھے۔ دنیا مین کوئی ایسا ہمدرد و غمخوار نہ تھا جس کو کیٹس اپنی داستان درد سُناتا اور دل کا بخار نکال لیتا۔ اس حالت مین کیٹس کے لیے سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے جذبات آتشین کو دبائے رکھے اور دل ہی دل مین پیچ و تاب کھاتا رہے۔ اس رازداری کا یہ اثر ہوا کہ کیٹس کے بہت سے دوست اس معمہ سے بالکل بے خبر تھے، حتی کہ سیورن SEVERN. جو کیٹس کا ایک نہایت مخلص اور محبوب رفیق تھا مرتے دم تک اس واقعہ سے ناآشنا رہا۔

ناکامی اور موت اس جانگداز ناکامی اور روح فرسا مایوسی کے بعد کیٹس کی حیات کا آخری دور شروع ہوتا ہے جو بدقسمتی سے تاریک ترین ہے اور جسنے اُسکو پیوند خاک ہی کرکے چھوڑا، محبت کے طوفانی جذبات پژمردہ ہو چکے تھے اور اُسکے بھائی جارج کی جدائی نے اُسکا آبگینہ دل بالکل چور چور کر دیا تھا جو اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ مین آباد ہو چکا تھا، یہ وہ عزیز بھائی تھا جسپر کیٹس کو اعتماد کامل تھا اور جسکی ہمدردی اور مدد نے اُسکو بارہا روحانی طمانیت بخشی تھی۔ علاوہ ازین اسکاٹ لینڈ کے طول و طویل سفر نے اُسکی ناتوان صحت کو سخت نقصان پہونچایا، اور تپ دق کی وہ مہلک بیماری جو پوشیدہ طور سے اُسکے نظام عصبی مین پیوست ہو چکی تھی نمایان طور سے ظاہر ہونے لگی اور اُسے خود یقین ہو گیا کہ میری موت کے دن دور نہین۔

برآؤن کا بیان ہے کہ۔ " ایک شب گیارہ بجے کے وقت وہ مکان مین داخل ہوا، اُسوقت اُسپر ایک خوفناک نشہ کی سی حالت طاری تھی، ایسی حالت جو اُسپر کبھی طاری نہ ہوسکتی تھی، اسلیے اور زیادہ پُرخطر تھی، مین نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ کیا تمکو بخار آگیا؟

"ان ان! مین آج باہر نکلگیا تھا مجھے سخت زکام ہوگیا لیکن اب اچھا ہون، بان کا قدرے بخار ہے۔ پھر مین نے کہا سو رہو، وہ سونے کے کمرے مین چلا گیا، مین بھی اُسکے سونے کے کمرے مین داخل ہوا، تکیہ پر سر رکھنے سے قبل ہی وہ کھانسنے لگا، اور تعجب سے کہنے لگا "خون ہے جو میرے منہ سے نکلا۔ مین اُسکے قریب گیا، وہ چادر پر ایک خون کے قطرے کو دیکھ رہا تھا پھر مجھسے مخاطب ہوکر بولا، برائون! ذرا شمع لاؤ مین اس خون کو دیکھون، پھر ایک پرسکوت انداز سے مجھے دیکھنے لگا، کیٹس کی اس نگاہ کو مین نہین بھول سکتا۔ مجھے اسکے یہ فقرے بھی یاد ہین گے ..... مین اس خونی رنگ کو خوب پہچانتا ہون، یہ صاف خون ہے، مجھے دھوکا نہین ہوسکتا، یہ خونی قطرہ میری موت کا پیش خیمہ ہے، میری موت آچکی ہے ....."

کیٹس کا نخل حیات دو شرربار شعلون کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا، "شعلۂ عشق" جسنے اُسکے قلب اور جگر کو اول مجروح کیا اور بعدہٗ جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا، آتش مرض جو رفتہ رفتہ اُسکے جسد خاکی کو پیناگ رہی تھی، اور کوئی دنیاوی طاقت اسکو ان سے نجات نہین دلا سکتی تھی بخش مزاجی جو کیٹس کی ایک امتیازی خصوصیت تھی فنا ہوچکی تھی، اور اُسکے دل و دماغ پر ایک ابدی پژمردگی اور افسردگی چھا رہی تھی؛ برائون نے ہر ممکن طریقہ سے اپنے دوست کی مدد کی، اُسکو تسلی اور تشفی دی۔ اُسکو صحت کی اُمید دلائی لیکن کیٹس کے قلبی زخم ان دواؤن سے مندمل نہو سکے، گو ظاہرا وہ خوش خوش نظر آتا تھا لیکن اُسکا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا، اُسکے پہلو مین ایک زہر آلود تیر پیوست ہوچکا تھا، وہ ساکت تھا اور خاموش لیکن اُسکے فضائے تخیل مین صرف فینی کے حسین خط و خال کی حکومت تھی جسکی مفارقت اُسکے قلب مجروح کو پاش پاش کیے ڈالتی تھی،

اُسکی علالت نے اطبا کو اول دہو کے مین رکھا جنکی رائے یہ تھی کہ اُسکے پھیپھڑے خراب نہین ہین اور صرف آرام اور دماغی سکون اُسکو صحت یاب کرسکتا ہے،

نامہ نگار فینی اُسے روزانہ دیکھنے آتی تھی، اور بظاہر یہی ایک سہارا تھا جسپر اُسکی زندگی کا دارومدار تھا، کچھ عرصہ بعد جب مرض نے اُسپر قبضہ کرلیا، اور اُسکی موت قریب نظر آنے لگی تو تقدیر نے یاوری کی اور دونون عاشق و معشوق ایک ہی مکان مین رہنے لگے، اس قربت سے

کیٹس کو دوہری شادمانی حاصل ہوئی جسکی اُسکو مطلق توقع نہ تھی - وہ ہنٹ کے مکان مین اقامت گزین تھا، تو ایکدن ملازم کی غلطی سے فینی کا ایک محبت نامہ کیٹس کو دو دن بعد کھلا ہوا ملا - اس ناقابل عفو گستاخی پر وہ نہایت برافروختہ ہوا اور چاہتا تھا کہ اس مکان کو چھوڑ دے - فینی کو معلوم ہوا تو کیٹس کو اپنے گھر لے آئی اور اُسکی تیمارداری مین ہمہ تن مصروف ہوگئی - چنانچہ اس طریقہ سے اس حرمان نصیب کیٹس کو فینی کی کاکل مشکین سے مشام نوازی کا موقعہ حاصل ہوا اور اُس عنبر فشان چاردیواری مین سانس لینا نصیب ہوا جسکو پیاری فینی کے خرام ناز نے رشک ارم بنا رکھا تھا،

موسم بہار کی طرح یہ عیش و عشرت کا زمانہ بھی جلد ختم ہوگیا، اور ڈاکٹرون کے مشورے کے مطابق کیٹس کو اٹلی کے سفر کے واسطے طیار ہونا پڑا اسکو یقین تھا کہ براؤن اُسکا شریک سفر ہوگا لیکن اتفاقاً کیٹس کے خطوط براؤن کے پاس اُسوقت پہونچے جب وہ سیورن کے ہمراہ روانہ ہوچکا تھا،

ابتداً اس نوجوان شاعر کی صحت پر سمندر کی ہوا نے بہت خوشگوار اثر کیا، اُسکے چہرے پر سرخی آگئی، اُسکی بھوک بڑھنے لگی اور اُسکی افسردگی خوش طبعی سے مبدل ہوچلی - جنیوا مین ایک ہفتہ تک وہ نہایت تندرست اور بشاش رہا - اور سیورن کو یقین ہوچلا کہ اُسکا دوست جلد صحت کامل حاصل کرکے وطن کو واپس ہوگا لیکن موت گھات مین تھی اور موقع ڈھونڈھتی تھی کہ اسکو اسی زمین مین خاند کا پیوند بنا دون،

ایک ہفتہ بعد یہ مختصر سا قافلہ روم پہونچا اور ڈاکٹر کلارک کے گھر مین مقیم ہوا، ابتک کیٹس کی حالت بہت امید افزا تھی، اور وہ خود محسوس کر رہا تھا کہ اُسکے وجود مین ایک نمایان اور دل خوش کن تبدیلی پیدا ہو رہی ہے - لیکن اچانک بادِ صرصر کے ایک تیز جھونکے نے اسکی جھلملاتی ہوئی شعاع اُمید کو گل کر دیا، اور بستر علالت پر ایسا گرا کہ پھر اُٹھنے کی نوبت نہ آئی، مرض جانے تمام خوفناک اثرات کے موجود تھا اور کرب و بے چینی کی شدت سے اُسکی روح تحلیل ہو رہی تھی سیورن نے اپنے غریب الوطن دوست کی خدمت اور تیمارداری مین کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا -

"سیورن! ..... مین ..... مجھے اُٹھاؤ ..... مین مر رہا ہون

..... مین جلد اور آسانی سے مر جاؤن گا ..... خوفزدہ مت ہو .....

دل مضبوط کرو ..... اور خدا کا شکر ادا کرو کہ وقت آگیا،،

یہ تھے اُس آخری نغمے کے اجزا جو اس مرغ خوش الحان کی زبان سے نکلے اور جس کے بعد اسکی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی۔

دنیائے ادب کے لیے کیٹس کی موت ایک ناگوار سانحہ تھی۔ شیلی کے جذبات پر اس المناک واقعہ کا ایک خاص اثر پڑا اسنے اپنے دوست کی وفات پر ایک نہایت پُر درد مرثیہ لکھا جو انگریزی لٹریچر مین آج تک عدیم المثال شمار کیا جاتا ہے اور جسکو پڑھکر لوگ مسحور و بیخود ہو جاتے ہین۔ وہ سرد آہ بھر کر کہتا ہے۔

(۱)

"ایڈونس کا ماتم کرو، وہ مرچکا

رنجیدہ ماں! بیدار ہو، اُٹھو اور گریہ وزاری کرو،

لیکن کیون؟ آتشین آنسوؤن کو اُنکے جلتے ہوئے بسترون مین جذب کرلو،

اور اپنے نالہ وشیون کرنیوالے دل کو اُسکی طرح

ایک خاموش اور شکایت کرنے والی نیند مین مبتلا کردو،

کیونکہ وہ وہان جا چکا جہان سے عقل وحسن کی ریزش ہوتی ہے!

اسکا خواب وخیال بھی دل مین نہ لاؤ کہ محبت آفرین سمندر اُسکو پھر تر و تازہ ہوا کے سپرد کردے گا۔

موت اُسکی ہلاکت آواز سے غذا حاصل کرتی ہے، اور ہمارے یاس پر خندہ زن ہوتی ہے،

(۲)

تیرا بیٹا چھوٹا اور عزیز بچہ فنا ہوچکا،

جو تیری بیوگی کا آرام تھا!

جو ایک نہ رہ پھول کیطرح بڑھا، جسکو کسی جگین دوشیزہ نے پرورش کیا،

اور جسکی خاطر بجاے شبنم کے محبت کے آنسو تھے،

---

* اس مرثیہ کا عنوان ADONAIS ہے۔

اے موسیقی سے واقف ماتم دار! پھر نالہ و زاری شروع کر،
تیرا غنچہ اُمید جو نہایت حسین تھا اور آخری بھی
وہ غنچہ حیات جسکی تبیان شگفتہ ہونے سے قبل پریشان ہوگئین
اور پھول کے امید مین ہلاک ہوا، تباہ ہوگیا ——
پژمردہ گل نیلوفر پڑا ہے —— طوفان ختم ہو چکا —— !!!

ذاتی خصوصیات — لندن مین آنے سے قبل کیٹس ایک غیر معروف باغ کا پھول تھا جسکی عطر بانی سے پبلک کو مستفید ہونیکا کبھی موقعہ حاصل نہین ہوا، یہ محض خوش قسمتی تھی کہ وہی نونہال جسکو کامل غور و پرداخت بھی نصیب نہوئی اپنے آپکو ایسے حلقہ مین پاتا جہان اُس دور کے نامور علما و فضلا موجود تھے، اور جہان شب و روز ادب کے خدمت ہوتی تھی۔ بعض خوش عقیدہ احباب یہ بھی کہتے تھے کہ اُس کے خط و خال مین وہ چمک، دمک موجود تھی جو ہر فرد بشر کو اپنی جانب متوجہ کرلیتی تھی، کیٹس کا ایک دوست ہیڈن اسکے متعلق کہتا ہے کہ کسی کھیت مین پہونچکر کیٹس مین ایک غیر معمولی شان و شوکت پیدا ہو جاتی ہے، شہد کی مکھیون کی آواز دن خوبصورت پھولون کے نظارون اور آفتاب کی خوبصورت کرنون سے اسکے افسردہ جذبات مین ایک تازگی آجاتی ہے، آنکھون کی طرح رخسار بھی سرخ ہو جاتے ہین۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کی حسین اور معصوم دیوی اسکو عالم بالا مین لیے جا رہی ہے۔

کیٹس عورتون کی صحبت مین کبھی خوش نہ ہوتا تھا حالانکہ شاعری کو عورت سے خاص مناسبت ہے لیکن اسکو صنف لطیف سے نفرت بھی نہ تھی، وہ اپنی ماں کا ایک سچا خادم اور مستعد پرستار تھا، اُسنے اپنی اکلوتی بہن کو ہمیشہ محبت اور احترام کی نگاہون سے دیکھا۔ اُسنے اپنے بھائی کی بیوی کی ہمیشہ قدر و منزلت کی، وہ خود ایک نازنین کا فراد کے تیر نگاہ سے گھائل ہو چکا تھا اور تمام عمر آتش عشق مین مبتلا رہا، لی ہنٹ، براؤن، ہیڈن، کلارک یہ چارون کیٹس کے خاص دوست تھے اور اس محدود دائرہ اخلاص کی روح روان کیٹس تھا جسنے اپنی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے ہر فرد کو اپنا شیدا بنالیا تھا، کیٹس ایک غیر معمولی ذکاوت اور فراست لیکر دنیا مین آیا تھا اور اُسکے حکیمانہ نکات اور عالمانہ لطائف اگر شائع کیے جائین تو یقین ہے کہ ادبیات مین قابل قدر اضافہ ہو سکتا ہے۔

تماشائی

بھاشا اور اُسکے نورتن

(۲)

سُورداس

جس طرح تلسی داس کی شاعری نے ہر ایک ہندو دُن کو رام بھجن کی طرف مائل کردیا ہے اُسی طرح سورداس کی دلکش شاعری نے عوام کو سری کرشن جی کا گرویدہ بنا رکھا ہے، سورداس سری کرشن جی کے مخلص پرستار، اور اطاعت کیش، بندۂ محبت تھے، انکا کلام عاشقانہ جذبات کا مرقع اور واردات قلبی کا آئینہ ہے، مشہور ہے کہ شہنشاہ اکبر کو انکی بھجنین بہت پسند تھین اور وہ اکثر لوگون سے انھین کے کلام کی فرمایش کیا کرتا تھا، سورداس ۱۵۸۳ء مین دلی کے قریب سیہی[1] مین ایک غریب برہمن رام داس کے گھر مین پیدا ہوے، ابتدائی مین انکا نام سورچند تھا لیکن قسمت مین لکھا تھا کہ سور، سور ہوکر کور باطنون کے لیے شمع ہدایت ثابت ہو، چنانچہ یہی ہوا،

یہ سن شعور تک پہنچتے پہنچتے نابینا ہوگئے، یہ سری ولبھ سوامی کے مصنف اور مذہب ولبھاچاریہ کے پیرو تھے، سری کرشن جی کی بھگتی کو نامل زندگی سمجھتے تھے، اور ساری عمر آی سوز و گداز مین بسر کی، آخر کار ۱۶۵۶ء مین دنیا اور دنیا کے تعلقات سے منھ موڑکر اس عالم مین چلے گئے جہان زندگی موت کی کشمکش سے بے نیاز ہے،

سورداس کی بہترین یادگار سورساگر ہے، جسمین کہین اپنے بڑے اعمال پر اظہار افسوس ہے کہین حد کے تریانے ہین، اور کہین عاشقانہ رنگ مین تصوف کے دریا موجزن ہین، یقیناً بھاشا شاعری مین انکا وہی رتبہ ہے جو میر تقی کو اردو شاعری مین نصیب ہے۔ غالب نے میر کے متعلق لکھا ہے۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ　　آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

---

[1] بہت سی کتابون مین آپکی جاے پیدایش رنڈ ٹیلہ لکھی ہے لیکن ابھی یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے، مسٹر گریرسن نے اپنی رپورٹ مین سیہی کو ترجیح دی ہے، اور ہمارا خیال بھی اسی کی تائید کرتا ہے، مترجم

سورداس کے متعلق بھی کسی شاعر کا قول ہے، ؎

तत तत सूरा कही तुलसी कही अनूठ । ।।।
बची खुची कबीरा कही और कही सब झूठ।

تو تو سورا کہی تلسی کہی انوٹھ
بچی کھچی کبیرا کہی اور کہی سب جھوٹھ

یعنی شاعری کا جوہر سورے نے حاصل کیا۔ تلسی داس کے حصہ میں ندرت اور جدت طرازی آئی، جو کچھ ان دونوں سے بچ گیا تھا کبیر داس نے پایا۔ اور دنکی شاعری شاعری نہیں بلکہ جھوٹی بکواس ہے،

सूर सूर तुलसी शशी उडगन केशवदास।
अबके कवि खद्योत सम जहँ तहँ करहिं प्रकाश॥

سور سورہ تلسی ششی اوڈگن کیشو داس
ابکے گوی کھدوت سم جہ تہ کرہیں پرکاش

یعنی سورداس شاعری کے آفتاب اور تلسی داس ماہتاب اور کیشو داس ستارے ہیں ابکے زمانہ میں شاعر جگنو کی طرح ہیں جو کبھی کبھی چمک اٹھتے ہیں۔

سورداس کا شمار اشٹ چھاپ کے کویوں میں بھی ہے، لیکن یہ قیاس صحیح نہ ہوگا کہ اشٹ چھاپ میں شامل ہونے سے انکی وقعت بڑھگئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انکی شرکت سے اشٹ چھاپ میں چار چاند لگ گئے، برج بھاشا کی پہلی شان آپ چند بردائی کے مونہ کلام میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اب تقریباً ۴ سال کے بعد جس رنگ میں جلوہ گر ہے ملاحظہ فرمائیے کتنی دلفریب صورت اختیار کر چکی ہے،

वन्दौं श्रीहरिपद सुखदाई।
जाकी कृपा पंगु गिरि लंघै अंधे को सब कुछ दरसाई॥
बहिरो सुनै मूक पुनि बोलै रंक चलै सिर छत्र धराई॥
सूरदास प्रभु की यह जस गावत बार बार बलि जाई॥

بندوں شری ہری پد سکھ دائی
جاکی کرپا پنگ گر لنگھے اندھرے کو سب کچھ درشائی
بھرو سنے گونگ پونی بولے رنک چلے سر چھتر دھرائی
سورداس پربھو کی شرنا گت بار بار بلہاری جائی

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ خدا کے دو روپ ہیں، ایک نراکار (غیر مجسم) دوسرے ساکار (مجسم) اسیوجہ سے سری کرشن یا رام چندر جی کو خدا کا اوتار یا ساکار روپ میں ایشور مانتے ہیں۔ ساکار صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سورداس سری کرشن جی کے تصور میں فرماتے ہیں،

یعنی میں اُس خدا کے آرام دینے والے قدموں کی عبادت کرتا ہوں جسکی مہربانی سے لنج باوجود مجبوری پہاڑ کو

؎ اصل جوہر ۲ سورج ۳ چاند ۴ ستارے ۵ جگنو ۶ روشنی ۷ آٹھ کامیاب مستند اور نامی شاعروں کا گروہ ۸ لنج ۹ پہاڑ ۱۰ بھاری ۱۱ دکھائی دے ۱۲ بھی ۱۳ غریب ۱۴ بناوٹ ۱۵ سر چھ کانا۔

پھاند جائے اور اندھ کو تمام چیزین نظر آنے لگین، بہرا آدمی سننے لگے اور گونگا بولنے لگے غریب اپنے سر پر چتر شاہی لگا کر چلے اُسکے پناہ مین آنیکی بس یہی تدبیر ہے کہ بار بار عبادت مین اسکے آگے سر جھکایا جائے ترغیب عبادت کا اس سے بہتر اسلوب کیا ہو سکتا ہے کہ خدا کی ان طاقتون کا اظہار کیا جائے جسکی وجہ سے ناممکن بات ممکن ہو سکتی ہے کیونکہ انسان فطرتاً اوسی کے سامنے سر جھکانے مجبور ہوتا ہے، جسکی ذات سے اسکی امیدین وابستہ ہوتی ہین،

تقدیر کے متعلق اپنے عقیدہ کو یون ظاہر فرماتے ہین اور پھر کیسی کیسی زبردست مثالون سے اسے ثابت کرتے ہین،

करम गति टारि हु नाहिं टरे ॥

कहँ बिधु कहँ बिधि सिंधु मिलन संजोग परे ॥

کرم گت ٹار یہو نا ہین ٹرے

کہان وے راہو کہان وے رب ششی آن سنجوگ پرے

गुरु बसिष्ठ पारजित ज्ञानी रचि पचि लगन धरे ॥

पिता मरन अरु हरन सिया को बन मंह बिपति परे ॥

गरو بشٹ پنڈت اتی گیانی پچ پچ لگن دھرے

پتا مرن ارو ہرن سیا کو بن مین بپت پرے

भारत मंह दुइ डोल कुलंडा पंडा टूटि परे ॥

हरिश्चन्द्र से दानी राजा पनिया को पानी भरे ॥

तीनि लोक भावी के बस में सुर नर देह धरे ॥

सरस होनि सो होय है काहे को सोच करे ॥

بھارت مین بھر دو ڈول کو انڈا گھنٹا ٹوٹ پرے

ہرشچندر سے دانی راجا پنج کو پانی بھرے

تین لوک بھاوی کے بس مین سرز دیہہ دھرے

سو دا اس ہونی سو ہو گیے کا ہے کو سوچ کرے،

یعنی جو کچھ تقدیر مین لکھا ہوتا ہے وہ ٹالنے سے نہین ٹل سکتا دیکھو کہان راہو اور کہان چاند سورج دونون مین بڑا فرق ہے مگر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ راہو کے سبب سے چندر گرہن اور سورج گرہن پیدا ہو جاتا ہے بشٹ جی جو رام چندر جی کے اُستاد تھے اُن سے بڑھکر اور کون پنڈت ہو سکتا ہے اُنھون نے بہت سوچ بچار کر راج تلک کا وقت مقرر فرمایا مگر اسکا اثر دیکھو کہ باپ مرا، سیتا جی کو راون لے گیا اور بن بن کی کون قسم کی آفتین آئین، مہابھارت مین بھر دول (چڑیا) ایسی کمزور ہستی کے انڈے کو بچانے کے لیے ہاتھی کا گھنٹا (تیری قدرت سے) اسپر ٹوٹ پڑا اور ایسے معرکۂ عظیم مین اُس ضعیف اور کمزور چیز کو گزند نہ پہونچا

لہ ایک تارے کا نام ہے جسکی بابت ہندوؤن کا خیال ہے کہ جب یہ سورج یا چاند کو گرفت کرتا ہے تو چندر گرہن یا سورج گرہن لگتا ہے ۱۲ منہ

لہ چاند کے زیادہ سے زیادہ ۱۵ روز بچا کرتے ۱۲ منہ

لہ ایک چھوٹی چڑیا کا نام ہے مہابھارت مین ایک چھوٹی چڑیا کا نام بھی ہے جو بن رہتی ہے ۱۲ منہ

ہر شخص ایسا سخی بادشاہ قسمت کی تحریر کے بموجب ڈوم کے گھر بکا اور اسکا پانی بھرنا پڑا، تینون لوکون مین تقدیر کی حکومت ہے، آدمی تو آدمی دیوتا بھی قسمت سے مجبور ہین، سورداس کیون جان کھپاتے ہو ہوتیوالی بات ہوکر رہیگی،

سورداس کا ناصحانہ کلام بھی استقدر دلکش اور مدلل ہوتا ہے، کہ نصیحت کی تلخی پر طرز بیانکی شیرینی غالب آجاتی ہے، ایک جگہ بُری صحبت سے اجتناب، اور بُرے لوگون کی تلقین اور تعلیم کے متعلق فرماتے ہین،

तजो मन हरी विमुखन को संग ॥ بھجو من ہری بیکھی کو سنگ

जिनके संग कुबुधि उपजत है परत भजन मे भंग ॥ جنکے سنگ کبدھ اوپجت ہے پرت بھجن مین بھنگ

कहा होत पय पान कराये विष नहीं तजत भुजंग ॥ کہا ہوت پے پان کرائے بش نہین تجت بھجنگ

कागा हे कहा कपूर चुगाये स्वान न्हवाये गंग ॥ کاگ ہی کہا کپور چگائے سوان نہائے گنگ

सर को कहा अरगजा लेपन मरकट भूषन अंग ॥ کھر کو کہا ارگجا لیپن مرکٹ بھوشن انگ

गज को कहा न्हवाये सरिता बहुरि धरे वह धंग ॥ گج کو کہا نہائے سرتا پھر دھرے وہ دھنگ

पाहन पतित बान नहि बेधत रीतो करत निषंग ॥ پاہن پتت بان نہین بیدھت ریتو کرت نشنگ

सूरदास खल कारी कामरि चढत न दूजो रंग ॥ سورداس کھل کاری کامری چڑھت نہ دوجو رنگ

یعنی اے دل تو خدا سے انکار کرنے والون اور منافقون کا ساتھ چھوڑ دے، جنکے ساتھ رہکر بُری عقل پیدا ہوتی ہے (یعنی بُرے کام کی تحریک ہوتی ہے) اونکی صحبت خدا کی عبادت مین خلل انداز ہوتی ہے، اگر تیرا خیال یہ ہو کہ یہ تیری نصیحت سے راہ راست پر آجائینگے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ تجکو معلوم ہے کہ سانپ دودھ پلانے سے اپنی زہریلی خاصیت کو چھوڑ نہین سکتا، کوے کو کافور کا استعمال بیشمار کرایا جائے تو بھی وہ پاک نہین ہوسکتا، گدھے کو اگر خوشبودار اوبٹن ملین اور بندر کو گہنا پہنائین تو سوائے اسکے کہ گدھا پھر دھول مین لوٹکر خوشبودار اوبٹن کو خاک ملا دے، اور بندر گہنا نوچ توڑ کر زمین پر پھینکدے اور کچھ فائدہ نہین، ہاتھی کو تالاب مین نہلائین اور اُس سے صاف رہنے کی اُمید رکھین تو یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ وہ پھر اپنے جسم پر دھول پھینکیگا، پتھر پر تیر مطلق اثر نہین کرسکتا تو فضول ترکش کو خالی کرتا ہے سورداس کہتے ہین کہ بدطینت کالی کملی کی مانند ہین جسپر کوئی دوسرا رنگ نہین چڑھ سکتا ان کو بھگتی

لہ چھوڑ دینا ۔ سنگ ۔ دوستی ۔ سانپ ۔ کنا ۔ کاگ ۔ کوا ۔ گھاس ۔ خوشبودار اوبٹن ۔ بندر ۔ نہلانا ۔ تالاب ۔ پھر ۔ دھول ۔ بیکار ۔ پتھر ۔ تیر ۔ گرجانا ۔ ترکش ۔

اور عبادت کا وعظ سنانے سے کچھ فائدہ نہین ہو سکتا،

سعدی علیہ الرحمہ نے بھی گلستان مین، تربیت اہل کے متعلق اچھی اچھی مثالین تحریر کی ہین، ایک جگہ نہایت واضح اور دلکش انداز مین فرماتے ہین،

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود + چون بیاید ہنوز خر باشد
سگ بدریائے ہفتگانہ بشوی + چون کہ تر شد پلید تر باشد

فرماتے ہین اگر عیسیٰ علیہ السّلام کا گدھا مکہ مین جائے تو اسمین کوئی تقدس نہ پیدا ہوگا، بلکہ وہان سے آنیکے بعد بھی گدھا ہی رہیگا، اور اگر کتے کو سات دریاؤن غوطہ دین تو بھی وہ پاک نہین ہو سکتا بلکہ بھیگنے کے بعد اسکی نجاست بڑھ جائیگی،

ایک اور جگہ فرماتے ہین۔

با سیہ دل چہ سود گفتن پند
نرود میخ آہنی در سنگ

یعنی کور باطن کو نصیحت کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے، میخ آہنی پتھر مین نہین جا سکتی۔

ذوق مرحوم نے بھی اسی خیال کو اس شعر مین پیش کیا ہے۔

صحبت اہل صفا سے تیرہ دل کب صاف ہو ن
رنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب مین

یعنے پاک باطن کی صحبت سے تیرہ دل کو کچھ فیض نہین پہونچ سکتا بلکہ اسکی کور باطنی بڑھجاتی ہے

سورداس کا دل حقایق و معارف کا خزانہ تھا وہ قدرت کے کرشمون کا اظہار ایسے پیرائے مین کرتے تھے کہ سننے والونپر وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، فرماتے ہین،

अविगत गति जानी न परे — ادی گت گتی جانی نہ پڑے
मन बच अगम अगोचर कैसे — من بچ اگم اگوچر کیسی
बिन सूझै " — بدھ سیجرے "
मन बच अगम अगोचर कैसे — من بچ اگم اگوچر کیسی
अति प्रचण्ड पौरुष सो माता को हरि भूखमरे " — اتی پرچنڈ یوروش سو ماتا کیہر بھوک مرے

ف قدرت ف چال ف سمجھ ف بات ف لامحدود ف لامحدود ف خیر محسوس ف کس طرح ف معلوم کر سکے ف زیادہ ف بہت زیادہ ف طاقت ف مست ف شیر ۱۲

तजि उद्यम अकाश करि बैठे अजगर उदर भरे ॥
कबहुँक तृण बूडत पानी में कबहुँक शिला तरे ॥
बाँगर से सागर करि राखे छोड़ि न बिंदु भरे ॥
पाहन बिच कमल विकसाहीं जल में अगिन जरे ॥
राजा रंक करैं तें राजा ले शिर छत्र धरे ॥
सूर पतित तरि जाय छिन के में जो प्रभु टेक धरे ॥

یعنی خدا کی شان حواس ادراک سے باہر ہے کیونکہ وہ نہ عقل مین سما سکتا ہے نہ زبان سے بیان ہو سکتا ہے وہ لامحدود اور آنکھون سے پنہان ہے، عجیب اسکی قدرت ہے، مست اور طاقتور شیر بھوکون مر رہا ہے اور اسکے مقابلہ مین اجگر ایک جگہ پر بیٹھا رہتا ہے اور اپنے رازقہ کے لیے دوڑ دھوپ بھی نہین کرتا، مگر اسکی قدرت اسکے پیٹ بھرنے کا سامان بہم پہنچا دیتی ہے۔ کبھی تو تنکا باوجود ہلکے ہونے کے پانی مین ڈوب جاتا ہے اور کبھی پتھر باوجود گرانی پانی پر تیرتا ہے، زمین کے خشک حصہ مین کبھی پانی اس کثرت سے ہو جاتا ہے کہ سمندر موج مارنے لگتا ہے، کہین پتھر سے کنول کھلتا ہے، گویا پانی مین آگ روشن ہو جاتی ہے، راجہ فقیر ہو جاتا ہے اور فقیر چھتر شاہی لگا کر چلتا ہے، سورداس اگر اس سے التجا کرتا رہے، تو فوراً نجات ابدی حاصل ہو جائے اپنی نفس کی سرکشی کا ان لفظون مین اظہار کرتے ہین،

मेरा मन मत हीन गुसाईं ॥
सब सुख निधि पद कमल छाँड़ि भ्रम कत
फिरत वृथा भाजन भव लोकत सूने सदन
तिहि त्याग कब हूँ कैसे हूँ तृषा न पावत प्रानी
जहँ तहँ जात तहीं भव बासत प्रासि लकर
कोध कोह जासन कुबुद्धि जनकित सहत प्रभामी

میرا من مت ہین گوسائین
سب سکھ نِدھ پد کمل چھانڑ ترم کرت سوکھ کی نائین
پھرت پرت بھا جین اولوکت سونے سدن اگیان
تیمی للچ کبھو کیسے ہوت تپت نہ پاوت پران
جنھ جنھ جات تھین ہے تراست آسی لگت پد تران
گورکھ دان کو بدھ جڑ کتے سہت اپان

لے چھوڑ کر ۲ کام کوشش ۳ اوپر سے آئی ہوئی خوراک ۴ پیٹ ۵ تنکا ۶ بھری چٹان ۷ چاروں طرف ۸ بوند ۹ ناسمجھ ۱۰ خزانہ ۱۱ محنت ۱۲ کے ۱۳ فضول ۱۴ برتن ۱۵ دیکھتا ہے ۱۶ گھر ۱۷ ناسمجھ ۱۸ مطمئن ۱۹ ڈرتا ہے ۲۰ لاٹھی ۲۱ جوتا ۲۲ بے

तुममर्व ज्ञसकलविधि पूरन अखिलभुवन निजनाथ ॥
तिन्हैं छाँड़ि यहसूर महासठ अमतममनिके साथ ॥

تم سروگیہ[1] سکل بدھ پورن اکھل[2] بھون نج ناتھ
تنھی چھانڑ یہ سور مہا سٹھ بھرمت[3] بھرمی کے ساتھ

مطلب یہ ہے کہ اے خدا میرا دل بالکل ہی ناسمجھ ہے کیونکہ تیرا کنول ایسا نازک پاؤن جو تمام آرام کا خزانہ ہے اسکو چھوڑ کر فضول ادھر ادھر محنت کرتا پھرتا ہے یہ مثل کتے کی ہے جو سونے مکانات مین تمام برتنون کو فضول دیکھتا پھرتا ہے ان لالچون مین پڑکر ہماری بُری روح کس طرح اطمینان کُلی حاصل کرسکتی ہے جہان جہان جاتی ہے جوتے اور ڈنڈے کے خوف سے ڈرا کرتی ہے محض ایک ایک نوالہ کے سبب کتنی بے عزتی سہتی پھرتی ہے تم (اے خدا) تمام باتون کے جاننے والے اور تمام دنیا کے مالک ہو، سور داس تمکو چھوڑکر دنیا کے جنجال مین الجھا ہوا مارا مارا پھرتا ہے،

کتنی پرحقیقت شاعری ہے روح کو اطمینان کُلی جب ہی نصیب ہوسکتا ہے جب خدا کی محبت مین اپنے کو فنا کردے جب تک اُسپر تعینات کے پردے پڑے ہین، روح آلایشون سے پاک نہین ہوسکتی، پھر فرماتے ہین -

होमन राम नामके गाहक ॥
चौरासी लख जियायोनि में मट कत फिरत अनाहक ॥
भक्ति हाट बैठ तू थिरहै हरिनाम निर्मल लेहि ॥
काम क्रोध मद लोभ मोह तुस कलदल दे हि ॥
करि हिया व सो सौज लावि यह हरिके पुर लेजा हि ॥
घाट बाट कहुँ अटक होइ तहिं सबको देइ जवाहि ॥
और बनिज में नाहीं लाहा होत मूल में हानि ॥
सूरस्वामिको सौदा साँचो करो हमारो मानि ॥

ہومن رام نام کو گاہک
چوراسی لکھ جیا جون مین بھٹکت پھرت اناہک[4]
بھکت ہاٹ بیٹھ تو تھر ہوئے ہری نام نرمل لے
کام[5] کرودھ[6] مد لوبھ[7] موہ[8] تو سکل دلالی دے
کری ہیا[9] و سو سوج[10] لاوہ ہری کے پُرے جاہے[11]
گھاٹ باٹ کہون اٹک ہوئی نہین سب کو دیہ جانے[12]
اور بنج[13] مین ناہین لاہا[14] ہوت مول مین ہان[15]
سورسوامی کو سودا سانچو کرو ہمارو مان

مطلب یہ ہے کہ اے دل تو خدا کی یاد کا سودا نول لے کیون فضول ماسوائے اللہ کے جال مین پھنسا ہوا بھٹکتا پھرتا ہے، سُن عابدون کی بازار مین اطمینان سے بیٹھ اور خدا کے صاف اور روشن

---

[1] تم سب کے جاننے والے [2] تمام [3] گھومتا ہے [4] فضول [5] مطمئن [6] خواہشات نفسانی
[7] غصہ [8] فریب [9] لالچ [10] محبت [11] سہت [12] سوداگری [13] فائدہ [14] نقصان -

گینے کو خرید خواہشات نفسانی۔ غصہ۔ گھمنڈ اور دنیاوی محبت کو دلالی مین دے ڈال اور ہمت کرکے اس سودے کو خرید کر خدا کی درگاہ مین لیجا اُس راستہ مین کوئی رکاوٹ اور اٹک نہین ہے سوائے اس سودے کے کسی مین فائدہ نہین ہے بلکہ اور اصل رقم مین بھی گھاٹا آتا ہے، سورداس خدا کا سودا بالکل سچا ہے ہمارا کہنا مان لے۔

سورداس نے عاشقانہ رنگ مین بھی خیال آرائی کی ہے، جذبات بالکل صاف ہین، نہ مبالغہ کی بھرمار ہے نہ دوراز قیاس باتین، سادے سادے لفظ نگین ایسے جادو بھرے ہین کہ دل بے چین ہوجاتا ہے، لیکن اس قسم کی شاعری مین بھی انکا رُوے سخن سری کرشن کی طرف ہے، فرماتے ہین،

اودھو یہ ابھلاش رہی
ऊधो यह अभिलाष रही ॥

شیام سندر کے آون کی کبھون نہ بات کہی
श्याम सुन्दर के आवन की कबहूँ न बात कही

کرت چیاؤ[1] سکل نرناری بھلی پریت نبھی
करत चयाव सकल नर-नारि भली प्रीत निबही

ایسو کین چہے من موہن کاہے کو ابنہ گہی ॥
ऐसो कौन्ह चहे मन मोहन कोहे को बाँह गही ॥

ماکھن، چاکھن ہارنت ڈھونڈھت پھرت مہی[2]
माखन चाखन हार नित ढूँढत फिरत मही ॥

سورا مولی بکے بن دام یہ من سوچ رہی
सूरा मोल बिके बिन दाम यह मन सोच रही ॥

اودھو کو رازدار سمجھکر کہتے ہین کہ میرے دلمین خواہش ہی رہگئی کسی نے میرے معشوق کے آنے کی خبر کبھی نہین کہی تمام عورت اور مرد بے اعتنائی اور میری مجبوری کا چرچا کرتے ہین کہ ایسی صورت مین محبت نبھ چکی معشوق کو مخاطب کرکے کہتے ہین کیا ایسا کرنا چاہیئے تھا اگر یہی منظور تھا تو پھر کس لیے اقرار وفا کیا تھا، نباہ کا وعدہ کیون بھول گئے، سوت سے چونکہ فطرتاً دشمنی رہتی ہے اسلیے اسکے پاس رہنے پر طنزاً کہہ رہے ہین کہ ہمیشہ مکھن کے کھانے والے ادھر ادھر چھچھ[3] ڈھونڈھتے پھرتے ہین،

اب یہ سوچ ہے کہ سورداس کا دل باوجود انمول ہونے کے (بازار عشق مین) مفت مین بک گیا، عشق کی نیازمندیون کی داستان سنیئے، فرماتے ہین،

مائی مین تو دان کا جردی ہون
माई मैं तो दान काजर दई हौं ॥

---

[1] خواہش [2] چرچا [3] چھاچھ

जा दिन श्याम सुन्दर के नैनन आपने नैन मिलइहौं
सुनरी सखी यह प्रन हमेरो दुजे नोर न चित तइहौं
सूरदास दरशन के कारन कानी चाट मरजइहौं ॥

جا دن شیام سندر کے نینن آپنے نین ملیہون
سن رے سکھی یہی پرن ہے میری دوجے نہ اور چتیہون
سورداس درشن کے کارن کنی چاٹ مرجیہون ۔

مین اپنی آنکھون مین کاجل اُسدن دونگی جبدن اپنے معشوق کی آنکھونسے اپنی آنکھین ملاؤنگی اے سکھی میرا یہی قول ہے کہ مین سوا اپنے معشوق کے کسی اور کو نہین دیکھونگی، سورداس کہتے ہین دیدار کی تمنا مین ایکدن کنی چاٹکر مرجاؤنگی، شب غم کی تصویر اور جذبات مین تشبیہ کا رنگ ملاحظہ فرمائیے ۔

पिया बिन नागिन कारी रात ॥
कबहुँ जामिनी होत जोन्ह्या सस उलटो होत जात ॥
जंतर फुरत मंत्र नहिं लागत गात सुरत्यो जात ॥
सूरदास बिरहिन यम व्याकुल मुरि मुरि लहरें खात ॥

پیا بن ناگن کاری رات
کبھون جامنی ہوت جوتھیا ڈس اُلٹی ہوجات
جنتر پھرت منتر نہین لاگت گات سُکھا نوجات
سورداس برہن آس بیاکل مُری مُری لہرین کھات

معشوق کی جدائی مین اندھیری رات کالی ناگن کی طرح ہے شاردن بھری رات کی وہی کیفیت ہے کہ جس طرح ناگن کاٹ کر الٹ جائے اور اسکے نیچے کا حصہ سفید دکھائی دے، آہ اس محبت کی ناگن کے کاٹے ہوئے کا منتر ہے نہ جنتر ہیرا جسم سوکھا جارہا ہے، فرقت نصیب سورداس اسطرح وقف اضطراب ہے گویا ناگن نے ڈس لیا ہو اور پیچ وتاب کیساتھ لہرین کھاتا ہو،

مرحوم نے بھی کیا خوب فرمایا ہے ۔

سانپ بنکر صدمۂ فرقت نے کاٹا ہے مجھے آرہی ہین کیسی کیسی لہرین دریا کی طرح

واقعہ ہے کہ سورداس کا کلام بھاشا شاعری کا زیور اور ہندی زبان کا سرمایۂ افتخار ہے، تاصحانہ اور عارفانہ، انداز بیان کے علاوہ، عشق کے سوز وگداز کی ایسی دلکش تصویرین انکے کلام مین موجود ہین، جو اہل نظر کے لیے حاصل نظارہ ہین ۔

منظور الحق کلیم اعظم گڈھی

لہ قول ہے اندھیری رات ہے شاردن بھری اوجالی رات

جواہرات عالم

(۵) پٹ ڈائمنڈ[1]

قدرت کے خزانے مین بامرہ نواز جواہرات کی کمی نہین لیکن آجتک جتنے بیش بہا پتھر تماشاگاہ عالم مین جلوہ گر ہوئے ہین ان سب مین پٹ ڈائمنڈ کی داستان حیرت خیز و پُر اسرار ہے۔ یہ بڑا اور چمکدار ہیرا کبوتر کے انڈے کے برابر ہے اور اسکا وزن ۱۳۶۷۲ قیراط ہے۔ یہ ممتاز ہیرا ۱۶۵۰ء مین گولکنڈہ کے مشہور ہیرے کی کان سے ۴۵ کوس کے فاصلہ پر ایک غریب قلی کو ملا تھا۔ غریب قلی نے اسے ایک بیش بہا اور نفیس پتھر سمجھکر احتیاطاً اپنے پیر کے زخم مین باندھ لیا تاکہ چشم بد سے محفوظ رہ سکے غرض اس طرح بحفاظت تمام وہ اس ہیرے کو لیکر مدراس پہونچا اور وہان ساحل پر ایک سرائے مین ٹھہر گیا تقدیر نے مخالفت کی اور وہان اُسنے اپنے ہم جلیسون مین فخریہ طور پر اس ہیرے کا ذکر کر دیا رفتہ رفتہ یہ خبر بائے بندرگاہ مین پھیل گئی۔

ایک دن ایک انگریزی جہاز کا کپتان اسے پھسلا کر اپنے جہاز مین لیگیا اور اُس سے یہ بیش بہا ہیرا زبردستی چھین لیا۔ یہی نہین بلکہ اُس غریب کو سمندر مین غرق کر دیا۔ گویا اس غریب قلی کی موت اس ہیرے کی خونی داستان کا پہلا باب ہے۔

ہوس پرست کپتان نے اس ہیرے کو ایک پارسی جوہری جام چند کے ہاتھ صرف ایکہزار پاونڈ (پندرہ ہزار روپیہ) کو فروخت کر دیا اور اس غیر متوقع رقم کو جو اسکی اصلی قیمت سے بدرجہا کم تھی تائید غیبی سمجھنے لگا۔ لیکن یہ مال مفت جسمین خون کی بو تھی کپتان کو راس نہ آیا اسنے اس روپیہ کو بہت جلد شراب خواری قمار بازی اور بُرے کامون مین اوڑا دیا اور بہت جلد مفلس و قلاش بنگیا تنگدستی سے زیادہ تکلیف دہ بات ضمیر کی ملامت تھی جو ہر وقت نفرین کرتا رہتا تھا انجام کار اسنے ہیرے کے حاصل

---

[1] اسی سلسلہ کے اول چار مضامین زمانہ بابت اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر۔ جنوری ۱۹۲۳ء مین شایع ہو چکے ہین۔

کرنے کے چند ہی ہفتے کے بعد خودکشی کر لی MRL THOMAS PITT

رفتہ رفتہ اس ہیرے کی شہرت گورنر مدراس مسٹر تھامس پٹ کے کانون تک پہونچی اور اُسنے ستاسی ہزار روپیہ کو خرید لیا اور پانچہزار پونڈ صرف کرکے اسکو ترشوایا تراش مین جو ریزے نکلے اُنکی قیمت ساڑھے تین ہزار پونڈ تھی۔ گورنر پٹ اسکو اپنے ہمراہ انگلستان لے گیا مگر اسکے پہونچنے سے پیشتر ہی اس پتھر کی شہرت انگلستان مین پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ ایک فصیح بیان شاعر پوپ نے اپنی نظم (Sir Balaam) مین اس ہیرے کا ذکر کیا ہے اور گورنر پٹ کا خوب خوب مضحکہ اڑایا ہے۔

جبتک یہ ہیرا پٹ کے پاس رہا وہ سخت کشمکش مین مبتلا رہا۔ اسکو ہر وقت یہ خیال رہتا کہ مبادا کوئی اسے چرا نہ لے۔ اسی لیے وہ اس ہیرے کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتا۔

۱۷۱۲ء مین WAFFEN BACK نے جو جرمن سفارت کا رکن تھا) اسکے دیکھنے کی بہت کوشش کی مگر ہیرا دکھانا تو کجا پٹ نے اُسے ملاقات کرنے تک کا موقع نہ دیا۔

پٹ کے شک کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے کسی دوست کو بھی اپنے مکان کا پتہ نہ بتاتا۔ اور ہمیشہ اپنا مکان تبدیل کرتا رہتا۔ مبادا لہ مکان بھی رات کو اور بہت رازداری کے ساتھ کرتا کہ چوروں کو اسکا پتہ نہ ملے

غرض وہ ہر شخص کو شک کی نگاہون سے دیکھتا اور ہر وقت خائف رہتا کہ کہین دغا سے کوئی عیار اس انمول ہیرے کو اُڑا نہ لیجائے۔ آخر وہ اس بیجا پابندیون سے تنگ آگیا اور یہ رائے قائم کرلی کہ ایسا بے بہا ہیرا معمولی شخص کے لائق نہین۔ چنانچہ اسنے انگلستان کے دربار مین خرید کیلئے سلسلہ جنبانی کی لیکن جب وہان ناکامی کے آثار نظر آئے تو REGENT D' ORLEANS والی فرانس سے اُسکے خزانچی لو (LOW) کی معرفت فروخت کی بات چیت کی لیکن شاہ فرانس بغیر دیکھے ہوئے کوئی رائے ظاہر نہ کرسکتا تھا۔ اور پٹ کی یہ حالت تھی کہ وہ ہیرا دکھانا تو درکنار دربار مین خود جانا بھی مصلحت سے دور سمجھتا تھا۔ آخر کار ایک نقلی نمونہ اسکی شکل کا تیار کیا گیا۔ جسکو دیکھکر D'ORLEANS نے ایک لاکھ پینتیس ہزار پونڈ (تینتیس لاکھ پچیس ہزار روپیہ) قیمت تجویز کی۔ یہ قیمت کم تھی مگر پٹ کے لیے یہ رقم بہت زیادہ تھی۔

اسکی قیمت کم از کم چار لاکھ اسی ہزار پونڈ تھی لیکن ایک قلیل رقم کے بدلے یہ ہیرا پٹ کے ہاتھون سے نکلکر فرانس کے شاہی محل مین داخل ہوگیا۔ اسکے جدا ہونے کے بعد پٹ کے مصائب کا خاتمہ ہوگیا۔ اور ایک حد تک اسکو سکون نصیب ہوا اسنے اس روپیون کو مفید کامون مین لگایا اور رفتہ رفتہ ارل چیتھم Chatham اور اُسکے خاندان کے مستحکم بنیاد اسی ہیرے کی بدولت دنیا مین قایم ہوگئی۔

یہ ہیرا شاہانِ فرانس کے لباس کا ایک زینت بخش جزو سمجھا جاتا تھا سنٹ سمن ST. SIMON نے اپنے تذکرات مین اسکا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ پسند ہیرا مقبول عام بھی تھا۔ ریجنٹ REGENT کے بعد لوئی پانزدہم LOUIS XE MARIE ANT OINETTE اور لوئی شانزدہم LOUIS XVII نے اسکو بہت قدر کی لیکن ANTOINETTE ... اسکو وزنی ہونے کیوجہ سے ناپسند کرتی تھی۔ ملکہ ہوپ کو HOPE DIAMOND اسپر ترجیح دیتی تھی۔ تاہم خاص شاہی جلوس مین یہی ممتاز سمجھا جاتا تھا۔

آخر وہ بار کی گھڑی آگئی اور ۱۷۹۲ء مین یہ ہیرا انقلاب فرانس کی شورشون کی نذر ہوگیا اور ساتھ ساتھ وہ قیمتی اشیا بھی برباد ہوگئین جو محل GARDEMEUBLE مین بڑی حفاظت سے رکھی تھین۔ شہر مین لوٹ مار کا ہنگامہ تو گرم تھا ہی رات کے وقت یہ محل بھی لٹ گیا اور وہ تمام سامان اور خزانہ غارت ہوگیا جو اس محل مین محفوظ تھا۔ دوسرے دن بڑا شور و شر ہوا اور وزیر ROLAND نے اعلان کیا کہ شاہی محل مین چوری ہوگئی۔ اس خبر سے وزارت اور اسمبلی کو ایک صدمۂ عظیم پہونچا کیونکہ اسی خزانے پر وہ تکیہ کئے بیٹھے تھے۔ اس چوری کے انکشاف کے لیے بہت کوشش ہوئی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا دو شخص گرفتار بھی ہوے جنپر اس چوری کی شرکت کا شبہ تھا مگر اس ہیرے کا پتہ نہ چلا۔ عرصہ تک اس چوری کے متعلق طرح طرح کی افواہین مشہور ہوتی رہین۔ بعضون کا خیال تھا کہ شاہی خاندان والون کی جمہوریت پسندون سے جنگ کے لیے اس خزانے کو اڑا لیا ہے۔ اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ جمہوریت پسندون کی جماعت نے یہ چوری کی ہے۔

بڑی کوششون کے بعد اس گم شدہ خزانے کے دو ہیرے برآمد ہوے۔ جن مین ایک

یہی ہیرا پٹ تھا۔

غالباً انکی برآمدگی کی وجہ صرف یہ تھی کہ نہ تو یہ کسی بازار مین فروخت ہو سکتے تھے اور نہ پوشیدہ رہ سکتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک گمنام مراسلہ سے اِن دو ہیروں کا پتہ چلا اور بعض یہ کہتے ہین کہ ایک جج کی کوششون سے فرانس کو یہ جواہرات دوبارہ ملے کہا جاتا ہے کہ نپولین نے بھی پٹ کی طرح اس ہیرے کی بدولت ایک کثیر رقم وصول کی۔

اپریل ۱۷۹۶ء مین جب جمہوری سلطنت کو روپیہ کی بہت ضرورت تھی تو اس ہیرے کو جرمن ساہوکارون سے ایک کثیر رقم قرض لینے کے لیے جرمن بھیجنا پڑا اور وہان وہ عرصہ تک گرو رہا

ایکبار پھر یہ فرانس مین نپولین کے پاس لوٹا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر ڈچ DUTCH گورنمنٹ کے پاس گرو ہوگیا۔

جب نپولین نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ مین لی تو اُسنے اس ہیرے کو والیس لیکر اپنی تاجپوشی کیوقت پہنا۔ اور اپنی تلوار کے دستہ مین اسکو جڑوالیا۔ اس کے وارث لوی نپولین Louis Napoleon کو اسکے پہننے کی حسرت ہی رہ گئی۔ کیونکہ وہ جنگِ فرانس مین شاہانِ جرمنی کے پاس پہونچ چکا تھا۔ اور شاید اب بھی وہین ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ خاندان بھی زوال سے نہ بچ سکا۔

رام سرن نگم



قحط الرجال

ہندو مسلم اتحاد کے متعلق اسوقت مسلمان اکابر قوم نے باوجود پیہم اشتعال کے جو روش حسنہ اختیار کی ہے اور جس تدبر اور متانت اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ اسپر ہندوؤں کو شرمندہ ہونا چاہیئے۔ ابتک انھیں یہ دعوے تھا کہ سوراجیہ کے لیے ہم جتنی قربانیاں کرسکتے ہیں اتنی مسلم فرقہ نہیں کرتا۔ وہ ہندوستان میں رہکر، ہندوستان کا دانہ پانی کھاکر، عرب اور عجم کے خواب دیکھا کرتا ہے، اسے سوراجیہ کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی ہیں اسلام کی۔ ایکبار جب مولانا شوکت علی نے کسی خلافت کے جلسے میں کہا تھا کہ اگر مسلمان کو کسی قومی ظلم کے لیے ایکروپیہ دینا منظور ہو تو وہ ۴ر خلافت کو دے اور ۲ر کانگریس کو۔ اس قول کو ہندو اخبارات نے بیحد اہمیت دی اور اُسے اپنے مطلب کے تائید میں پیش کیا۔

یہ قول تو اسکا مقتضی تھا کہ ہندو اصحاب اپنے دل میں نادم ہوتے کہ ایک مسلمان کو جو اپنا سب کچھ ماورہند کے نذر کرچکا ہو یہ تخصیص کرنے کی ضرورت وہ پیش آئی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر ہندوؤں نے مسئلہ خلافت کو مہاتما گاندھی کی وسعت نگاہ سے دیکھا ہوتا تو مولانا موصوف کو یہ تحریک کرنیکا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں نے کبھی خلافت کی اہمیت ہی نہیں سمجھی اور نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ بلکہ اسکو اشتباہ کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ مگر اب جسے انصاف کی نگاہ عطا ہوئی ہو چاہے تو دیکھ سکتا ہے کہ وہی شخص ہندو مسلم اتحاد کو جو بالفاظ دیگر سوراجیہ ہے کتنا اہم سمجھتا ہے اور اسکے لیے کتنی عظیم الشان قربانیاں کرنے پر آمادہ ہے ہندو قوم کبھی اپنی سیاسی بیدارمغزی کے لیے مشہور نہیں رہی اور اس موقع پر تو اُسنے جتنی تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے اس سے مجبوراً یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس قوم کا سیاسی دیوالہ ہوگیا، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ساری ہندو قوم من حیث المجموع محض چند شوریدہ سر نام نہاد مجاہدان وطن کی تحریک پر یوں از خود رفتہ ہوجاتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہندوؤں میں ایک بھی کچلو، محمد علی یا شوکت علی ہوتا تو ہندو سنگھٹن اور شدھی کی اتنی گرم بازاری

نہوتی اور اُن ہنگامون مین قابل محسوس کمی ہوجاتی جو ان تعصبات کے زیر اثر ہین، مگر افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گانگریس نے بھی مجموعی طور پر ان تحریکات سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود انفرادی حیثیت سے اسکی شمولیت مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ آتا ہی نہین، ایک بھی ذمہ دار کانگریس کے سربرآوردہ شخص نے بالاعلان ان تحریکات کے خلاف آواز بلند کرنے کی جُرأت نہ کی۔ پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو، لالہ بھگوانداس، لالہ سری پرکاش ان آدمیون مین ہین جنسے زیادہ اخلاقی جرأت سے کام لینے کی توقع کیجاسکتی تھی۔ مگر ان سبھی اصحاب نے ایک روز اپنے اختلاف اور بدگمانی کا اظہار کرکے دوسرے روز اس کی تردید کی، اور بہ بانگ دہل کہا کہ شدھی اور سنگھٹن کے متعلق ہم نے جو خیال ظاہر کیا تھا وہ غلط فہمیون پر مبنی تھا جب ایسے ایسے لوگ دباؤ مین آجائین تو پھر انصاف کی امید کس سے کی جائے! اگر مولانا محمد علی اور شوکت علی کی طرح ان اصحاب نے بھی اپنے قوم کو ان تحریکات کے مضر اور مہلک نتائج سے باخبر کیا ہوا اور اسکے خلاف باقاعدہ منضبط کوشش کرتے تو یقیناً آج ہندو مسلم تعلقات اتنے کشیدہ نہوتے۔ مگر جو سیاسی دور اندیشی صدیون سے پامال ہوچکی ہو اس سے اور کیا ہوسکتا ہے۔ ایک عصمت نے سارے یوروپ کو انگشت بدندان کردیا، ہندوؤن مین ایسے نفوس پیدا کرنیکے لیے ابھی صدیان درکار ہین۔ آج کون ہندو ہے جو ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر ہمہ تن مصروف ہو، جو اسے ہندوستان کا اہم ترین مسئلہ سمجھتا ہو، جو سوراجیہ کے لیے اتحاد کو بنیادی شرط سمجھتا ہو۔ یہ درد قوم، یہ خلش، یہ سوز، آج ہندوؤن مین معدوم ہے۔ دس پانچہزار ملکانون کو شدھ کرکے لوگ جامہ مین پھولے نہین سماتے۔ گویا منزل مقصود پر پہونچ گئے۔ اب سوراج حاصل ہوگیا۔ ہمین یاد نہین آتا کہ آجتک کسی ہندو نے ان پاکیزہ، رفیع الہامی جذبات کا اظہار کیا ہو جو اس رام لکھن کی جوڑی نے جیل سے نکلتے ہی رو رو کر، با چشم تر، ایک فغان درد کی طرح ظاہر کئے ہین۔ یہ ہے وہ قومی احساس جو قومون کے بیڑے پار کرتا ہے، انکی کشتی کنارے پر لگاتا ہے۔ یہ قومی رودلی اور تخیل کا اعجاز ہے۔ ہمارے پاس وہ الفاظ نہین ہین جو اس استحسان اور گرانباری کا اظہار کرسکین، جو ہر ایک قوم پرست ہندو کے دلمین ان محترم ہستیون کی توصیف مین ترنم سرا ہے۔

ہمکو یہ تسلیم کرنے مین کوئی تامل نہین ہے کہ ان دونون فرقون مین کشمکش اور بدگمانی اور مناخرت کی ابتدا تاریخی ہے۔ مسلمان فاتح تھے۔ ہندو مفتوح۔ مسلمانون کیطرف سے ہندوؤن پر اکثر زیادتیان ہوئین اور اگرچہ ہندوؤن نے موقع ہاتھ آجانے پر انکا جواب دینے مین دریغ نہین کیا، لیکن فی الجملہ مسلمان

فرمانروا ؤن نے سخت ترین مظالم کیے۔ ہم یہ بھی مانتے ہین کہ موجودہ حالات مین اذان اور قربانی کے موقعون پر مسلمانون کیطرف سے زیادتیان ہوتی ہین اور ہنگامون مین بھی مسلمان ہی اکثر غالب آتے ہین، بیشتر مسلم طبقہ اب بھی جذم سلطان بود کے نعرے لگاتا ہے اور ہندوؤن پر غالب اور حاوی رہنے کی کوشش کرتا رہتا ہے تبلیغ کے معاملہ مین زیادتی مسلمانون نے کی اور ہندوؤن کی روز افزون تقلیل کے باعث کسی حد تک وہی ہین مگران سارے وجوہ اور دلائل اور واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس امر کے مدعی ہین کہ ہندوؤن کو اس سے کہین زیادہ سیاسی تحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ تاریخی عداوت سخت جان ہوتی ہے لیکن غیر فانی نہین تاریخ عالم مین اسکی مثالین معدوم نہین ہین اور اگر معدوم بھی ہون تو کوئی وجہ نہین کہ ہم اُسے حرز جان بنائے رہین ہندوؤن کے تیوہارون اور جلوسون کے موقعون پر اکثر مسلمانونکی طرف سے یہ تقاضا ہوتا ہے کہ مسجدون کے سامنے نماز کے وقت باجے اور شادیانے نہ بجائے جائین یہ بہت ہی فطری تقاضا ہے۔ شور وغل سے عبادت مین خلل پڑنا لازمی ہے اور اگر مسلمان اس شور وغل کو بند کرنے پر اصرار کرتے ہین تو ہندوؤنکو لازم ہے کہ وہ اُنکی دیجوئی کرین۔ یہ تو ہندوؤن کو بغیر اصرار کیئے محض معبود کے احترام سے فرض ہے۔ نہ کہ جب کوئی انھین اُنکا فرض یاد دلائے تو اس سے آمادہ پرخاش ہون۔ ہندو کہین گے کہ ہمارے مندرون کے سامنے سے مسلمانون کے جلوس بھی باجے بجاتے نہ نکلین۔ بادی النظر مین تو یہ ترین انصاف معلوم ہوتا ہے لیکن اسکا عملی اثر یہ ہونا ممکن ہے کہ شہرون مین باجے مکمل بند کردیے جائین۔ کیونکہ مندرون کے تعداد اتنی زیادہ ہے کہ بعض بعض شہرون مین تو ہر ایک گھر کے بعد مندر نظر آتا ہے۔ پھر ہندوؤن کی سندھیا ہون تو سکوت مین ہوتی ہے لیکن دیوتاؤن کی پوجا اکثر گھنٹہ اور گھڑیال کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ تو جب وہ خود عبادت کیلئے سکوت ضروری نہین سمجھتے تو کس منھ سے مسلمانون سے سکوت کے طالب ہو سکتے ہین۔ تاہم ہم یہ کہدینا مناسب سمجھتے ہین کہ جب عبادت ایک ہی پرماتما کی ہے، اور محض اسکی ظاہری صورت مین تفرقہ ہے تو ہندو لوگ کیون اس بات کے منتظر رہین کہ جب مسلمان ہمارے مذہب کی تعظیم کرین گے تو ہم بھی اُنکے مذہب کی تعظیم کرین گے۔ اگر مذہب کی تعظیم کرنا اچھا ہے تو ہر حالت مین اچھا ہے اسکے لیے کسی شرط کی ضرورت نہین۔ اچھا کام کرنیوالے کو سب اچھا کہتے ہین دنیاوی۔ معاملات مین دبنے سے آبرو مین بٹہ لگتا ہے دین کے معاملات مین دبنے سے نہین۔ ہم یہ قیاس نہین کرسکتے کہ کسی کے دین کا احترام کرین اور وہ ہمارے دین کی مذمت کرے۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی سہی ہین مسلمانون کا ذمہ دار طبقہ عام طور پر باجون کو مساجد کے سامنے بند ہوتے دیکھنا گوارا نہین کریگا۔

اور تفاخر کے انداز سے کہیگا دیکھ لیا! ڈوب گئے! تو اتنا سُن لینے مین کیا زحمت ہے۔ بقینًا مسلم لیڈران اس حالت کو زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہنے دینگے۔ یہ کسی مذہب کیلئے باعث افتخار نہین ہو کہ وہ دوسرون کے مذہبی احساسات کو صدمہ پونچائے۔ گاؤکشی کے معاملہ مین ہندوؤن نے شروع سے ابتک ایک انصفانہ روش اختیار کی ہے۔ ہمکو اختیار ہے جس جانور کو چاہین متبرک سمجھین۔ لیکن یہ امید رکھنا کہ دوسرے مذہب کے پیرو بھی اُسے متبرک سمجھین، خواہ مخواہ دوسرون سے ٹکرانا ہے۔ گائے ساری دنیا کی خورش ہے اسکے لیے کیا آپ ساری دنیا کو، گردن زدنی سمجھینگے۔ یہ کسی خونخوار مذہب کے لیے بھی باعث وقار نہین ہوسکتا کہ وہ ساری دنیا سے دشمنی کرنا سکھائے، مگر ہندوؤن جیسے فلسفیانہ عالمگیر اور مہذب مذہب کے لیے جسکا پاک ترین اصول ہو۔ "اہنسا پرم دھرم"، اگر ہندوؤن کو ابھی یہ جاننا باقی ہے کہ انسان کسی حیوان سے کہین زیادہ پاک وجود ہے، چاہے وہ گوپال کی گائے ہو یا عیسٰی کا خر تو انسوس ابھی تمدن کے مبادیات پر بھی قدرت نہین پائی۔ ہندوستان جیسے زرعی ملک کے لیے گائے کا وجود نعمت ہے، مگر مسئلہ اقتصادیات سے علیحدہ اسکی کوئی اہمیت نہین ہے، لیکن یہ بین ہمہ اوستے کا گاؤپروری ہندوؤن نے گورکھشا کی ایسی کوئی مجوعی کوشش نہین کی جس سے ان کے دعوے کی عملی تصدیق ہوسکتی۔ گورکھشنی سبھائین قائم کرکے مذہبی منافقے پیدا کرنا گورکھشا نہین ہے۔ صوبجات مین بیشتر زمیندار ہندو ہین۔ اُنھون نے گوچر زمین کا کوئی انتظام کیا، یا جہان پہلے سے انتظام تھا وہان اسے فنا نہین کردیا جس ملک مین تمباکو اور چائے اور نیل اور ربر کی کاشت کیلئے کافی زمین ہو وہان مواضعات مین گوچر کا نہ ہونا اقتصادی کشمکش کی دلیل ہوسکتی ہے، گورکھشا کی دلیل ہرگز نہین ہوسکتی۔ جب ہم دیکھتے ہین کہ بیلون کے لیے چارہ میسر نہین تو گایون کے لیے (وہ بھی جب لاغر نحیف اور بڈھی ہوجائین) چارہ بہم پونچانے کی دقت کا حال کسی کسان سے پوچھیے۔ وہ گایون کو فاقہ کشی سے ایڑیان رگڑ رگڑ کر مرنیکے بجائے انہین قصائی کے اندے کے حوالے کردینا زیادہ شایان انسانیت سمجھتا ہے۔ ہر مسئلہ تبلیغ۔ اسمین دو رائین نہین ہوسکتین کیونکہ ہر مذہب کو اسکا کافی اختیار رہے بشرطیکہ غرض خالصًا اصلاح ایمان، اور اشاعت اصول ہو۔ جب اسمین کوئی سیاسی غرض مضمر ہوجاتی ہے تو وہ فی الفور سیاسی معاملہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ بدقسمتی سے دور حاضر مین مذہب اصلاح ایمان کا ذریعہ نہین، سیاسی منفعت کا ذریعہ بنالیا گیا ہے اسکی حیثیت نون کی سی ہوگئی ہے جسکا اصول ہے کہ سب کچھ اپنے لیے اور غیرون کے لیے کچھ نہین جسمین مقابلہ رقابت اور مسابقت کا خیال مذہب سے دور ہوجائیگا اُسمین تبدیل مذہب پر کسی کے کان نہ کھڑے ہونگے

غرض متذکرہ صدر وجوہ مین ایک بھی ایسی نہین ہے جو ہندوؤن کے لیئے " ہماری جان خطرے مین ہے" کی ہانک لگانیکو حق بجانب ثابت کرسکے ۔ اس خاص موقعہ پر ہندو نیشنلسٹن کی فریاد نے ہندو مسلم اتحاد کو جو صدمہ پہونچایا ہے اسکی تلافی اگر ہوگی تو بہت عرصہ مین ہوگی ۔ ہندو اور مسلمان نہ کبھی شیر و شکر تھے نہ ہونگے اور نہ ہونے چاہئین ۔ دونون کی جداگانہ صورت قائم رہنی چاہیئے اور رہیگی ۔ ضرورت ہے صرف بیشتر دؤن مین تحمل اور ایثار کی ۔ بالعموم ہمارے نائب وہ اصحاب ہوتے ہین جو اپنے فرقہ کے مصائب و شکایات کے ایک سرگرم نوحہ خوان ہوتے ہین ۔ وہ اپنے فرقہ کی نگاہون مین عزیز اور مقبول بننے کے لیے اسکے جذبات کو اُکساتے رہتے ہین اور مصالحت کے مقابلہ مین جو انکی نوحہ خوانیون کو بند کردیگی مجادلہ کو قائم رکھنا زیادہ ضروری سمجھتے ہین ۔ ہندوؤن مین اسوقت متحمل مزاج لیڈرون کا قحط ہے ۔ ہمارا لیڈر وہ ہونا چاہیئے جو متانت سے مسائل پر غور کرے ۔ مگر اسکی جگہ غوغائیون کے حصہ مین آجاتی ہے جو اپنی بانگ بلند سے عوام کے سفلہ جذبات کو برانگیختہ کرکے اپنا اقتدار حاصل کرلیتا ہے ۔ وہ قوم کو درگذر کرنا نہین سکھاتا ۔ لڑنا سکھاتا ہے ۔ اسکا مفاد اسی مین ہے ۔ کوئی شخص اتنا کج فہم نہین ہے کہ اسے اس نازک موقعہ پر دونون فرقون کی باہمی کشاکش کے نتائج نہ نظر آئین ۔ اور ہے تو ہین اس کی نیت خیر مین شبہہ ہے ۔ اس شبہہ کی تصدیق اسوجہ سے اور ہوتی ہے کہ اس تحریک کے بانی اور کارکن زیادہ تر وہی حضرات ہین جو سیاسی معاملات مین حصہ لینے سے محترز رہتے ہین ۔ یا لیتے بھی ہین تو آبرو بچائے ہوئے ۔ ورنہ ہندو نیشنلسٹ کے جلسہ منعقدہ بنارس مین زمینداروں اور راجون کی اتنی تعداد کثیر نظر نہ آتی ۔ جدھر دیکھئے راجے مہاراجے اور سیٹھ ساہوکار ہی نظر آتے تھے ۔ مقلدون مین بیشتر وہ تھے جنکا آبائی پیشہ غلامی ہے ۔ جنھین ازل سے فیشن ہے کہ مسلمان سرکاری نوکر بان ہڑپ کرجاتے ہین اور ہمارا کوئی پرسان حال نہین ۔ جنکے لیے ایک مسلمان سب انسپکٹر یا قرق امین کا تقرر انقلاب چین یا فتح ترکی سے زیادہ معرکۃ الآرا واقعہ ہے ۔

ہمارے رؤسائے جمہوری تحریکون کی طرف اب تک التزاماً جو رویہ اختیار کیا ہے اسنے انہین ایک مقیاس کا مصداق بنادیا ہے جس سے حکام کے شعبدون کا صاف صاف پتہ چلتا ہے ۔ ہندو مسلم اتحاد کا کی نظرون مین خار کی طرح کھٹکتا تھا ۔ اسلیئے جب رؤسا کسی ایسی تحریک کا جوش سے خیر مقدم کرین جس سے اتحاد کو نقصان پہونچنے کا یقین ہو تو ظاہر ہے کہ انکی شرکت اختیاری نہین بلکہ کسی کی ایما سے عمل مین آئی ہے ۔ ورنہ جن حضرات نے سخت سے سخت قوانین پاس کرنے مین گورنمنٹ کی رفاقت کی ، وہ ہندو نیشنلسٹ

جلسہ میں اس شد و مد سے ہرگز نہ شریک ہوتے۔ مگر یہاں تو یقین تھا کہ ہماری کوششیں عام بالا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہیں تو پھر کیوں نہ دونوں ہاتھوں سے ثواب لوٹیں، قوم رہے یا مٹے اسکی کیا فکر! یہ ایک امر واقعی ہے کہ حکام نے بھی ہندو سنگھٹن کی تحریک سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اسلیئے رؤسار کا اسمیں تعداد کثیر سے شریک ہونا یقینی تھا۔ انکی شمولیت پر اظہار مسرت کرنا واقعات سے بے علمی کا اظہار کرنا ہے۔

ان مذہبی توحیات کو بھڑکانیکا الزام سب سے زیادہ طالبان کونسل کے گردنوں پر ہے، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ کانگریس نے لبرل۔ برون کا پردہ فاش کر دیا تھا۔ رؤسا اور تعلقہ داران بھی جمہور کی نظروں سے گر چکے تھے۔ وہ حضرات جنھوں نے باوجود اداعارحب الوطنی وکالت یا سرکاری ملازمت نہ ترک کی تھی، پبلک کی نگاہوں میں وقار کھو بیٹھے تھے۔ اس کثیر جماعت کے لیے اپنی کھوئی ہوئی آبرو کو حاصل کرنیکا، اپنی ساکھ جمانیکا، اپنی قوم پرستی کا ثبوت دینے کا، اور ایسے موقعہ پر جب کونسلوں کا انتخاب قریب تھا اس سے بہتر اور کونسا موقعہ ہاتھ آسکتا تھا۔ ہندو قوم خطرے میں ہے۔ کانفرنس کردہ حضرات ہندوؤں کے ہوا خواہ بننا چاہتے تھے۔ مسلم طبقہ میں بھی انکی تعداد کم نہ تھی۔ مذہبی تعصبات کو بھڑکانا شروع کیا گیا۔ رائے صاحب اور خانصاحب اپنے خفیہ گوشوں سے نکل پڑے۔ اور جمہور کی دوستی کا دم بھرنے لگے۔ ایک طرف سے صدا آئی ہندوؤں کو خلافت کی تحریک سے خبردار رہنا چاہیئے کیونکہ یہ انکی ہستی کو مٹا دیگی۔ دوسری طرف نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ ہندو ہمیشہ جارحی ہوتے جا رہے ہیں، سوراجیہ سے احتراز کرنا ہمارا فرض ہے۔ کہیں کسی میونسپلٹی نے قانونگاؤ کشی بند کی۔ واویلا مچ گیا۔ غوغائیوں کی کمی نہ تھی۔ جیل جانا تھا تب اپنے اپنے گوشۂ امن میں دبکے بیٹھے تھے۔ اب جیل کا خوف نہیں عزت افزائی کی امید تھی، پھر سکوت کیوں اختیار کریں۔ سوال و جواب شروع ہوا۔ روز بروز لہجہ سخت ہوتا گیا۔ ادھر لیڈر تھا تو ادھر متعدد اردو اخبارات اینگلو انڈین افسروں کی ہمدردیاں میدان میں آکھڑے ہوئے تھے۔ اعلان جنگ ہوگیا۔ جو اس ہنگامہ کو فرو کر سکتے تھے وہ جیل میں تھے۔ انکی جگہ لبرل حضرات نے لی۔ نتیجہ جو کچھ ہوا ظاہر ہے۔ وہ قوم کے دوست ثابت ہوگئے۔ سرکار سے بھی خوشنودی کا پروانہ عطا ہوا۔ نفاق کا بیج بویا گیا کانگریس کی بیخکنی کے لیے اسکا وقار مٹانیکے لیے۔ اسے پبلک کی نظروں میں ذلیل کرنے کے لیے۔ اور چونکہ کانگریس کا ایک حصہ خود ہی لبرل حضرات کا ہم غرض تھا اسنے بھی اس غداری کو بھڑکایا۔ کہ کہیں ہم اپنا بھرم نہ کھو بیٹھیں

کانگریس کے لیڈروں نے بھی مجرمانہ سکوت سے کام لیا۔ یہ ہے اس کشاکش کا راز جو اسوقت قوم کا نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہ ساری آتش انگیزی یا تو محض کونسلوں میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے کیگئی یا سرکار کو خوش کرنیکے لیے۔ بس۔ لیکن اسکا اثر حصول مقصد کے بعد برسوں تک قائم رہیگا۔ ستم یہ ہے کہ اب بھی ہندو علم بردارانِ قوم اتحاد کی اہمیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ کونسلوں میں جانیوالوں کی کمی نہیں ہے۔ ہندو سنگھٹن کو تقویت دینے والونکی کمی نہیں ہے، تاریخی تعصبات کے مُردے اُکھاڑنیوالونکی کمی نہیں ہے۔ کمی ہے تو اتحاد کے لیے اپنے تئیں وقف کر دینے والونکی، فنا فی الاتحاد ہو جانیوالونکی۔ مسلمانوں میں علی برادران، مولینا ابو الکلام آزاد، ڈاکٹر کچلو اتحاد کے لیے اپنے کو وقف کر چکے ہیں۔ ہندوؤں میں یہ صف خالی ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ جس اتحاد کو مہاتما گاندھی نے سوراجیہ کا پہلا زینہ قرار دیا ہو اسکے لیے ایک با اثر ہندو بزرگ کلیتہً تیار نہیں ہے۔ اگر یہی بیل منڈھے نہ چڑھی اور اگر خدانخواستہ ملکی دوکان پر دادے کا فاتحہ پڑھا جانا ممکن ہو تو ہمیں سوراجیہ کے نام پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیئے

پریم چند

مولانا محمد علی کیطرح منشی پریم چند صاحب کے نیشنلسٹ اور ملکی ترقی کے زبردست حامی ہیں۔ ملک کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہندو مسلمانوں کے باہمی نااتفاقی ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ اب اہل ملک کو اسکی اہمیت کا احساس ہو چلا ہے۔ اور جماعت لیڈران اسکے وقیعہ کیلئے سرگرم کوشش ہیں۔ مسٹر پریم چند مسٹر سی آر داس کیطرح سارا الزام ہندوؤں کو دیتے ہیں اور ملک کے فائدے کیلئے حب الوطنی کے کام پر انسے انتہائی ایثار کے متمنی ہیں۔ مسٹر پریم چند کے اکثر مطالبات میں قومی جذبات کے بالمالی کا شائبہ ہے۔ وہ مسٹر داس کے ہمخیال ہیں۔ لیکن قومونکے باہمی منافقوں کا وقیعہ اسطرح ذرا مشکل سے ہوتا ہے اور کسی ایک قوم سے اپنے دیرینہ جذبات اور مذہبی محسوسات کو یکلخت فنا کر دینے کا مطالبہ ذرا اہم اور شاید ناممکن العمل مطالبہ ہے لیکن ملک کیلئے یہ کچھ کم خوش نصیبی کی بات نہیں ہے کہ فریقین کے بعض اہل الرائے اصحاب اتفاق باہمی کیلئے سب کچھ کرنیکو تیار ہیں۔ ہم اپنے قابل دوست کے رائوں سے متفق ہوں یا نہوں لیکن اس قسم کے صلح کل پسندیدگی کے وجود کو ملک کیلئے بیحد غنیمت سمجھتے ہیں۔ یہ مضمون بحث طلب ہے، اور زمانہ کے صفحات اس اہم مباحثے کیلئے کھلے ہوئے ہیں ہم اپنے ہندو ناظرین سے اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے پڑھنے اور اسپر غور و تامل سے فکر کرنیکی درخواست کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص صدق نیت سے ملکی اتفاق کی ضرورت پر غور کرے اور اسکے لیے زیادہ سے زیادہ ایثار نفس کیلئے تیار ہو جائے کیونکہ باہمی اتفاق کے بغیر ہماری ملکی نجات قطعی ناممکن ہے۔ (ایڈیٹر زمانہ)

ماجرائے ازل

تصادم آج پروانوں سے ہوتا ہے مرے دل کا
کہ بزمِ ناز میں دورِ عمل ہے شمعِ محفل کا

غزلخوانی کی فرمایش ہے اہلِ بزم کی مجھ سے
یہ اک پیرایہ ہے در پردہ بیانِ قصۂ دل کا

وہ طالب ہیں اگر اسکے، اگر اصرار ہے انکو
سناؤ دہر میں سنا و، رنگ لاؤ آج محفل کا

سبق آموز و عبرت خیز ہے لیکن ہے طولانی
یہ درد آمیز و حسرت خیز قصہ حضرتِ دل کا

طبیعت خلوت آرائی و تنہائی سے اُکتائی
تو قصدِ جلوہ فرمائی ہوا اس حُسنِ کامل کا

ہوئی تخلیقِ دل مدِّ نظر حسنِ خود آرا کو
دلِ رنگیں ہا پیدا، جہا یا رنگ محفل کا

ودیعت کر دیے جذباتِ الفت جس نے دلکو
ہوا یہ حامل بارِ امانت عشقِ کامل کا

امانت دار بنتے پر اک انداز محبت سے
خطاب اسکو ملا ظالم کا، اقب اسکو جاہل کا

ہوا سامان ایسی، بصد دلجوئی و خوبی
دل حسن آشنا پر کھل گیا در عیشِ منزل کا

بنا کسبِ ضیائے حسن سے سامانِ آرایش
صفائے حسن خود بین نے بنایا آئینہ دل کا

اُدھر وہ حسنِ بے پایاں، اِدھر آئینۂ حیران
ہر اک محو تماشا بن گیا مدِّ مقابل کا

جمالِ یار اُدھر مصروف تھا دلداریِ دلبر
پرستاری جمالِ یار کی، تھا کام اِدھر دل کا

ع انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان، انہ کان ظلوما جہولا (سورہ پارہ ۲۲)

ترجمہ:- ہم نے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) آسمان و زمین پر (اپنی) امانت پیش کی انھوں نے اسکے اُٹھانے سے انکار کیا اور بوجہ (اہمیت بارِ عظیم کے) شق ہوگئے اور انسان نے اس (بارِ عظیم کو) اُٹھا لیا۔ حقیقت میں وہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے" (بڑا ظالم ہے اپنے آپ پر ظلم اور ایسا ظلم کرتا ہے) اسکی صحت و جرأت پر اس بلیغ و حقیقت ضمیر بیان سے آفرین و مرحبا کہا گیا۔ اور اسکی ذمہ داری کی اہمیت بتائی گئی۔

فنا فی الحسن تھا، توحید کی تعلیم کامل تھی
اور اک درس وفا تھا اتحاد حسن کامل کا

حواس و ہوش کے ادراک سے برتر تھا یہ عالم
نہ تھا کچھ دخل معقولات، اسمیں عقل عاقل کا

ابھی عشق مجازی کا نہ پردہ تھا نہ جھگڑا تھا
"انا لیلےٰ"، کا قصہ تھا، نہ لیلےٰ کا نہ محمل کا

ابھی مکر و فریب حسن سے نا آشنا دل تھا
نہ تھا مسحور زہرہ کا نہ تھا زہرہ شمائل کا

ابھی ہاروت اور ماروت کے طعنے نہ تھے دلبر
ابھی قصہ نہ پیش آیا تھا انکو چاہ بابل کا

ابھی نقش ہوا و حرص سے سادہ تھی لوح دل
ابھی اُبھرا نہ تھا کتم عدم سے نقش بابل کا

ابھی خطرات آئے تھے نہ کچھ وسواس نفسانی
کہ سد باب تھا دل پر ابھی ان کے وسائل کا

غرض کچھ بھی نہ تھا حسن حقیقی تھا مرا دل تھا
وہی طالب تھا اس دل کا وہی مطلوب تھا دل کا

ہوا پھر قصد وسعت حسن کے شوق تماشا کو
ہوا منظور اسکو کچھ اضافہ حسن محفل کا

کہا اک ناز سے "کن" ہوگئی تخلیق عالم کی
زمانہ دیکھنے نکلا کرشمہ حسن کامل کا

ہوئے شمس و قمر پیدا، ہوے ارض و سما پیدا
مقدر ان کو گردش، اُنکو طے کرنا منازل کا

ہوئے لوح و قلم پیدا، ہوے حور و ملک پیدا
ہوے جن و بشر پیدا، بندھا نقش آب و گل کا

مذاہب بھی ہوئے پیدا مسائل بھی ہوئے پیدا
مباحث بھی ہوئے پیدا کھلا دفتر دلائل کا

قلم نے لکھدیا لوح جبین پر خط طغرا مین
"ہوا ہے حسن کو مدنظر اب امتحان دل کا"

محبوب لکھنوی

بیچین گھڑیان

کیا کہون ہوتا ہے اکثر اسقدر دل بیقرار
چاہتا ہے خود بخود رونیکو جی بے اختیار

یہ نہین معلوم کیون کس بات پر روتا ہون مین
یہ خبر ہے ہان کہ پہرون بیٹھکر روتا ہون مین

سوچتا ہون دلمین بُتیرا کہ یہ کیا بات ہے
نیند آنی چاہیئے اب تو کہ آدھی رات ہے

چاہتا ہون مین کہ غافل سُو رہا ہوتا مین کاش
کہتے ہین گلیون مین چوکیدار جب ہشیار باش

اِنکی آوازین فضا مین گونجتی ہین بار بار
شب کی خاموشی مین پیدا کر رہی ہین انتشار

اپنے اوپر بس نہین ہے کیا کرون ناچار ہون
سُو رہے ہین بیخبر سب اور مین بیدار ہون

گُم شدہ میرا سکونِ دل مُیسّر ہو مجھے
اے مرے اللہ! تو ہو کچھ تو دلبر ہو مرے

حامد اللہ افسر - بی اے

یاس ہے حسرت ہے غم ہے اور شب دیجور ہے
اتنے ساتھی ہین مگر تنہا دلِ رنجور ہے

تیرا جانا تھا کہ غم خانہ پہ وحشت چھا گئی
مین یہ سمجھا تھا مرے گھر سے بیابان دور ہے

کثرتِ غم باعثِ محرومیٔ گریہ ہوئی
ورنہ اک طوفان ہماری آنکھ مین مشہور ہے

ہائے کوئی بے خبر ہے محوِ آرائش اُدھر
کوئی دل تنہا ہے ادھر بیٹھا ہے اور مجبور ہے

ہین سرِ منزل مگر سودائیانِ جستجو
پھر ہین سرگرمِ سفر کہتے ہین منزل دور ہے

جب غرض والا کوئی آیا تو آنکھین پھیر لین
تم ہی پر کیا ہے زمانے کا یہی دستور ہے

جھلملانے والے تارو! تم نے یہ کیا کر دیا
ذرہ ذرہ عالمِ ایجاد کا مخمور ہے

اپنی ہر ہر سانس پر مین نے جھلک پائی تری
مین سمجھتا تھا کہ تو مجھ سے بہت ہی دور ہے

رو رہا ہے کوئی سناٹے مین پچھلی رات کے
دیکھ تو بھی چلکے شاید افسر مہجور ہے

کسیکی قبر کو دیکھکر

(ایک غم نصیب کے خیالات)

مرنے والے کس زبان سے ہین کہون مردہ ہے تو
پھر رہی ہے شکل تیری اب بھی آنکھون مین مری
دل سمجھے ہین تجھے مردہ مگر زندہ ہے تو
موت کی سرحد سے اب باہر ہے تیری زندگی

نقش ہے دلپر تری اک اک ادائے جان فزا
کان کو بھی یاد ہین تیری ترنم پاشیان
غنچۂ سربستہ تھا تو ہائے کیون مرجھا گیا
یہ تو دن تھے پھولنے پھلنے کے اے خلد آشیان

زندگی سے تیری وابستہ تھین ماں کی حسرتین
مرگ بے ہنگام نے سب کو ملایا خاک مین
رہ گئین ناکام اس دکھیا کی ساری نیتین
گردش ایام نے سب کو ملایا خاک مین

ناتری وہ نزع کے دم کی نگاہ واپسین
دیکھتی تھی جسکو وہ بے کس کلیجہ تھام کر
زندگی تھی تیری یا اک خواب حسرت آفرین
ڈھونڈھتی ہے آنکھ مل مل کر جسے ہر سو نظر

رے آئین وفا کا کیا یہی ہے اقتضا
تشنۂ دیدار صورت کو تری ترسا کرین
ہی سکتی ہے کوئی تدبیر اسکی سچ بتا
تو ہمین دیکھا کرے اور ہم تجھے دیکھا کرین

ے غریق بحر غم اے نامراد زندگی
ڈوبتے یون تو لب ساحل کبھی دیکھا نہ تھا
تیرے پاؤن کو لغزش ہوئی تو کب ہوئی
بام تک جانے مین جب باقی کوئی زینا نہ تھا
راوی حسرت و یاس و تمنا بیکسی
وقف ہین یہ چند کلیان تیری تربت کیلئے
ہ فقرہ اکا ہے تفسیر خواب زندگی
تیری تربت آئینہ ہے چشم عبرت کیلئے

نصیر (بھاگلپوری)

بزم سخن

ذیل مین کرائسٹ چرچ کالج کانپور کے مشاعرہ کی غزلین درج کیجاتی ہین، جو دسمبر کے آخری ہفتہ منعقد ہوا تھا، چند غزلین نذر ناظرین ہین جنمین سے ابتدائی چار غزلین بلا انتخاب ہین باقی پانچ غزلون کے منتخب اشعار درج ہین

جناب مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی

معمور تجلی سے حیرت کدۂ دل تھا — آئینہ تھا پہلو مین آئینہ مقابل تھا
ناکامیٔ حسرت پہ سر پیٹتی تھین موجین — کشتی تھی تلاطم مین اور سامنے ساحل تھا
گلہائے نظارہ سے خالی تھے ابھی دامن — وہ آپ تماشائی اور آپ ہی محفل تھا
اس قتل کی لذت مین سب وصل کی لذت تھی — پیکان تھا کبھی دلمین پیکان مین کبھی دل تھا
پیمان محبت کو یون دل سے بھلا دینا — ترے لیے آسان ہو میرے لیے مشکل تھا
تو زہر اسے سمجھا غافل نہ مزا چکھا — یہ ذوق فنا کوشی اس زیست کا حاصل تھا
کیا لطف صبوحی تھا اُس نور کے تڑکے مین — سرخوش تھا ادھر ساقی سرشار ادھر دل تھا
تحصیل تھی حاصل کی یہ سعیِ دل وحشی — منزل پر پہونچکر بھی سرگشتۂ منزل تھا
جینے کے لیے مرنا مرنے کے لیے جینا — آسان سے یہ آسان تھا مشکل ہے یہ مشکل تھا

مژگان سے جو دامن تک مشکل سے اثر پہونچا
یہ خون کا اک قطرہ سنتے ہین کبھی دل تھا،

جگر صاحب مرادآبادی

ہر پردۂ ہستی مین جب تو متشکل تھا — حیران ہو نہین جلوہ پھر کون سا باطل تھا

وہ ہجر کے پردے مین جبوقت کہ واصل تھا — اسدرجہ لطافت تھی احساس بھی مشکل تھا
کیا سیر تھی مین جبتک آوارۂ ساحل تھا — دریا کی طرح غم تھا کشتی کی طرح دل تھا
کیا چیز تھا یہ عالم کیا چیز مرا دل تھا — حیرت کا تھا آئینہ حیرت کے مقابل تھا
کل دیکھ کے یہ منظر قابو مین نہ پھر دل تھا — بیتاب تھین خود موجین لب تشنہ جو ساحل تھا
جسمین کہ تیرے جلوے خود دوڑتے پھرتے تھے — اس خون کا ہر قطرہ کونین کا حاصل تھا
وسعت نے نگاہون کی تاریک کیا منظر — اک ایک قدم ورنہ خود عشق مین منزل تھا
تھی شورش ہستی بھی تمہید فنائیت — ہنگامۂ محفل ہی برہم کن محفل تھا
جبتک تری نظرون سے تھا ربط نہان مجکو — پھیلا ہوا رگ رگ مین اک سلسلۂ دل تھا
جب غور کیا دم بھر سب نقش چمک اٹھے — جب آنکھ ذرا کھولی آئینہ مقابل تھا
محدود نگاہین تھین دیکھا نہ گیا ورنہ — اک جلوۂ بیرنگی ہر رنگ مین شامل تھا
دل کیلئے الفت کی قیدین ہی مناسب تھین — دیوانہ یہ ایسی ہی زنجیر کے قابل تھا
کونین مین برپا تھے جس جلوے سے ہنگامے — عشاق کے سینے مین دیکھا تو وہی دل تھا
کل اتنی حقیقت تھی منصور انا الحق کی — ناچیز سا اک قطرہ دریا کے مقابل تھا
خود اپنی تجلی مین جب عشق تھا مستغرق — ہر ثابت و سیارہ مدہوش تھا غافل تھا
اٹھتے تھے ادھر پیہم پردے رخ فطرت سے — مین محو تماشائے صورتگری دل تھا
دونون کے کشاکش مین مطلق نہ ملی فرصت — مین تشنۂ دریا تھا دل تشنۂ ساحل تھا
کونین کا غم دل نے سب لیا اپنے سر — آغاز کا دیوانہ انجام سے غافل تھا

کیا دن تھے جگر وہ دن جب صحبت اصغر مین
محرور طبیعت تھی مسرور مرا دل تھا

مولینا سعید رزمی بھوپالی

اک عمر مین اب سمجھا دنیا کا یہ حاصل تھا — جو نقش تھا دھوکا تھا جو رنگ تھا باطل تھا
اے شوق طلب تو ہی وارفتۂ منزل تھا — ہر نقش قدم ورنہ خفتہ رہ منزل تھا
وہ جلوۂ صد عالم جب رونق محفل تھا — فطرت کا ہر اک ذرہ رقصان صفت دل تھا

ہنگامۂ ہستی سے فرصت جو ملی دیکھا
اک داغ ندامت ہی کل زیست کا حاصل تھا

اے موج لب دریا سر پیٹ نہ تو اپنا
جو غرق ہوا اسمین آزردۂ ساحل تھا

کچھ ذوق سماعت ہی دنیا کو نہ تھا ورنہ
ہر ساز خموشی مین اک زمزمۂ دل تھا

طوفان حوادث مین جب غور کیا مین نے
خود آپ ہی ڈوبا تھا خود آپ ہی ساحل تھا

دنیا محبت مین کعبہ تھا نہ بتخانہ
ہر نقش قدم تیرا اک سجدہ گہہ دل تھا

ہر سانس سے پیدا تھا اک محشر رسوائی
مانا کہ ترا رزمی خاموش تھا غافل تھا

جناب احسن سہسوانی ناظم حلقہ ادبیہ کانپور

ہستی کے فسانے کا جو باب تھا مشکل تھا
اک جان پر ارمان تھی اک درد بھرا دل تھا

دل ڈوب گیا غم مین غم وہم کا حاصل تھا
دیکھا تو نہ دریا تھا موجین تھین نہ ساحل تھا

آئینۂ وحدت کی اللہ رے یک رنگی
جو عکس نظر آیا میرا ہی مقابل تھا

اک داغ ہے پہلو مین، دل ہے نہ تمنا مین
برسون اسی خلوت مین ہنگامۂ محفل تھا

اک جلوۂ رنگین تھا وامان تمنا مین
اس پردے مین کیا جانے تم تھے کہ مرا دل تھا

اس جلوۂ باطل کا اب راز کھلا احسن
امید کا مٹنا ہی امید کا حاصل تھا

جناب رشک صاحب فتحپوری

بیجا نہ تھا یہ کچھ بھی گر شکوۂ قاتل تھا
مین بھی تو اک انسان تھا پہلو مین مرا دل تھا

سو مرحلۂ الفت اک آن مین طے کرتا،
قابو مین مگر دل کا آنا ہی تو مشکل تھا

وہ کشمکش پیہم، تھی شب کہ معاذ اللہ
غم دل کا مقابل تھا دل غم کا مقابل تھا

دنیا کا ہر اک ذرہ بے چین تھا کیون یارب
ہر ایک مین پوشیدہ شاید کہ مرا دل تھا

تم خود کرو اندازہ ہان رشک کی حسرت کا
ڈوبی ہے جہان کشتی دو ہاتھ پہ ساحل تھا

حافظ اشرف علی صاحب حافظ کانپوری

اسدرجہ جلایا ہے سوز غم پنہان نے — اک داغ سا باقی ہے سینے مین جہان دل تھا
اے بیخبر مستی دیکھا ہی نہین تو نے — میخانۂ الفت کے ہر ذرے مین اک دل تھا
کیا حوصلہ افزا تھا ذوق طپش پیہم — جب درد نہ تھا دلمین اسوقت بھی بسمل تھا

جناب ہادی ویلوری

اسطرح محبت مین بدنام مرا دل تھا — ہر آہ مین پنہان تھا ہر اشک مین شامل تھا
بجھنے پہ بھی روشن ہے یہ دل بھی عجب دل تھا — برسون کسی محفل مین شمع سر محفل تھا
بلبل کے ترانے پر گو پھول ہنسے لیکن — جو غنچہ تھا گلشن مین اک درد بھرا دل تھا
دلکو نہ پسند آیا ممنون صرد ہونا — اللہ رے ہشیاری کس شان سے غافل تھا

جناب فکی کچھوچھوی

غم کا یہ نتیجہ تھا الفت کا یہ حاصل تھا — جو داغ تھا سینے مین گویا وہ مرا دل تھا
اس بحر حوادث نے کیا کیا نہ دیئے دھوکے — ہر موج کے دامن مین اک منظر ساحل تھا
اللہ نہ دکھلائے یہ منظر ناکامی — کشتی مری کب ڈوبی جب سامنے ساحل تھا
ممنون ہون مین تیرا اے ذوق اندوزی — اب دلمین نہین قائم وہ نقش باطل تھا

جناب فرحت کانپوری

سوز غم پنہان سے یہ عشق کا حاصل تھا — ہر اشک تھا اک چھالا ہر قطرۂ خون دل تھا
خود باس مین پنہان تھے امید کے سو جلوے — جو جلوہ نظر آیا برباد کن دل تھا
جب آنکھ کھلی مرکر اک خواب تھی یہ دنیا — ہستی جسے سمجھے تھے اک جلوۂ باطل تھا

جناب معین صدیقی کانپوری

اس بحث سے کیا حاصل ناقص تھا کہ کامل تھا — سرمایۂ عمر اپنا جو کچھ تھا یہی دل تھا
آنکھون نے لہو سا کچھ بہتا تھا جو فرقت مین — ہم اشک سمجھتے تھے دیکھا تو وہی دل تھا
تم بنے تو دم آخر کی آکے مسیحائی — ہر چند شفا پانا بیمار کا مشکل تھا
جس طرح سے بھی لایا لایا ترے کوچے مین — کہنے کو تو دل اپنا نادانف منزل تھا

ڈاکٹر ایٹس

نوبل پرائز جو ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر ڈاکٹر ٹیگور کو ملچکا ہے۔ ابکے ڈاکٹر ولیم بی ایٹس کو ملا ہے ڈاکٹر صاحب ۱۸۶۵ء مین آئرلینڈ کے شہر ڈبلن مین پیدا ہوئے تھے۔ انھون نے ابتدا مین ان سیاسی رہنماؤن کیساتھ کام شروع کیا جو آئرلینڈ کو انگلستان کے قبضہ سے بالکل آزاد کرانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو ہندقدیم کے فلسفہ سے خاص دلچسپی ہے اور عمر کیساتھ ان کا یہ شوق بڑھتا گیا اور وہ ہند و فلسفہ کا برابر مطالعہ کرتے رہے شروع شروع مین انھون نے اپنے مخصوص طرز شاعری مین اس فلسفہ کو پیش کیا ہے تو لوگون نے انھین ہاتھون ہاتھ لیا اور ادبی دنیا مین انھون نے بہت جلد ایک ممتاز حیثیت حاصل کرلی۔ ڈاکٹر ایٹس صرف سیاسی کامون تک اپنی ذات کو محدود رکھنا نہین چاہتے اور نہ صرف شاعری کی خیالی دنیا ان کی مطمح نظر ہے۔ بلکہ آپکا خیال یہ ہے کہ کو سیاسی آزادی حاصل کرنے کے لیے ملک مین ایسی صلاحیت پیدا ہونا چاہیے جس سے وہ اپنی نظرون مین آپ موقر ہو سکے۔

آپکی شاعری نری خیالی شاعری نہین ہوتی وہ میدان ترقی مین قدم بڑھانا سکھاتی ہے۔ مردہ دلون مین جوش پیدا کرتی ہے اور نوجوانون کو وہ طریقے بتاتی ہے جنسے ان مین حیات قومی کے آثار پیدا ہو سکتے ہین آپنے کئی ڈرامے بھی لکھے ہین اور آئرش ڈرامانویسون کی ایک خاص روش پر لگادیا ہے جس مین انکو نمایان کامیابی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیالات اس عالم مادی مین محدود نہین رہتے وہ عالم بالا اور عالم ارواح کے مضامین نظم کرتے ہین اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی فلسفیانہ مسئلہ کو بیان کرتے ہین۔ لیکن عوام اسکو نہین سمجھ سکتے۔ پیش پا افتادہ باتون اور پامال مضامین سے ان کی شاعری پاک ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا دل بنی نوع انسان کی محبت و ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔

ان کی شاعری مین محض الفاظی نہین ہوتی بلکہ وہ اپنے کلام مین فلسفیانہ نظریات اخلاقی مسائل اور تصوف کی چاشنی اس خوبی سے سموتے ہین کہ دلپر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔

فطری مناظر کی جھلک بھی ان کے کلام مین اکثر نظر آتی ہے ان کی انگریزی نظمون مین زبان کی وہ تمام خوبیان موجود ہوتی ہین جو زبان اور اہل زبان کے لیے سرمایۂ ناز ہوسکتی ہین۔ لیکن زبان کی خوبیون کے علاوہ علمی خیالات، فلسفیانہ مسائل، اور تصوف کے نکات کو وہ نہایت لطیف پیرایہ مین بیان کرتے ہین۔ اُنکے ہان جذبات کا فقدان نہین ہوتا لیکن متانت سنجیدگی کہین ہاتھ سے نہین جانے پاتی وہ جذبات کی تصویر بڑی خوبی سے کھینچتے ہین اور جب چاہتے ہین تو نہایت آسانی سے سامعین یا ناظرین کے جذبات کو اپنے حسب منشا مشتعل کرادیتے ہین۔

غرض ڈاکٹر صاحب موصوف ہر طرح اس انعام کے مستحق تھے اور فیصلہ کنندگان نے ان کو انعام کا مستحق ٹھیراکر اپنے مذاق سلیم کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

ہندوستان مین خودنوشت حالات لکھنے کا زیادہ رواج نہین ہے اور سوانح عمریان بھی کم ہی لکھی گئی ہین۔ حالانکہ اچھی سوانح عمریونکی ہر ملک کے علم ادب مین ہمیشہ گنجائش رہتی ہے۔ ہمارے ناظرین یہ سُنکر خوش ہونگے کہ پولیٹکل زندگی سے کنارہ کشی کے بعد مشہور محب وطن سر سریندر ناتھ بنرجی آجکل اپنی سوانح عمری لکھ رہے ہین۔ بلکہ اسکے چند باب بھی ختم ہوگئے ہین اور اُمید ہے کہ چند ماہ مین یہ کتاب مکمل ہوکر شایع ہوجائے گی۔ سر سریندر ناتھ صاحب نے آجتک پولیٹکل جد وجہد ہی مین اپنی عمر بسر کی۔ آپکے خودنوشت حالات بہت ہی دلچسپ ہونگے اور زمانہ حال کے سیاسی تاریخ کے بہت سے واقعات کی اندرونی حالات معلوم ہوسکین گے۔

مولینا عبد الحفیظ حافظ مرحوم (کلکتہ) کا پچھلے دنون انتقال ہوگیا تھا۔ اب مولانا وحشت (کلکتہ) نے ڈھاکہ کے موقر رسالہ جاوید مین لکھا ہے۔ کہ مرحوم کے انتقال کے بعد تکیہ کے نیچے ذیل کا شعر ایک پرچہ پر لکھا ہوا پایا گیا۔ غالباً مرحوم کا یہ آخری شعر ہے ؎

اے زمین کے رہنے والو کچھ جگہ باقی رہے
اس نئی بستی مین اک خانہ خراب آنے کو ہے

مضمون جتنا اچھوتا ہے اتنا ہی برمحل ہے۔ اہل بصیرت اسکا حقیقی اور وجدانی لطف اُٹھا سکتے ہین۔

علمی خبرین اور نوٹ

اردو رسالون مین ہر سال اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ گو ہمارا خیال ہے کہ جتنے رسالے جاری ہوتے ہین اُتنی ترقی عام مذاق مین نہین ہو رہی ہے۔ تاہم یہ سب علمی کوششین قابل قدر ہین۔ پچھلے سال کے نئے رسالون مین جادو خاص طور پر قابل قدر ہے۔ یہ رسالہ ٹائپ مین چھپتا ہے اور اسکے ہر نمبر مین بعض مفید اور محققانہ مضامین شائع ہوتے ہین۔ ہمکو اُمید ہے کہ یہ رسالہ صوبۂ بنگال مین اردو کی ترجیح و اشاعت کا فرض عملی اگر نگا کلکتہ سے مشورات کیلئے بھی جور نامی ایک دلچسپ پرچہ جاری ہوا ہے۔ بنگال سے ان رسالون کے اجراء پر ہر ترقی خواہ اردو کو مسرت ہوگی۔

دہرہ دون سے مظاہر جدید ایک رسالہ نکلا ہے۔ جسمین سائنس کے چٹکلے اور علوم جدیدہ کے حالات وغیرہ چھپتے ہین۔ اسکی ترتیب وغیرہ مین اصلاح کی گنجائش ہے۔ اسکے کارکنون کو مستقل مضامین کی حاصل کرنے کیطرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ہمارے دوست ملا محمد الواحدی اردو کی بڑی خدمت کر رہے ہین اور خوشی کی بات ہو کہ یہ خدمت تجارتی کامیابی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ حال مین آپ نے ایک اور نیا پندرہ روزہ رسالہ درویش نامی جاری کیا ہے جو آپکے دیگر رسالون کیطرح خواجہ حسن نظامی صاحب کے زیر سرپرستی شائع ہوتا ہے۔

آپ کا رسالہ نظام المشائخ نکل رہا ہے مگر اب گلچین اور خطیب ہمارے ناچیز مشورے کے بموجب بند کر دیے گئے ہین۔

یورپ کا مذاق علمی اس حد تک ترقی کر گیا ہے کہ مرحوم ایلی آف کریفٹ کی اُنیس کتابین صرف چھ مہینے مین پینتیس ہزار پونڈ مین فروخت ہوگئین۔ انہین کتابون مین ایک کتاب ایسی ہو جسکی قیمت چھ ہزار پونڈ ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ پروفیسر فیروز الدین صاحب مراد ایم۔ایس۔سی۔شعبۂ طبیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے ارادہ کیا ہے کہ سائنس اور دیگر فنون کے متعلق انگریزی کی بعض مشہور و عام فہم تصانیف کا اردو مین ترجمہ کیا جائے۔چنانچہ انکی زیر ہدایت ہمارے مکرم مسٹر عبد الشکور صاحب بی۔اے آجکل کتاب Discovery کا ترجمہ کر رہے ہین۔اس ترجمہ کا ایک حصہ زمانہ بابت ماہ نومبر مین ہدیہ ناظرین بھی ہو چکا ہے۔

اردو مین کتاب چھپانا ایک مہم سے کم نہین ہوتا۔ملک مین گنتی کے چند مطابع ہین جو پورے طور پر مکمل پریس کہے جا سکتے ہین۔اور یہ بھی بہت کم ایسے ہین جو پابندی وقت کیساتھ حسب مرضی کام کر سکین۔اس کا اندازہ انھین کو ہو سکتا ہے جنکو کبھی کوئی کتاب چھپوانیکا اتفاق ہوا ہو انگلستان مین پریس نے جو تکمیل کا درجہ حاصل کیا ہے اسکا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ حال مین مشہور و معروف مصنف مسٹر رڈیارڈ کپلنگ نے اپنی ایک تصنیف پچھلے کرسمس کیلئے چھپوانا چاہی تھی ۲۳۔اکتوبر ۱۹۲۳ء کو یہ کتاب پریس مین بھیجی گئی۔دو دن کے اندر مطبع نے ٹائپ مین کتاب تیار کرلی اور پروف وغیرہ پڑھکر تمام غلطیان بھی درست کرلین۔اسکے بعد فوراً ہی اسکے الکٹروٹائپ تیار کر لیے گئے۔اور ۲۷۔اکتوبر کو چھپائی شروع ہوئی۔۳۰۔اکتوبر کو کتاب چھپکر تیار ہو گئی اور ۳۱۔تاریخ کو اسکی پانچ ہزار جلدین جلد بندی کے لیے دی گئین۔اس کتاب کیلئے کاغذ مسرس جان ڈکنس نے خاص طور پر تیار کیا تھا ۲۴۔اکتوبر کو ساڑھے تین بجے دن کیوقت انکو آرڈر دیا گیا اور دوسرے ہی دن صبح کو انھون نے دو ٹن کاغذ تیار کرکے مطبع بھیجدیا اور ۲۷۔اکتوبر تک آرڈر کی تعمیل کر دی! کیا اردو مین بھی کبھی یہ ممکن ہوگا!

خوشی کی بات ہے کہ ہمارے یونیورسٹی گریجویٹ ہندوستانی زبانون کی ترقی کیطرف متوجہ ہوے ہین اور یونیورسٹیان انکی پوری حوصلہ افزائی کر رہی ہین۔ہمارے صوبہ کی الہ آباد و لکھنؤ یونیورسٹیون مین اردو ہندی کے توسیع و ترقی کے لیے انجمنین قائم ہو گئی ہین۔ان دونون ادبی مرکزون کی اردو انجمنون کے حمایت مین اب تک کئی لکچر ہو چکے ہین اور اپنے اپنے رسالے شائع کرنے کی کوششین ہو رہی ہین۔ہماری رائے مین نئے رسالون کو جاری کرنے کی بہ نسبت مستند کتابون کا ترجمہ شائع کرنا بہتر ہوگا۔کیا اچھا ہو جو ہمارے علم دوست نوجوان اردو زبان کی ترقی کیلئے ابھی سے باقاعدہ کوشش کرنا آغاز کر دین۔تصنیف و تالیف

کی قابلیت اور امین نشو حاصل کرنیکا بہترین موقعہ طالبعلمی ہی کا زمانہ ہے۔ ترجمون اور مضمون نگاری کے ذریعہ اردو کو بہت کچھ نفع پہونچ سکتا ہے۔ اور ابھی اسکی بڑی گنجائش بھی ہے۔ صوبہ بہار مین بھی انجمن ترقی اردو قائم ہوئی ہے۔ بہتر ہو کہ پٹنہ یونیورسٹی کے گریجویٹ صاحبان بھی اسطرف توجہ کرین۔

ہندوستانی زبانون کا مستقبل صرور شاندار نظر آتا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے اردو زبان کے ذریعہ اعلیٰ ترین تعلیم دینے کا بندوبست کیا ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی نے عرصہ سے بنگالی زبان کو بی۔ اے کلاس کے کورس مین داخل کر رکھا ہے۔ اب ہمارے صوبہ کے انٹرمیڈیٹ بورڈ نے بھی یہ طے کر دیا ہے کہ اسکولون مین درجہ دہم یعنی انٹرنس کلاس تک اسکول لیونگ کلاس تک کی کل تعلیم اردو ہندی یا انگریزی مین دیجاسکتی ہے اور طلبا کو بھی اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ سوالات کے جوابات جس زبان مین چاہین دیسکتے ہین۔ اگر کوئی طالبعلم چاہے تو سب پرچون (انگریزی زبان کے پرچہ کے علاوہ) کے جوابات اردو مین لکھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا سہولیت ہوسکتی ہے۔ انٹرمیڈیٹ اور رفتہ رفتہ بی۔ اے کلاس کیلئے بھی یہی سہولیت ہوجائے گی۔ اس سے زیادہ ملک کی اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ ہمارے نوجوان غیر ملکی زبان کے ساتھ ساتھ (یا اسکے بجائے بھی) اپنے ملکی زبانون مین سے کسی مین دستگاہ حاصل کرین۔ مگر اسکے ساتھ ساتھ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ تصنیف و تالیف و ترجمہ مین غیر معمولی ترقی کا سامان کیا جائے۔ تاکہ دیسی زبانون کا ادبی خزانہ زمانہ حال کے ضروریات کا ساتھ دیسکے۔

پچھلے سال ہندی رسالون کی خاص طور پر ترقی ہوئی ہے اور ہمعصر مادھوری لکھنؤ تو واقعی سب پر سبقت لیگیا ہے۔ ہمراہ اسمین تین چار رنگین اور پچاسون سادی تصاویر شایع ہوتی ہین مضامین کا حجم بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ہر نظم و نثر کے قابل قدر سوا سو صفحات ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہین چھپائی کاغذ اور دیگر محاسن ظاہری مین یہ رسا نہایت درجہ دیدہ زیب ہے۔ مادھوری واقعی انگریزی کے بہترین باتصویر رسالونکے طرز پر شائع ہو رہا ہے اور ہم اسکی کامیابی پر اسکے کارکنونکو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہین۔ حال مین مادھوری نے گوسوامی تلسی داس کی سہ صد سالہ برس کی یادگار ایک خاص نمبر نہایت اعلیٰ اہتمام سے شائع کیا تھا۔ اسی اولوالعزمی پر ہمعصر پریما کانپور نے حالمین ناگپور کے قومی جھنڈے کی سہ گونہ کے متعلق ایک خاص نمبر نکالا تھا جسمین اس تحریک کے متعلق دو فاضلانہ تصویرین دیگر متعدد مضامین بھی موصوف کی ترقی پسندی پر ہر طرح قابل مبارکباد ہے۔ ہمعصر مرسوتی الہ آباد نے امسال خوب ترقی کی ہے۔ اسکے جنوری نمبر مین تین رنگین اور متعدد سادہ

تصاویر شایع ہوئی ہین۔

بعض مضمون نگارون نے یہ عجیب افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے کہ دوسرون کے مطبوعہ مضامین خفیف ردوبدل کے ساتھ اپنے نام سے شائع کرادیتے ہین۔ ابھی حال مین رسالہ زمانہ کو بھی ایک صاحب سردار احمد صاحب نے اسی قسم کا دھوکہ دیا ہے۔ زمانہ جنوری مین جو قصہ محبت کے گنہگار کے نام سے چھپا ہے اسکے مصنف ہمارے مکرم مہاشے سدرشن ہین۔ اس سے پہلے ان کا دلچسپ مجموعہ "قوس وقزح" مین چھپ ہوچکا ہے۔ اس قصے کا مسودہ ہمارے پاس موجود ہے۔ عبارت مین جابجا معمولی ردوبدل کردیا گیا ہے۔ ہم اس دھوکے پر جو ہمکو اور ناظرین زمانہ کو دیا گیا۔ اظہار افسوس کرتے ہین۔ آیندہ سے ہم سردار احمد صاحب کا کوئی مضمون رسالہ زمانہ مین شایع کرنیکو تیار نہین غالبا اس طرز عمل سے ان حضرات کو تنبیہ ہوگی جو غیرونکے مضامین کو لفظونکے الٹ پھیر سے اپنا بنانے مین کمال رکھتے ہین اور ترجمہ کو تصنیف کے رنگ مین ظاہر کرنا باعث فخر سمجھتے ہین۔

انشاءاللہ زمانہ آیندہ اس قسم کے مضمون نگارون کی عنایت سے محفوظ رہنے کی پوری کوشش کریگا۔ زمانہ خود بھی اس قسم کے سرقون کا اکثر شکار ہوتا رہتا ہے۔ یعنی کبھی کبھی اسکی شائع شدہ مضمون دوسرے رسالون مین شائع ہوتے رہتے ہین۔ ہمین ان مضامین نگار حضرات کی شہرت پسندی اور جسارت پر افسوس ہے جو اس قسم کے اخلاق کش افعال کے مرتکب ہوتے ہین۔ وہ حضرات بھی قابل تحسین نہین ہوسکتے ہین جو اپنے مضمون کو بار بار چھپوانا باعث فخر خیال فرماتے ہین۔ حال مین ہمارے دوست حکیم یوسف حسن صاحب لاہور کا یہ شکایتی خط موصول ہوا ہے۔

دسمبر ۱۹۲۳ء کو شباب اردو مین ایک مضمون علطی کسی بھی کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ چند سال گذرے یہی مضمون رسالہ زمانہ مین شائع کرایا تھا جب یہ قصہ رسالہ زمانہ مین درج ہوچکا تو اسکو شباب اردو مین شائع کرنیکے لیے فروری تھا کہ میری یا اوٹیٹر زمانہ کی اجازت حاصل کیجاتی بالکل نہ کم ہوالہ زمانہ اسکو شائع کیا جاتا۔ لیکن شباب اردو مین یہ قصہ مسٹر بشارت چلینان کلکتہ کے نام سے درج ہے البتہ ایکجگہ "منقول" کا لفظ بھی لکھا گیا ہے مگر یہ ہرگز کافی نہین ہے۔ بلکہ منقول کیساتھ لفظ زمانہ بھی لکھنے کیضرورت تھی۔ معلوم نہین کہ مسٹر بشارت چلینان نے کون سے زمانہ کا نام لکھنا ضروری نہین سمجھا یہ کا علم اسکا تحمل نہین ہوسکتا ہو کہ زمانہ کا نام لکھنا ضروری نہین سمجھا یہ کا علم اسکا تحمل نہین ہوسکتا ہو کہ زمانہ کا نام لکھنا ضروری نہین سمجھا

"حکیم یوسف حسن لاہور"

یہ مضمون زمانہ مین ۱۹۲۳ء مین شائع ہوا تھا۔ اسکے متعلق ہمارے ایک مضمون نگار نے مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۲۴ء کو ہمکو اطلاع دی تھی کہ یہ مضمون حضرت بیخود کے مضمون کا سرقہ ہے۔ ہم نے اسکی اطلاع مصنف کو دیدی تھی۔ انکا جواب ہمکو ۱۲ فروری کو ملا۔ اسمین انہون نے لکھا تھا کہ یہ مضمون میرا ہی ہے۔ اسکو میرے نام سے شائع کیجئے۔ اسکے بعد ہم نے اسکو شائع کیا۔ اب ہمکو معلوم ہوا کہ یہ مضمون بیخود کا ہے۔ اسلیے ہم اسکو بیخود کے نام سے شائع کرتے ہین۔ ہم کو افسوس ہے کہ ہم نے اسکو مصنف کے نام سے شائع کیا۔

ہمارے سوراجی بھائی

دسمبر ۱۹۲۳ء



دسمبر ۱۹۲۴ء



رسالہ نیا کانپور کی اجازت سے

جرمن مال کی کثرت

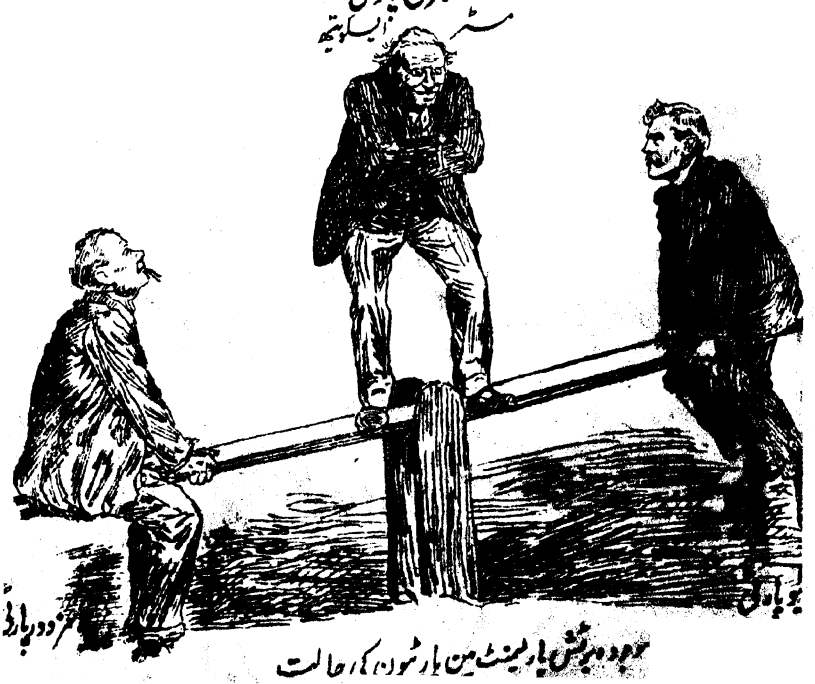


بازارون مین جو مال نظر آتا ہے سب پر جرمنی بنا ہوا لکھا ہی

برٹش گورنمنٹ اور سوراج پارٹی



لبرل پارٹی



موجودہ برٹش پارلیمنٹ مین پارٹیون کی حالت

गौतमबुद्ध ८



سارناتھ میں گوتم بدھ کی مورت

زمانہ

جلد ۴۲ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۳

مسلمان اور علوم ہند

حساب اور جبر و مقابلہ

عام عقیدہ ہے کہ عرب علم جبر و مقابلہ کے موجدین تمام مہذب دنیا مین یہ علم اپنے عربی نام سے مشہور ہے جو علانیہ اسکی عربی اصل کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ مستشرقین یورپ کی رائے ہے کہ گو عربون نے اسکے مبادی تو دوسری قومون سے سیکھے مگر اسکی ترقی اور نشو و نما مین انھون نے جو حصہ لیا وہی اُن کے دعوی ایجاد اور شہرت دایمی کے قیام کے لیے کافی و وافی ہے۔ اور اب کرپی سی رائے جدید و جید عصر یگانۂ روزگار فاضل جمال ہی مین اُن کے اس دعوی کی تصدیق کر چکا ہے۔ کسکی تاب ہے کہ اُس سے انکار کرے۔

عربی مین اس علم کا پورا نام استقصاء المجہولات بطریق الجبر و المقابلہ ہے جسکے معنی "معاوضہ اور مقابلہ کے ذریعہ سے نامعلوم چیزون کا دریافت کرنا" ہین۔ اس طویل لقب کی تخفیف کے لیے مہذب دنیا پیسہ کے باشندے لیونارڈو کی ممنون ہے۔ اس ایطالوی نے عبارت مذکورہ کے اور تمام الفاظ کو اڑا کر صرف "الجبر" کو باقی رکھا جو مسائل جبر و مقابلہ کے حل مین سب سے ضروری اور اہم عمل کو بتاتا ہے۔ اور عام خیال ہے کہ قدیم مسلمان مصنفون مین سے پہلا شخص جسنے جبر و مقابلہ پر قلم اُٹھایا۔ محمد بن موسےٰ الخوارزمی ہے۔ چونکہ وہ فزاری کے سند ہند کا جو برہما سد دانت کا عربی ترجمہ ہے اس سے پہلے ہی خلاصہ کر چکا تھا اور اس کتاب کے تیرہوین اور اٹھارہوین فصلین جو گفت و ہیاے اور کوٹاوہ ہیاے[1]

---

[1] اس مضمون کا پہلا حصہ جنوری سنہ ۱۹۲۴ء کے رسالے مین شائع ہو چکا ہے۔

کہلاتی ہیں علم جبر و مقابلہ سے بحث کرتی ہیں (دیکھو "انڈسٹرئیس آلٹرٹس کنڈے" مصنفہ پروفیسر لامین جلد چہارم) لہذا اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ہے کہ وہ ان فصلوں کے مضامین سے واقف ہوگا اور اس صورت میں بے دھڑک فرض کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے اپنے جبر و مقابلہ کی بنیاد برہماگپت کے جبر و مقابلہ پر رکھی ہوگی۔ پروفیسر لامین کے اس مقررہ کی بنیاد بنطاہر سٹرکالی برک کی شہادت پر معلوم ہوتی ہے۔ سٹرکالیبرک کا بیان ہے کہ محمد بن موسیٰ الخوارزمی کے جبر و مقابلہ کا واحد قلمی نسخہ جو باڈلین لائبریری میں محفوظ ہے اُسکے چند حصوں کا میں نے ترجمہ کرایا اور جب ان کا برہماسدھانت کی فصلوں سے مقابلہ کیا تو میرا میلان خیال ہوا کہ اول الذکر آخر الذکر پر مبنی ہے۔ یہ دونوں یورپین مصنف عربوں کے سر سے اتنے مدت کی شہرت کا تاج اتار لینے کی فکر میں بے تاب نظر آتے ہیں۔ ان کے خیالات جس لایق بھی ہوں ہم بے کم و کاست بغیر کسی رائے زنی کے آپ کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ باڈلین لائبریری کے اُس بے بہا قلمی نسخہ کے عدم موجودگی میں اس مسئلہ کی نسبت فیصلہ کن رائے دینا قطعی ناممکن ہے۔

اب رہا علم حساب تو اُسکے متعلق اس امر میں شبہ کی گنجائش ہی نہیں معلوم ہوتی کہ عربوں نے اہل ہند سے اخذ کیا۔ رقوم عددی کا عام نام یعنی لفظ "ہندسہ" خود اس امر کا بین ثبوت دیتا ہے کہ عربوں نے انہیں ابتداً ہندوستان سے لیا۔ امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی مثنوی "آئینہ سکندری" میں اس لفظ کی نسبت یوں خیال کے گھوڑے دوڑائے اور اُنکی کے تیر لگائے ہیں کہ یہ لفظ ہند اور آسا سے مرکب ہے اور آخر الذکر ان کے موجد کا یا اُس شخص کا نام ہے جس سے عربوں نے ان کے گرچہ یورپ کے اہل یورپ اگرچہ اس بارہ میں عربوں کے گرانبار احسان ہیں۔ پھر بھی ہم ان کو "ہندی رقوم" ہی کا لقب دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کثیر التعداد عرب مصنفوں میں سے جنہوں نے محمد بن موسےٰ کے زمانے سے پہلے اس علم پر کتابیں لکھیں۔ مثل یعقوب کندی، حنین بن اسحاق، اسحاق بن حنین وغیرہ۔ ہر ایک نے اپنی تصنیف کو الحساب الھندی ہی کا لقب دیا جس سے مطلق شبہ کی گنجائش نہیں۔ حتیٰ کہ یہ تصنیفات اگر اس علم کی ہندی کتابوں کے ترجمے نہیں تو انپر مبنی ضرور تھیں۔ خود ابو یوسف کندی نے ہی جو محمد بن موسےٰ کے بعد آیا اور تیسری صدی ہجری میں ابو معشر کا ہمعصر تھا اپنی اس علم کی تصنیف کو الحساب الھندی ہی کا لقب دیا ہے۔

یورپ انھیں مصنفوں کا ممنون ہے اور جبر و مقابلہ اور حساب کا علم اُسنے انہیں سے حاصل کیا۔ لیونارڈو باشندۂ پیسہ یقیناً پہلا شخص تھا جسنے عیسائی یورپ کا عربی جبر و مقابلہ سے تعارف کرایا جس زمانہ مین کہ وہ اپنے باپ کے ہمراہ بربری مین تھا اور وہان کی چنگی کے محکمہ مین ممبر کی خدمت انجام دیا کرتا تھا۔ اُسنے ہندی رقموں کے ذریعہ سے حساب و کتاب کا طریقہ سیکھا۔ چونکہ یہ اُسے سہل اور ان تمام ملکون کے طریقہ سے جنکی وہ سیر کر چکا تھا قابل ترجیح نظر آیا اُسنے اسے باقاعدہ سیکھنا اور اسپر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا۔ اپنی تصنیف کے نظر ثانی کئے ہوئے نسخے کے پہلے جس خط کا اُسنے اضافہ کیا ہے اُسمین اقرار کرتا ہے کہ پورے علم اعداد کی تعلیم ہندوستانی طریقے کے مطابق دیگئی ہے۔ اُسنے ہندی حساب کو عربی کی وساطت سے بارہوین صدی عیسوی کے آخری حصہ مین سیکھا اور اُسکے عام اصول دریافت کئے کیونکہ اُسکی تصنیف کی مقدم سے مقدم تاریخ ۱۲۰۲ء ہے۔

اُس سے کچھ اوپر دو صدی پہلے گیبرٹ (پوپ سلوسٹر ثانی) نے مسلمان معلمون سے علم حساب سیکھنا شروع کیا تھا۔ اسے تحصیل علم کا ایسا زبردست شوق تھا کہ دو برس تک بنیڈکٹن فرقہ کی تعلیم پانے کے بعد وہ چھپکر اسپین چلا گیا اور وہان کے مسلمانون سے علم احکام نجوم اور اس سے بڑھکر مفید علم حساب سیکھا۔ مراجعت پر اُس نے عیسائی یورپ کو اس سے واقف کیا مگر سیم اور تمثیل اصول پر طریق حساب سکھانے لگا۔ غالباً یہ اصول کا ابہام اور عربی بلکہ ہندی حساب سے بحث کا طریقہ ہی اس امر کا ذمہ دار تھا کہ اُسکے زمانہ سے لیکر لیونارڈو کے زمانہ تک اس علم نے اسقدر کم ترقی کی۔

لیونارڈو کی تصنیف علم حساب کا ایک رسالہ ہے جو اس علم کے اور سب رسالون کیطرح پہلے دو درجن کی مساواتون کے حل پر ختم ہوتا ہے۔

اب ہم پھر اس میدان مین مسلمانون کے کارنامون کیطرف رجوع کرتے ہین تو نظر آتا ہے کہ بہاسکراچاریہ کی لیلاوتی اور بیج گنت دونون کو فارسی کا خلعت پہنایا گیا۔ پہلی کا ترجمہ تو شہنشاہ اکبر کے حکم سے ۱۵۸۷ء مطابق ۹۹۵ھ مین یعنی شہنشاہ مذکور کی تخت نشینی کے بتیسوین سال فیضی نے اپنے ذمہ لیا اور انجام کو پہنچایا اور دوسری کا ترجمہ صاحبقران ثانی شاہجہان کی

سلطنت کے آٹھوین سال ۱۶۳۴ء (۱۰۴۴ ہجری) مین عطاء اللہ رشیدی بن احمد نامدر نے کیا رہی اس مصنف کی کتاب سدہا نسخہ شروحی لیکن انکا ذکر مسلمان مورخون کی تصنیفات مین تو ہمین کہین نہین ملا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سٹر کالیبرک نے انکا ترجمہ فارسی دیکھا تھا یا کم از کم ان سے واقف تھے وہ اصل کتاب کی نسبت ایک جگہ تحریر فرماتے ہین "کہ متن کی صحت ایسے ہے یقین کے ساتھ اسکی کثیر التعداد شروح سنسکرت سے اور ان کے ماسوا فارسی ترجمہ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ غالبًا یہ ترجمہ بھی مثل اور بہت سے بیش بہا نایاب فارسی کتابون کے یورپ کے کسی شرقی کتب خانہ کے گوشہ مین پڑا خمول کے صدمے سہ رہا ہوگا ع

حسرت ان غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

طب

ہندی علوم مین طب سے بڑھکر کسی علم سے مسلمانون نے فائدہ نہین اُٹھایا علم کے اور کسی شعبہ مین مسلمان ہند ان کے ایسے گرانبار امتنان نہین کسی اور مفید علم کا چشمہ اتنی صدیون تک یعنی ابتدائے عہد بنی العباس سے اس زمانہ تک ہمین ایسے مسلسل منتظم رفتار سے بہتا نظر نہین آتا۔ اس تمام طولانی مدت مین ہم مسلمان علما کو لگاتار عربی اور فارسی زبانون کو اس زرخیز غیر منقرض منبع سے نکلنے والے بیش بہا ذخائر علم سے مالا مال بنانے مین مصروف پاتے ہین۔ اچھا اب آؤ ان کے اس اقلیم کے کارنامون پر ایک سرسری نظر ڈالین کیونکہ اسکی پوری مساحت تو ایک طومار چاہتی ہے۔

مصنف عیون الانباء نے ایک باب صرف ان ہندی اطبا کے مختصر سوانح عمری کی نذر کر دیا ہے جو منصور، رشید اور مامون کے عہد مین دربار بغداد مین رونق افروز تھے، اور جنکی تصنیفات ادب عرب کے اسی زمانۂ اقبال مین عربی مین ترجمہ ہوگئی تھین۔

ہم اولًا تو اس مصنف اور دیگر مورخین کے بیانات کا خلاصہ اُن قدمائے ہند کے متعلق پیش کرینگے جنکی تصنیفات سے عالم اسلامی اُس زمانہ مین بذریعہ تراجم واقف ہوا اور بعد ازان اُن حاضر ہندی طبیبون کا ذکر کرینگے جو بغداد پہونچے اور خلفا کے دربار مین شاید قبول وحصول مقصود سے ہمکنار ہوئے۔ علم طب پر لکھنے والے قدیم ہندی اطبا کی لانبی قطار مین سے افسوس کہ ہم

دوہی سے آشنا ہیں جنکی تصانیف آجتک موجود ہیں چرک اور شسرتہ کے نام عربی میں اسقدر کم بگڑے بدلے ہیں کہ انسان اول ہی نظر میں پہچان سکتا ہے کہ شبہ ہو سکتا ہے کہ عربی مشابک اور سسرد انھیں اشخاص کو بتاتے ہیں جنھیں مذکورہ بالا سنسکرت نام۔ اول الذکر کی نسبت البوریحان البیرونی اپنی کتاب الہند میں یوں تحریر کرتا ہے۔

واما کتاب یعرف بصاحبہ وھو چرک۔ یقدمونہ علی کتبھم فی الطب۔ کان رشانی فی ایام الاول۔ ثم سمی چرک ای العاقل۔ قد نقل ھذا الکتاب البیرا صکۃ فی العربی۔" اور ان کی ایک کتاب ہے جو اپنے مصنف کے نام سے مشہور ہے اور یہ نام چرک ہے، وہ لوگ اسے اپنے طب کی کتابوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ یہ شخص دو آبہ قریب میں ایک رشی تھا پھر اسکا نام چرک ہو گیا۔ جسکے معنی عقلمند کے ہیں۔ برامکہ کے لیے عربی میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے"

مگر مصنف عیون الانباء کہتے ہیں کہ اس کتاب کا ترجمہ اوّلاً فارسی میں ہوا اور اس فارسی ترجمہ کو عبداللہ بن علی نے عربی میں نقل کیا، افسوس کہ اس مصنف نے فارسی ترجمہ کا نام بھی نہیں بتایا۔

دوسرے یعنی سسرد کی تصنیف کا جو دس فصلوں پر مشتمل ہے اور جسمیں علامات طریقہ علاج اور نسخوں کا ذکر ہے۔ یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے عربی میں اسکا ترجمہ ہوا یہ وہی یحییٰ ہے جو منصور عباسی کا مشہور وزیر تھا اور جسے ایک زمانہ میں رشید بابا کہا کرتا تھا۔ اور جسکی تباہی خاندان زندان قید حیات سے نجات نصیب ہوئی۔

ان دونوں سب سے قدیم ہندی طبیبوں میں سے کسیکا بھی زمانہ معین نہیں مگر دوسرا زمانہ موخر سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ چار اور قدیم اطباء کا مونکے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جنکی شخصیت دریافت کرنا آسان نہیں۔ ان میں سب سے سابق و مقدم کنکہ ہے جسکا ہم نجوم کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں۔ طب کی کئی ایک کتابیں جنمیں سے ہر ایک کا عربی لقب اُسکے موضوع کو بتاتا ہے ان کی طرف منسوب ہیں اسے منکہ یا مانک کے ساتھ عبیاً کثیراً کیا گیا ہے۔ خلط نہیں کرنا چاہیئے کہ ان دونوں کو اتنا لانبا فاصلۂ زمانی ایکدوسرے سے جدا کرتا ہے کہ گڈمڈ کرنا قابل معافی تاریخی ں ہوگی۔

کنکہ کے بعد شاناق آتا ہے جسے سنسکرت لیبرک چرک کے ساتھ متحد بتاتے ہیں مگر یہ محض بادر ہوا ظن و تخمین ہے کیونکہ ہم اس سے پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ چرکہ کی صورت شرک ہے۔ چرکہ کے پہلے دونوں نونوں کے اشباع کے بغیر جو غیر ضروری ہے اور (ر) کو (ن) سے بدلے بغیر جسکی اور کوئی مثال نہیں پائی جاتی چرکہ سے شاناق نہیں بن سکتا اور پھر (چ) اور (ش) کا سا بدلہ بھی ایسا عام نہیں۔ ہمارے خیال میں شاناق چانکیہ کی خرابی ہے۔ جسمیں قواعد تعریب کو توڑنے مڑوڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسپر یہ اعتراض ضرور وارد ہوسکتا ہے کہ قدیم ہندی اطبا میں کوئی شخص اس نام کا نہیں پایا جاتا مگر اسکے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس زمانہ کی کوئی قابل وثوق تاریخ بھی دستیاب نہیں۔ اس مضمون کے یہانتک لکھنے کے بعد ایک روز ہم جرمن مستشرق شٹائن شنائڈر کے ایک رسالہ کی سیر کر رہے تھے کہ ایک جگہ دیکھا فاضل مذکور بھی بالکل ہمارا ہمخیال ہے اُسنے بھی اس لفظ کی اصل یہی بتائی ہے، عیون الانباء کا مصنف کہتا ہے کہ وہ ہندوستان کے مشاہیر اطبا میں سے تھا اور اپنے طبی تجربہ، حذاقت معالجہ اور علم و فلسفہ کی دوسری شاخوں میں مہارت کی وجہ سے بہت نامور تھا علاوہ ازیں ایک ممتاز منجم و مقرر تھا۔ جسکی ہندی راجہ بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اُسکی ایک تصنیف کا جسمیں زہر دن کا بیان ہے اور پانچ بابوں پر مشتمل ہے۔ رشید کے طبیب خاص منکہ نے ابو حاتم بلخی کی اعانت سے یحییٰ بن خالد برمکی کے لیے فارسی میں ترجمہ کیا۔ بعد ازاں خلیفہ مامون کے واسطے اُسکے استاد عباس بن سعید الجوہری نے اسکو عربی میں نقل کیا۔ شاناق کا ایک رسالہ علم بیطاری دوسرا نجوم پر اور تیسرا مسمی بہ منتحل الجوہر فلسفہ پر بھی ہے۔

ان مختصر سوانح عمریوں کے بعد قریباً ایک درجن ایسے اشخاص کی فہرست آتی ہے جو نسبتاً قلیل الاحوال ہیں اور جنکے نام ایسے مسخ ہوئے ہیں کہ کسی طرح پہچانے نہیں جاتے جیسے صنبھل، باکہ راجہ، سنگھ، واہر، انکر، زنگل، جبھر، رندی، جاری، وغیرہ ان سب طبیبوں اور نجموں کی نسبت کہا گیا ہے کہ انکے کا عربی میں ترجمہ کیا گیا نہ زیادہ دلچسپ چند گمنام و نشان مصنفوں کی کتابوں کے نام ہیں جو کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں عربی میں ترجمہ ہوئیں ان کے نام مذکورہ بالا مامون کی بہ نسبت سنسکرت کی الفاظ سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ اور حسب ذیل ہیں۔ (۱) بدان جسمیں چار سو مرضوں کے علامات اور ہر ایک طریقہ تشخص کا بیان ہے۔ مگر علاج کی نسبت ایک لفظ بھی نہیں (۲) نفشل جنمیں ایک وبیاریوں اور

۲۰۰ اُن کے علاجون کا بیان ہے (۳) دوسی جسمین امراض نسائی سے بحث کی گئی ہے (۴) ہندہشان (۵) اسانگر - ان کے سوا اور بھی بہت سی ہین جنکے صرف عربی نام لکھے ہین اور جنکی اسم شماری یہان کچھ بے سود ہوگی -

ہارون کے درباری طبیبون مین دو ہندی بہت ممتاز نظر آتے ہین - یعنی منکہ یا مانک اور صالح بن بہلہ -

منکہ یا مانک

یہ شخص علم طب سے بخوبی واقف، معالجہ امراض مین حاذق، جودت وجدت طبع مین سرآمد اقران، علوم ہند سے پورا وقوف رکھنے مین معروف ومشہور، اور عربی وفارسی دونون زبانون پر حاوی تھا - زہر دن پر جو شاناق کا رسالہ ہے اُسکا اسی نے سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کیا ہے - ہارون الرشید کے عہد مین ہندوستان سے سفر کرکے عراق پہنچا، دربار خلافت مین رسائی پیدا کی اور خلیفہ کا طبیب ملازم ہوگیا - بعض مورخون کا بیان ہے کہ وہ اسحاق بن سلیمان ہاشمی کے متوسلین مین سے تھا - اور اُسی کے لیے عربی سنسکرت اور فارسی کتابین ترجمہ کیا کرتا تھا - اخبار الخلفاء والبرامکہ کا مصنف لکھتا ہے کہ رشید ایکبار بہ سخت مرض مین مبتلا ہوا - تمام درباری طبیبون سے معالجہ کرا کے دیکھ لیا مگر مرض نے افاقہ کی کوئی علامت نہ ظاہر کی، ابوعمر والاعجمی نے یہ دیکھکر خلیفہ سے عرض کیا کہ ہندوستان مین منکہ نامی ایک طبیب ہے جو وہان کے جوگی فلسفیون مین شمار کیا جاتا ہے - اگر اُسے بلوا لیا جائے تو شاید شفا حقیقی اُسکے ہاتھ سے خلیفہ کو شفا عطا فرمائے - چنانچہ رشید نے چند شخصون کو بہت سا روپیہ دیکر اس ہندی طبیب کو لانے کے لیے بھیجا - اور تاکید کی کہ اُسے راہ مین تکلیف نہ ہونے پائے - اسطرح منکہ رشید کے دربار مین پہنچا اور معالجہ شروع کیا - جب خلیفہ کو اُسکے علاج سے شفا ہوئی تو گرانبہا صلے طبیب مذکور کو عطا کئے اور بڑا سا مشاہرہ مقرر کر دیا -

صالح بن بہلہ

مولانا شبلی مرحوم اور البرامکہ کے مصنف مولوی عبدالرزاق صاحب دونون کی رائے ہے کہ صالح کی اصل سانچی تھی وہ اپنے اس خیال کی وجہ اسکے سوا اور کچھ نہین بتاتے کہ تمام عرب مصنف اُس کے نام پر الھندی کا اضافہ کرتے ہین - لہذا اُسکا نام بھی ضروری ہے - کہ کوئی ہندی الفظ ہو

اور سالی صالح سے قریبی مشابہت صورت بھی رکھتا ہے۔ ہم ان بزرگون کے علم و فضل کا تمام امکانی احترام کرنے کے باوجود اس خیال سے اختلاف کی جراءت کئے بغیر نہین رہ سکتے۔ حکیم مذکور کے ہندی یا ہندی نژاد ہونے سے یہ نتیجہ لازمی نہین کہ اُسکا نام عربون کی زبان پر بھی کوئی بگڑا ہوا ہندی لفظ ہی ہو ہمارے خیال مین صالح خالص عربی لفظ معلوم ہوتا ہے۔ نہ سالی کا معرب۔ باپ کا نام بلکہ توصاف ہندی اصل کا پتہ دے رہا ہے۔ مگر خود طبیب ممکن ہے کہ ہندی نژاد ہو یا اُسنے تبدیل مذہب کرلیا ہو اور مسلمان ہونے کے بعد صالح نام رکھا گیا ہو۔ اُسکے معالجہ کے اُس عجیب و غریب قصہ سے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اُسنے خلیفہ کے ایک قریبی رشتہ دار کو جسے سب مردہ خیال کرکے دفن کرنے کو لیجا رہے تھے ازسرنو زندہ کردکھایا معلوم ہوتا ہے کہ طبیب مذکور مذہب اسلام قبول کرچکا تھا۔ اس داستان مین تو وہ ایک جگہ اللہ اکبر کہکر اظہار تعجب کرتا ہے۔ اور دوسرے جگہ اپنے قول کی استواری کو یون ظاہر کرتا ہے کہ اگر اسمین خلاف ہو تو اُس شخص کی بیوی کو طلاق ہے۔ اللہ اکبر کی نسبت تو سمجھ مین آسکتا ہے کہ شاید عربون مین مدتون رہنے بسنے اُٹھنے بیٹھنے کی بدولت اُسکے ہندی لب کلمۂ اسلام سے اُسی طرح آشنا ہوگئے ہون جسطرح پچھلے دنون مسلمانون کے ہم آہنگ و دمساز ہوگئے تھے۔ مگر بیوی کو طلاق دینا ہندو دھرم کے عقائد اور اُن سے پیدا ہونے والے جذبات سے ایسا برخلاف ہے کہ تبدیل مذہب کے سوا اور کسی طرح اسکی توجیہ ہو ہی نہین سکتی۔ ہندو شاستر کے موافق نکاح ایک مقدس مذہبی رسم ہے۔ جسکا رشتہ موت سے بھی منقطع نہین ہوتا۔ دنیاوی معاملہ و معاہدہ نہین ہے جسکا انقطاع طرفین کی مرضی پر ہو۔ لہذا ہماری رائے مین صالح کہرا عربی سکہ ہے نہ جعلی جیسا کہ مولانا شبلی و مولوی عبدالرزاق ہمین یقین دلانا چاہتے ہین۔

اوپر جس عجیب قصہ کا حوالہ دیا گیا اُسکی تفاصیل کے علاوہ اس حکیم کے اور حالات کسی نے قلمبند نہین کئے۔ مگر اس قصہ ہی سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اُسکا مشہور وزیر جعفر برمکی اور طبیب مذکور کے ہنر اُسکی کیسی توقیر کرتے تھے۔

اسی زمانہ مین بغداد مین ایک اور مشہور ہندی فاضل بھی تھا جو سنسکرت سے عربی کتابین

ترجمہ کیا کرتا تھا اور جسے عرب باپ کے نام پر ابن دہن یعنی دہن کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ برامکہ اُسکی حذاقت و مہارت طبابت کی نسبت ایسی اعلےٰ رائے رکھتے تھے کہ بغداد مین جس بیمارستان یا ہسپتال کے وہ خود بانی و کفیل تھے اُسکا اسے مہتمم مقرر کر رکھا تھا۔

اسبارے مین عربون کی دوسری کارگزاریون کے بیان کرنے کی چونکہ کاغذ اور وقت دونون اجازت نہین دیتے لہذا اب ہم اپنے ملک کی طرف رجوع کرتے ہین۔ مگر یہان ہمین افسوس کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانون نے کم از کم اس فن خاص کے بارہ مین اپنے آپ کو عربون سے کہین کم آزاد خیال ثابت کیا۔ چنانچہ اسکی وجہ کی تلاش مین ہمین دور جانے کی ضرورت نہین۔ یہان آنیسے صدیون پہلے وہ یونانی طریق علاج کو خاص اپنا فن بنا چکے تھے اور برابر برتتے رہے تھے اور اُسکی طرفداری مین تعصب خاص پیدا کر چکے تھے۔ یہان آنے کے بعد جب ان دونون طریقون کے عملی نتائج یعنی معالجۂ امراض مین دونون کے کارگر ہونے کا مقابلہ کرنا میسر ہوا تو اس موازنہ نے اپنے خاص یعنی یونانی طریقہ کی فضیلت کے اعتقاد کو اور بھی راسخ کر دیا۔ ہنود خود بھی بجائے اس دعوی فضیلت کا معارضہ کرنے کے خاموشی کے ساتھ اسکا اعتراف کرتے نظر آتے ہین جیسا کہ اُن کے روز افزون تعداد مین طب یونانی کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے چند سال قبل تک راجپوتانہ کی کوئی ہندو ریاست ایسی نہ تھی جو چند حکیم بطور درباری طبیبون کے اپنی ملازمت مین نرکھتی ہو۔ ہندون کا طب یونانی کو ترجیح دینا وہ لوگ اب بھی اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہین جو ہندوستان کے بڑے بڑے شہرون مین مثل دہلی، آگرہ، لکھنو وغیرہ کے وہان کے نامی حکیمون کے مطب مین حاضر ہون۔ ہمین امید ہے کہ ہمارا یہ بیان غلط فہمی کا باعث نہوگا۔ ہمارا ہرگز یہ منشا نہین کہ ان مین سے ایک یا دوسرے طریقے کے حق مین فضیلت کا فتوٰی دین یا مسلمانون نے جو اس شریف ہندی فن کے ساتھ بے اعتنائی برتی ہے۔ اُسے بجا و برحق ثابت کرین بلکہ صرف اسکی وجہ بیان کرنا مقصود ہے حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانون کو خود ہی محسوس ہو چلا ہے کہ اُنہون نے اسبارہ مین سخت غلطی کی اور طبی ویدک کالنفرنس کا آغاز اور حکیم محمد اجمل خانصاحب کے طبی ویدک کالج کا قیام تلافی مافات کی پرزور خواہش کے زندہ ثبوت ہین۔

باستثنا "کلپیارہ" کے ترجمہ کے جو گھنونی بیماریون سے بحث کرنیوالا ایک رسالہ ہے البیرونی کی ہمہ گیر تصنیفات مین بھی علم طب پر اور کوئی تصنیف ہمین نظر نہین آتی - خود شاہنشاہ اکبر بھی باوجود علوم ہند کی تمام سرپرستی کے اس فن خاص کی چنداں حوصلہ افزائی کرتا نہین معلوم ہوتا کیونکہ اُسکے عہد دولت مین گو سنسکرت کی تصانیف کے کثرت سے ترجمے ہوئے مگر اُن مین طب کی کسی کتاب کا ترجمہ بھی نہین پایا جاتا - ہندی فن طب کی صرف ایک شاخ یعنی ادویہ مفردہ کی تشریح ایسی ہے جسپر اس ملک کے مسلمانون نے کچھ توجہ کی فن کی اس شاخ پر فارسی مین صرف چند کتابین ہین - جیسے فرہاد بن قاسمی جو تاریخ مشہور کے مصنف ابو القاسم فرشتہ کی تصنیف ہے' داراشکوہی جو شاہزادہ داراشکوہ کے حکم سے لکھی گئی - دستور الہنود جسکا حکیم شریف خان جگہ جگہ حوالہ دیتے ہین اور تالیفات شریفی جو خود حکیم شریف خان کی تالیف ہے -

ہندوستان کے پادشاہون مین صرف ایک ہی ایسا گذرا ہے جو ویدک کو طب یونانی پر ترجیح دیتا تھا یعنی سلطان زین العابدین کشمیری جو اپنی ہندو رعایا کی بہی خواہی اور ان کے حقوق کی رعایت وحمایت مین اکبر اعظم سے بھی گوئے سبقت لیگیا تھا - اُسنے ایک ہندی طبیب سری بٹ نامی کو اطبائے دربار کا افسر مقرر کیا تھا - اور اُس سے ایسی محبت رکھتا تھا کہ اُسکی خاطر سے تمام ممالک محروسہ مین جزیہ یکقلم موقوف کر دیا - اُسکے طویل عہد سعادت مہد کے مورخ کہتے ہین کہ پادشاہ مذکور کے حکم سے سری بٹ کی نگرانی مین ہندی طب کی بہت سی کتابون کا سنسکرت مین ترجمہ کیا گیا - مگر افسوس کہ ان کتابون کے نام قلمبند نہین کئے گئے -

پٹھان پادشاہون مین سکندر لودی علوم فنون کا بڑا مربی تھا - اُسکے زیر حمایت علمائے وقت نے کثرت سے کتابین تصنیف کین - پادشاہ موصوف نے مہا ویدک کا سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کرایا - اُسنے ہندی اور ایرانی طبیبون کو طلب کرکے حکم دیا کہ فن طب پر ایک ایسی ہمہ گیر کتاب تالیف کرین جو طب یونانی و ویدک دونون کی جامع ہو - جب یہ کتاب اختتام کو پہنچی تو اُسنے اسے طب سکندری کا لقب دیا جو مدتون تک فن طب کی نہایت مستند کتاب سمجھی جاتی رہی - (باقی آیندہ)

فدا علیخان رامپوری - ایم اے
(علیگ)

مرزا حسرت دہلوی

مرزا جعفر علی حسرت دہلوی خلف مرزا ابوالخیر دہلوی ان کے متعلق لوگون نے لکھا ہے کہ عطاری پیشہ تھے اور اکبری دروازہ دہلی مین ان کی دوکان تھی۔ ممکن ہے ایسا ہو لیکن ۱۷۷۳ء مین جب عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے اور تمام شعرائے دہلی ان کے دربار مین ملازم ہوئے تو حسرت بھی اسی گروہ مین شامل تھے۔ اسی زمانے مین غلام قادر خان افغان خلف ضابطہ خان کچھ افغانیون کی فوج جمع کرکے لوٹ مار کرتا ہوا دہلی کے دارالسلطنت مین آیا اور بادشاہ سے ملازمت کی درخواست کی بادشاہ خود اس سے بدظن تھے اور اسی کے خوف سے مہاراجہ سندھیا کے نام طلبی کا فرمان جاری کیا تھا مگر اتفاق سے بادشاہ کا وہ فرمان اسکے ہاتھ لگ گیا پھر کیا تھا وہ اسی وقت فوج لیکر بادشاہ کی بارگاہ مین گھس آیا اور چند افغانون نے بادشاہ کو زبردستی تخت سے کھینچکر بہت ایذا پہنچائی اور چھری سے بادشاہ کی آنکھین نکال لین اور بیرحمی سے اکیسو اسی ۸۱ محلات کی بیحرمتی کی اور ان کو مارا مرزا جوان بخت اور سلیمان شکوہ اور مرزا اکبر شہزادون کو لاٹھیون سے مار کر قریب بہلاکت پہنچا دیا اور خزانہ دریافت کرنے کے لیے محلات کو سخت تکالیف مین مبتلا کیا۔ شب کو فاقہ دیا۔ ذی الحجہ کے آغاز سے تیسری محرم تک ان بیکسون پر آب و دانہ بند کیا جب سب محلات کا نقد جنس لٹ لیا اور خزانے خالی کر دیئے تو تمام اسباب کشتیون پر بار کرکے غوث گڈھ کو چلا گیا۔ حسرت نے یہ تمام واقعہ اپنی آنکھون سے دیکھا اور اسکا ایک مرثیہ نظم کیا جسمین لکھتے ہین کہ۔

جہان آباد کا حال بھی مرثیہ سے کم نہین ہے اگرچہ فلک نے اسپر یہ زوال نازل کیا ہے۔ مگر اب ابر کا رومال منہ پر رکھکے روتا ہے۔ غنیم کے لشکر نے سارے شہر کو ایسا ویران کیا جیسے باد خزان سے باغ برباد ہوتا ہے۔ کوئی سیل ایسا طوفان نہین لاسکتا جیسا افغانون کے ظلم نے طوفان برپا کیا ہے۔ ایسے حسین گلرو جنکی زلفین سنبل سے بہتر تھین جنکے خط خال پر باغ کو رشک تھا

ظالمون کے دست تطاول سے ایسے برباد ہوئے کہ سب نقشہ مٹ گیا۔
جس شہر کی بہار سے کشمیر غرق شرم تھا۔ جسکا ہر مکان بہشت تعمیر تھا جسکے تمام مکان آئینہ خانہ تھے جسکے ہر کوچہ مین نہر جاری تھی نہ اب وہ نہرین ہین نہ شفاف پانی ہے جہان عطر گلاب تھا وہان مزبلہ پڑا ہوا ہے قلعہ معلے کے پتھر اور ستون اور محراب جمنا کے کنارے شکستہ پڑے ہین بادشاہ کے گھر مین پتھر پڑے ہین جس جگہ فرشی ادب سے پیشانی گھستے ہین وہان شریر دجال کا لشکر پڑا ہوا ہے۔

آخر ایسی حالت ہوگئی جو لوگ دولت رولتے تھے وہ خاک چھانتے پھرتے ہین۔ جہان بلبل کا آشیانہ تھا وہان الو بولتا ہے اب نہ آئینہ خانہ ہے نہ آئینہ دیکھنے والے ہین پاؤن مین آبلے پڑے ہین۔ جہان کی جان شہر کا جسم شاہ عالم بادشاہ کو ملک نے ایسا غم دیا ہے کہ اسکے غم مین ہم مرتے ہین جسکے سخن مین طراوت اور زبان مین حلاوت تھی جسکی نگاہ سے بہار ایمان کو رونق تھی جسکے قدم سے زمانہ مین برکت تھی جو ہر علم و فن مین کامل تھا اور جسکے دم سے ہر فن و ہنر کے اہل کمال جیتے تھے کسیکو حسن پرستی کا شوق تھا کسی کو موسیقی۔ کسی کو زہد کا ذوق تھا وہ سب دام بلا مین گرفتار ہین ساری خوش الحانی جاتی رہی۔ تمام بلبل گلستان اسیر غم ہین آب و دانہ کی حیرانی ہے وہ شاخ کٹ گئی جسپر سب کریال کرتے تھے۔

بادشاہ صاحب تخت و تاج اپنی اولاد کی روزی کا محتاج ہے سبکو سارا ہند خراج دیتا تھا اس سے غنیم خراج لے یہ تو وہی مثل ہوئی کہ شیر کو شغال شکار کرے۔

آخر فکر معاش سے تنگ آکر حسرت نے دہلی سے فیض آباد آنے کا قصد کیا کیونکہ اسوقت ہی نفیض آباد اودھ کا دارالسلطنت تھا اور نواب شجاع الدولہ بہادر سریر آرائے سلطنت تھے۔ فیاضیون کے شہر ہو رہے تھے اہل دہلی اسی طرف منھ اوٹھائے آتے تھے۔ اور برسر روزگار ہو جاتے تھے حسن اتفاق سے ایام گرما مین اودھ کا سفر اختیار کیا جسکے متعلق خود لکھتے ہین۔

گرمی کا سفر ہے اور نہ سر پہ سایا خورشید نے محشر کا سمان دکھلایا
جنگل اور دھوپ العطش کی فریاد فریاد کہ دشت کربلا یاد آیا

اتفاق سے بہلی جو کرایہ کی تھی اسکے بیل بھی بہت سست تھے اسکے متعلق لکھتے ہین۔

جیسا کہ سفر کیا ہے مین اب کی بار ایسا نہ کبھی سفر کیا تھا زنہار
کہتی ہے مجھے دیکھ کے گاڑی ہر بار حسرت ہوئے شیطان کے چرخے پہ سوار

راستے کے گرد و غبار سے تنگ آکر کہتے ہین۔

جتنے کہ سفر مین ہمکو دن بیتے ہین کھانا نہ تو کھاتے ہین نہ کچھ پیتے ہین
اور جینے کا اسلوب جو ہم سے پوچھو ہم ان دنون خاک پھانک کر جیتے ہین

غرض بعد طے منازل فیض آباد مین داخل ہوئے اور اس شہر کی آبادی دیکھکر ششدر رہگئے۔ نواب شجاع الدولہ بہادر کی تعریف مین جو قصیدہ لکھا اسمین مجملاً شہر اور اہل شہر کی مدح کی ہے۔

کوئی مضور ایسا ہے کہ مجھے ایک ایسے شہر کا مرقع کھینچدے جسکی سرحی غیرت گلہائے چمن ہو اور سبزہ اسکا سبزۂ جنت باغ شہر عمارات درخت گھانس چارون طرف ہو قلعہ ایسا ہو جسپر جنگی توپین چڑھی ہوئی ہون قلعہ کے برج بروج افلاک ہون ان مین ایسی نقاشی زر ہو جیسے ستارے چمکتے ہین بارگاہ ایسی جگہ ہو کہ جسمین حسر و میر تزک بنے فرش پر ایک ایسی مرصع کرسی بچھی ہو جسکی روشنی عرش تک پہنچتی ہو زیب کرسی ایسا جوان ہو جسکا مثل و نظیر آجتک خلق نہوا ہو جابجا قرینون سے منصبدار کھڑے ہون در دولت پر فیل سوار اور امیر کھڑے ہون ایک طرف ارباب نشاط آکر حاضر ہون کوئی گائے کوئی ناچے کوئی مجرے کو کھڑی ہو کر تال دے کوئی ڈھولک بجائے سب کے پاؤن سے گھونگرو کی صدا آتی ہو کوئی گت لینے مین ٹھوکر لگائے اس شہر کا نام فیض آباد ہے۔ اور والی اسکا شجاع الدولہ بہادر ہے۔

اس قصیدے کے وسیلے سے دربار تک رسائی ہوئی اور کچھ وظیفہ مقرر ہو گیا۔ جب آصف الدولہ بہادر ۱۷۹۷ء مین سریر آرائے سلطنت ہوئے تو ان کی خدمت مین بھی ایک قصیدہ پیش کیا جس کا مطلع یہ ہے۔

یونہی اگر شگفتہ کرے گی بہار گل لائے نہال خشک تلک اب کی بار گل

۱۷۹۵ء مین آصف الدولہ بہادر نے بیت السلطنت لکھنؤ کو زینت بخشی تو مرزا صاحب بھی لکھنؤ مین آئے اور نواب محمد خان کے اصرار سے لکھنؤ گھنٹہ بیگ کی گڑھیا پر سکونت اختیار کی۔

نواب محبت خان ان سے بہت محبت کرتے تھے اور بقدر امکان خدمت سے دریغ نکرتے تھے عہد نواب آصف الدولہ بہادر مین دہلی کے تمام شعرا لکھنو چلے آئے - شہزادہ مرزا جوان بخت مرزا جہاندار شاہ بھی دہلی سے لکھنؤ مین آئے اور اپنی ناروا حرکتون کے سبب سے بنارس جانے پر مجبور ہوئے -

شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ نہایت تزک احتشام سے لکھنو مین وارد ہوئے اور بوعلی شاہ کے تکیہ پر قیام فرمایا - انھین کے ساتھ میان جرات تلمیذ رشید حسرت بھی آئے مگر نواب آصف الدولہ بہادر نے مرزا سلیمان شکوہ کی طرف التفات نہ فرمایا - بہت سی سفارشون کے بعد نواب آصف الدولہ بہادر نے چھ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی اور محلہ مرزا خلیل سکونت کو مرحمت فرمایا - بعد چندے مرزا سلیمان شکوہ نے جنرل مارٹن کی کوٹھی خرید کی اور اس مین ان کا دربار ہونے لگا جرات کی بھی تنخواہ مقرر ہوگئی - لیکن جرات اپنے استاد حسرت کے قریب مکان لیکر سکونت پذیر ہوئے - اس زمانے مین دہلی کے لوگ خاص خاص محلون مین سکونت پذیر تھے جرات اور حسرت لکھنو کے مشاعرون مین شریک ہوتے تھے اور داد سخن لیتے تھے لکھنو اپنے دہلوی مہمانون کی حد سے زیادہ قدر دانی کرتا یہان تک کہ یہ غریب نصیب اپنے وطن کو بھول گئے اور غریب الوطنی مین بادشاہی کی حسرت جو ٹوٹی پھوٹی جھلی پر دہلی سے فیض آباد آئے تھے فیض آباد سے لکھنؤ مین آتے ہی فلس پر سوار ہوکر نکلنے لگے - اسی رشک سے بعض شعرا نے کہا کہ دیکھئے ایک عطار ہمیشہ بھی لکھنو آکر شعرا مین داخل ہوگیا دہلی کے شاعر تو ملک الشعرا میر تقی میر - مرزا سودا سوز انشا میر حسن شاہ حاتم میر درد وغیرہ ہین مگر اب تو دہلی سے جو کوئی آتا ہے شاعر آتا ہے - لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ مرزا حسرت بھی دہلی کے متقدمین مین شامل تھے اور فن شاعری سے بخوبی ماہر تھے - کلام بہت اچھا تھا دہلی تباہ نہوتی تو ایسے لوگون کی صورت لکھنؤ کو دیکھنا نصیب نہوتی غرضکہ لکھنو مین وطن فراموشون کی ایک خاص جماعت ہوگئی تھی آپسمین رقابت کا مادہ پیدا ہوگیا - ایک شاعر دوسرے کی منقصت چاہتا ہجو مین لکھتا تھا اور گالی گلوچ اور مارپیٹ کی نوبت آجاتی تھی - حسرت کی بہت منقصت کی گئی مرزا فیع السودا نے ان کی ہجو لکھی ہے - مگر حسرت نے اسکا کچھ جواب نہین دیا - صرف ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب نے ان کی روزی کے بارے

مین کچھ رخنہ ڈالنا چاہا تو حسرت نے بھی قلم اُٹھایا ہجو لکھی اور خوب لکھی جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے۔

کہ اشتاج کی بیماری مین ہر شخص مبتلا ہے بہت سے پیٹ کی مارے طبیب بن بیٹھے جن فصل مین بیماری کا زور ہوا دو چار مریض ان کے پاس بھی آنے لگے اپنے گھر مین عطار کو بٹھا کر نسخہ کو لوٹنے لگے۔ نبض پر ہاتھ رکھا کچھ نسخہ لکھدیا۔ ان مین سے ہمارے بھی ایک آشنا ہین کہ آدمیون کو خدا واسطے قتل کیا کرتے ہین۔ خود ممنون ہین مگر طبابت کرتے ہین۔

جب آپ قلم ہاتھ مین لیتے اور نسخہ لکھتے ہین تو اجل بھی رونے لگتی ہے کہ نہ معلوم کس بیگناہ کے قتل کا فرمان جاری ہوتا ہے اس غریب کی قسمت مین موت نہ تھی مگر یہان آکر بے اجل مرا ملک الموت نے آپ کو ادب سے سلام کر کے کہا کہ ہر چند میرا یہ پیشہ ہے کہ کسی امیر و غریب کو نہین چھوڑتا لیکن آپ سے ایک عرض ہے کہ خدا کے واسطے اسکی جوانی پر رحم کیجئے آپ اسکی جان سے درگذر کیجئے تمہارا نسخہ نسخہ سامری ہے ایسی سامری نہ کرو مریض تو نسخہ دیکھتے ہی مرجائیگا اسکے اعزہ اقربا تباہ ہو جائینگے تمکو کیا ملے گا۔

غرضکہ حکیم صاحب کی ذات سے موت کا بازار بہت گرم ہے گھر گھر سے رونے کی آواز آتی ہے اس کے ہاتھ سے انتخوی حیات فنا ہوئے ہین کہ مردہ شو اور گورکن دولت مند ہو گئے۔ چوتھائی کمیشن کفن دوز اور ثلث گورکن سے مقرر ہے جہان گور و تابوت دیکھئے سمجھ لیجئے حکیم صاحب کی کارستانی ہے

ان کے ہاتھ سے قلم سینہ چاک دعا کرتا ہے کہ حکیم صاحب ہلاک ہون تو میری گردن سے سب بظلمہ جاتا رہے خدا اس ظالم کو دنیا سے جلد اُٹھالے

صرف میزان طب پڑھی ہے اور مطب کا نام کان طب رکھا ہے اسپر ارسطو اور فلاطون نام رکھتے ہین تپ مین ساتوین دن جلاب دیتے ہین اور بواسیر مین شنا کی پہلی استعمال کراتے ہین نکرہنی کے استعمال مین حب السلاطین بتاتے ہین۔

مجھے کئی دن سے بخار آتا ہے میرے دلمین خیال آیا کہ یہ مشفق ہین علاج کرین گے تو سودائی مزاج معتبر ہوگا۔ سب حال اپنا بیان کیا آپ نے نبض پر ہاتھ رکھا بہت فکر و غور کے بعد کہا

مہربان میری عقل گم ہے کہ اس مرد سے تم کیونکر زندہ تھین صرع ہے اسپر سرسام بھی ہے

آپ کی نبض نملی اور سطرنجی ہے اس بیماری کا علاج تو افلاطون سے بھی نہ ہو سکتا مگر مین مزاج پاگیا ہون - کچھ روپے خرچ کرو تو علاج ہو سکتا ہے نہین تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔
مینے کہا مہربانی سے مجھے نسخہ تو لکھدیجے - حکیم صاحب نے فرمایا مرج اور کافور ایک ایک دام عشیہ مغربی چہ ماشہ انہین کہرل کرکے دہی کے ساتھ پی جاؤ غذا سوے کا ساگ کھانا کل بچوا کر نبض دکھانا۔

بلا بیمار کو شفا کسطرح حاصل ہو جب حکیم صاحب کی تشخیص کا یہ حال ہے - کسی نے آجتک صرع اور سرسام کو جمع ہوتے سنا ہے - صرع اور سرسام دونون کے مواد متناقض ہین دونون امراض سرہون نبض - نملی سطرنجی ایک جا جمع نہین ہو سکتی مین نے کہا لطف ہے مجھے کیسکی ہو مقصود نہین ہے حقیقت حال بیان کردی -

مرزا حسرت نے دو ایک رباعیان بھی ہجو مین کہی ہین - ایک دیوان قصائد کا ہے دو دیوان عاشقانہ غزلون کے ہین - ایک دیوان مخمس مسدس ترجیع بند کا ہے ایک دیوان رباعیات کا ہے مختلف مضمون مین - رباعیان کہی ہین - یہ مجموعہ کلیات ۱۲۷۱ھ تیار ہوگیا - مدح رسالت آب مین جو قصیدہ کہا ہے اسکا مطلع اول یہ ہے

شیخ و سجادہ و اسلام و حرم چار دن ایک عاشق و تبکدہ و کافر و صنم چار دن ایک

تذکرون مین لکھا ہے کہ مرزا صاحب رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے - اور وہ لکھنؤ مین رہتے تھے حسرت کی شاعری کا فروغ دہلی سے ہوا -

حسرت اور جرأت کا مکان دیوار بدیوار تھا ایک اندھے اور ایک ضعیف مگر زمانے نے دونون کی قدر کی مرزا حسرت ہمیشہ روسا کے دربار مین مشاعرون مین پالکی پر سوار ہو کر جاتے تھے - اکثر اوقات سارا دن ملاقات مین گزر جاتا تھا -

ایکسال برسات کی شدت سے مرزا حسرت اور شیخ جرأت دونون کے مکان منہدم ہو گئے - بضرورت نواب محبت خان کے پرانی بنگلہ مین جانا پڑا جو بہت دنون سے غیر مرمت پڑا ہوا تھا اسکے حال مین رباعی لکھی ہے -

حسرت یہ سخن سیدھی زبان سے نکلا بنگلے مین رہا سو خانمان سے نکلا

پانی میں جو ڈوبے تو نکل سکتا ہے پر کیچ میں جو پھنسا نہ بان سے نکلا

مرزا حسرت بھی مصحفی کی طرح کثیر التلامذہ تھے مگر ان سب شاگردوں میں شیخ جرأت کا مرتبہ بلند ہے اول تو انہیں اُستاد کی یکجائی نصیب ہوئی ہے ہر وقت کا پاس بیٹھنا پاس اُٹھنا دوسرے خدمتگذاری تیسرے طبع خداداد کہتے ہیں کہ ۱۲۱۷ھ میں حسرت کا انتقال ہوا مگر یہ بات قرین قیاس سے بعید ہے۔ اسواسطے کہ شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ خود ۱۲۱۵ھ میں لکھنؤ میں آئے تھے اور برسوں کے بعد انہیں وقار حاصل ہوا تھا اسکے بعد حسرت کا سلسلہ ان کے یہاں قائم ہوا اور کچھ تنخواہ مقرر ہوئی بہرحال انکا سنہ وفات کا صحیح پتہ نہیں معلوم ہوسکا لکھنؤ محلہ گھنٹہ بیگ کی گڑھیا میں انتقال فرمایا اور وہاں کسی مسجد کے قریب پختہ قبر بھی ہے۔ لیکن کوئی کتبہ اسپر نہیں ہے۔ حسرت کچھ بیمار رہتے تھے مدت سے بوجہ ضعف پیری گوشہ نشین تھے شہر کے امرا اور رؤسا شاگرد بہت کچھ خدمت کرتے تھے۔ اچھی طرح بسر ہوتی تھی جب لکھنؤ آئے ہمیشہ فٹن پر سوار ہوکر گھر سے نکلا کئے باوجود اس اعزاز اس جاہ و چشم اس قابلیت کے آج انکے خاندان کے کسی آدمی کا پتہ ملتا ہے نہ کوئی شخص ایسا ہے جو قبر کا صحیح صحیح پتہ بتا سکے۔

کیوں میرے خون سے شمشیر کو آلودہ کیا — آپ نے رنج اُٹھایا مجھے آسودہ کیا
ہو گئے داد وجود تیغ سخن کی حسرت — کہکے اشعار قلم کو بھی میں فرسودہ کیا

دلپہ نہیں اختیار اپنا — افسوس گیا قرار اپنا
لایا نہ کوئی چراغ گل بان — بیکس ہی رہا مزار اپنا

کونسا رنج فلک ہمنے گوارا نہ کیا — شہرہ مجنوں کا دیا نام ہمارا نہ کیا

غیر کو عید کے دن تسمے ہم آغوش کیا — سال بھر رشک سے میں خون جگر نوش کیا
روزن در سے جو دیکھا کہ صدا سنکے مری — شمع محفل کے تئیں آپنے خاموش کیا
ہم نہ کہتے تھے کہ حسرت نہ مل ان خوبان سے — تونے دیوانے کیکا سخن گوش کیا

تلف ہونا تھا جی کھونا تھا گھر اپنا ڈبونا تھا
دلا سب کچھ تجھے کرنا تھا اک عاشق نہ ہونا تھا

گئے ہے گل سے شبنم بادِ غمین دونوں تھے ہم لیکن
تری قسمت میں ہنسنا تھا مرے طالع میں رونا تھا

بہایا نوحۂ حسرت دلکو اس چاہ زنخدان میں
مرا جی خوش ہوا ایسی ہی جا اسکو ڈبونا تھا

بھلا یا عشق کی وحشت نے جو دیکھا نہ دیکھا تھا
بھی آبادیاں دیکھی تھیں اک صحرا نہ دیکھا تھا

خدا جانے کہاں تھی عقل جب میں دل دیا سبکو
کسی نے ورنہ میرا کام تو بیجا نہ دیکھا تھا

سہواً قلم سے شکوہ جو تیرا رقم ہوا
فوراً زبان چاک ہوئی سر قلم ہوا

ہوتا آہ میں پر و رُخِ جاں اے کاش
قفس ہی ہوتا سدا سے مرا وطن اکاش

ہمکو نہ رونے نہ قضا نے کیا ہلاک
اسکے ستم اور اپنی وفا نے کیا ہلاک

لگی سر سے لے پاؤں تک اسکے آتش
کہے شمع سوز نہانی کہاں تک

وہ ہے عمر اور عمر سو بے وفا ہے
یہاں یار کی مہربانی کہاں تک

مرا رنگ دیتا ہے منہ پر گواہی
چھپے عشق کی پھر کہانی کہاں تک

میں کیا کہوں کہ کیا ہے جگر اور کیا ہے دل
آتشکدۂ جگر ہے تو ماتم کدہ ہے دل

ناصح تو آہ و رونے سے مت منع کر مجھے
کیونکر نہ روؤں میں کہ مرا گم ہوا ہے دل

آہ صیاد تو کیا پوچھے ہے بادل کی خبر
دیکھ ٹک جا کے چمن کے در و دیوار کا حال

قطعہ

کل روتے ہوئے جو اتفاقاً حسرت کے مزار پر گئے ہم

پڑھتا تھا یہ شعر وہ جو خاک — بس سنتے ہی جسکے مر گئے ہم
دامانِ نپہ دیکھیے کر کیا ہو — اپنا تو تباہ کر گئے ہم

گو ہیں نہیں جلاد کی تلوار سے محروم — پر چشم ہی باندھے رکھا دیدار سے تر ہم
جب فصلِ گل آئی تو پہنچے دام میں جا کر — اب کی سے ہے ہم یوں گل و گلزار سے محروم

غنیمت جانو جو دم ہیں یہاں ہم — کوئی دم میں کہاں تم پھر کہاں ہم
بغیر از گریہ جو آتا ہے گاہے : — نہیں رکھتے کوئی اب مہرباں ہم
نہ ہمکو گل دیا نے کچھ ثمر ہی — کسی لائق نہ تھے اے باغباں ہم

کٹ نہیں سکتی شبِ غم اور کوئی ہم نہیں — یا یہ شبِ سخت دل یا صبح تجھ میں دم نہیں

یہ غلط گمان کریں ہیں سب کہ تمنا کے لبِ لبا ہیں — ترے عشق میں جو کوئی ہوا سے زندگی ہی فنا نہیں
کسے حسرت اتنا داغ ہے کہ ہر اک کے ناز اٹھائے — جو ہے زندگی تو بنیں گے ہم ہوا صنم کیسا خدا نہیں

ہوں چراغ مردہ بجاؤ کیا کرو گل آستین — اب صبا بیدا کرے یا تطاول آستین
اے جنوں آنسو بھی اپنے پونچھنے کو کچھ نہیں — جیب و دامان سب ہے ٹکڑے چاک ہے کل آستین
وصل کا وعدہ کیا تھا اسنے نکلا جو کوئی — کھینچلی دھوکے سے مینے بے تامل آستین

دل کا جگر کا دوستو یا جی کا اپنے غم کریں — کس کس کو روئیں بیٹھکر کس کس کا ہم ماتم کریں
نالے پہ حکم قتل ہے روئیں تو روئیں کس طرح — فرمائیے جو کچھ ہیں سو مہربان اب ہم کریں
کچھ حال حسرت کا مجھے دکھلائی دیتا ہے زبوں — کیا خوف ہے اس وقت گر لیلیٰ سے سیر دم کریں

اسلیے میری چشم پر نم ہین : ایک دل اور سیکڑون غم ہین
حسرت اسکی رضا جو ہو سو ہو ہر طرح ہم تو شاد و خرم ہین

بزم لالہ دل داغدار رکھتے ہین جہان کے باغ مین ہم بھی بہار رکھتے ہین

ہوئے ہم بسکے بندے برہمن کے اور رکھتے ہین حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ رکھتے ہین

دوستون کا دیکھنا اس دور مین ہر دم گمان دم غنیمت ہے عزیزون تم کہان اور ہم کہان
لوگ کہتے ہین کہ ہین ابرو ترے مانند تیغ تیغ کے مانند ہین پر تیغ مین یہ خم کہان

اتو یہ دل اک بت نا آشنا کے ہاتھ ہے بسکے ہاتھون چھوٹنا اسکا خدا کے ہاتھ ہے

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

جذبات رزمی

جہان آرزو ہے، محشرستان تمنا ہے بجائے خود دل برباد کا ہر ذرہ دنیا ہے
اگر باقی رہا چندے یونہین ذوق نمود اُن کا ہزارون انقلاب آئینگے دنیا مین ابھی کیا ہے
یہ دنیا کیا ہے، امیدون کی اک ہنگامہ آرائی قیامت کیا ہے جلوے کا ترے بے پردہ ہونا ہے
نوید کامرانی پر مسرت کیا، کہ دنیا مین ہر اک ساز طرب سے نغمۂ ماتم بھی پیدا ہے
جو محروم بصیرت ہین، وہ بربادی کہین اسکو مری نظرون مین بربادی ہی فردوس تمنا ہے
اگر کچھ غور کرے، آدمی اپنی حقیقت پر تو یہ عقدہ بھی کھلجائے کہ وہ ذات خدا کیا ہے
مٹائین شوق سے وہ جسقدر چاہین مجھے رزمی بتا تو دین مگر بربادیون کی انتہا کیا ہے

ہندو مسلم اتحاد

بدی پر پھیر امسال چرخ کہن ہے — نہ ہے جوش قومی نہ حُبِّ وطن ہے
محبت ہے باقی نہ الفت ہے باقی — پڑی قوم میں پھیر ہے نا اتفاقی

دنیا کا رنگ کتنا دلفریب ہے۔ مگر کتنا ناپائدار۔ مظاہر کی گوناگونیوں کے لحاظ سے اس رنگ کی بھی مختلف قسمیں ہوسکتی ہیں مگر ایک فلسفی کی نگاہ مذکورہ بالا بھی اقسام میں اس دلفریبی اور ناپائداری کی نمود کو برابر دیکھتی رہتی ہے۔ جسکا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں خواہ وقت کی نسبت سے اس نمود کے استقرار کو دیرپا بھی کہا جا سکے ابھی کل کی بات ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ایک طے شدہ مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ موجودہ دفتری حکومت کی زیادتیوں سے تنگ آکر ہماری مصیبت زدہ قوم نے کلکتہ میں کانگریس کا خاص اجلاس منعقد کیا تھا۔ یہ ستمبر ۱۹۲۰ء کی بات ہے۔ وقتی مظالم سے نجات پانے کے لیے سوراج کا حاصل کرنا ضروری خیال کیا گیا اور اُسکے لیے تدابیر سوچی گئیں منجملہ دیگر تجاویز کے ایک تجویز ہندو مسلم اتحاد کے متعلق بھی پاس کی گئی۔ زمان بعد دو ڈھائی برس تک اس قرارداد پر جس خوبی کے ساتھ عمل درآمد ہوتا رہا اسکو دیکھتے ہوئے اس بات کا خیال نہ تھا کہ اتحاد مذکور میں دفعتاً اور اسقدر جلد کوئی نقص پیدا ہو جائے والا ہے جیسا کہ آج دیکھنے میں آرہا ہے۔ سرسری نظر سے دیکھنے والے کو اس نظارہ پر حیرت ہوسکتی ہے مگر در اصل ہمکو اس واقعہ پر کسی قسم کا تعجب نہ ہونا چاہیے۔ ہندو مسلم اتحاد کے مظاہرہ کو بھی دنیاوی رنگ کا ایک خوشگوار منظر ہی سمجھنا چاہیے۔ یہ رنگ بگڑتا بھی ہے اور کبھی کبھی مٹ بھی جاتا ہے لیکن کسی وقت پھر اپنی اصلی آب و تاب میں نمودار ہوتا ہے۔ ہر کہ آرا زوالے ہر زوالے را کمالے مسئلہ کا اطلاق بالعموم ہر حالت میں ہوسکتا ہے۔

یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ مادہ پرستی کے سبب ہماری حالت روبہ تنزل ہو رہی ہے اور قوم میں اسوقت دو ہماری برائیاں موجود ہیں جو اتحاد و اتفاق کی ازلی دشمن ہیں موجودہ حالت

کو بہتر بنانے کے لیے اسبات کی قدرتاً ضرورت ہے کہ ہمارے جذبات مین روحانیت کا کافی دخل ہو اور ہمارا طرز عمل اسی قسم کے جذبات سے برابر متاثر ہوتا رہے۔ دنیا کے بزرگ ترین شخص مہاتما گاندھی نے اس حقیقت کو عملی طریقہ پر محسوس کیا۔ قوم نے اُنکی بات کو پرکھا۔ اور اُن کی تجویز پر صاد کرنا پڑا۔

قوم نے اسبات کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ جب تک کوئی قوم مجموعی حیثیت سے نفسانی بندشون مین مبتلا ہے اسوقت تک وہ حقیقتاً آزاد نہین کہی جاسکتی، خواہ مادیت کے شیدائی صرف مادی نقطۂ خیال سے اُسکو کتنا ہی زیادہ آزاد تصور کرلین۔ المختصر ہماری قوم نے اپنے آپکو ہر طرح پاک بناتے ہوئے ارتقار کے راستہ پر گامزن ہونے کا تہیہ کرلیا۔ باہمی اتحاد رونما ہوا۔ اگرچہ اس اتحاد کا مطلب کل ہندوستانی قوم کا اتحاد تھا۔ لیکن قومی رائے کے موافق اسکو ہندو مسلم اتحاد کے نام سے نامزد کیا گیا۔ مگر فطرتی خاصیان یکایک عود رہو جانے والی چیزین نہین ہین۔ اسکے لیے سخت ریاضت کی ضرورت ہے۔ قدرت نے کام کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ انسانی کمزوریان سدراہ ہوئین ہندؤن اور مسلمانون مین اتحاد کے بجائے افتراق واقع ہونے کے آثار نظر آنے لگے۔ اور قومی مصلحین کے دلون مین ہلچل پیدا ہوگئی۔ لیکن ارتقار کی ابتدائی حالت مین اس قسم کے واقعات کا ہونا بالکل معمولی مگر عارضی بات ہے۔ اسمین شک نہین کہ یہ امر افسوسناک ضرور ہے مگر جبکہ قوم نے ایکمرتبہ اپنی پستی کا اندازہ کرلیا اور اپنے دل مین اُٹھنے کی ٹھان لی تو ہمکو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ بالآخر اُٹھکر ہی رہیگی۔ قدرت خود ہی اس باہمی نفاق کے مٹانے مین مدد دیگی۔ اور جس طرح صلح کے وجود کا دارومدار جنگ پر ہے اسی طرح افتراق سے ایک ایسا اتحاد پیدا ہوگا جو زیادہ سے زیادہ دنون تک قائم رہ سکے گا۔ جسقدر دنون سے برائیون کا اخراج ہوتا جائیگا۔ اُسیقدر اُن مین بھلائیون کی گنجایش ہو سکے گی اور اُسی نسبت سے ہماری قوم زوال کی پستی سے کمال کی بلندی کی طرف بڑھتی جائیگی مادیت پر روحانیت غالب ہوگی۔

اب ہمکو اُن باتون پر غور کرنا ہے جنکے سبب افتراق مذکورہ وقوع پذیر ہوا۔ جہانتک ہمارا خیال ہے موجودہ شدھی و سنگھٹن والی دو ہندو تحریکون نے ہی مسلمانون کو ہندؤن کیجانب سے بدظن کر رکھا ہے۔ ہم پہلے شدھی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہین۔ اگرچہ ہم اسبارہ مین اپنے اُس

مضمون مین مفصل بحث کر چکے ہین - جو ملکانون کی شدھی کے عنوان سے جولائی گذشتہ کے زمانہ مین شایع ہو چکا ہے یہان ہمکو صرف چند مزید باتون کا اظہار منظور ہے - ہم یہ تبلا چکے ہین کہ دنیا مین عام ارتقا کے حالت کا پیدا کرنا انسانی زندگی کا خاص الخاص مدعا ہے - اور اُسکے لیے اتحاد عام کا ہونا ضروری ہے - یہ ظاہر ہے کہ خیالات کی یکسانیت اتحاد کو ہمیشہ مکمل طریقہ پر قوی بنا سکتی ہے - گو کہ یکسانیت مذکورہ کے نہونے تک باہمی رواداری کے برتاؤ سے بھی ایک حد تک کافی کام چلسکتا ہے انسانیت آخر الذکر امر کی متقاضی ہے - اور قدرت اول الذکر کی قدرت کا تعلق راستی سے ہے اور راستی ہمیشہ واحد ہوا کرتی ہے - اسوقت راستی اور اُسکی اشاعت سے پیدا ہونے والی یکسانیت مین جو بات سب سے زیادہ خلل انداز ہو رہی ہے وہ مذاہب کی فراوانی ہے - پس راستی کی اشاعت کے ذریعہ وسیع ترین اتحاد کو جس حد تک بھی ممکن ہو، عالم وجود مین لانے کے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ بحالت مجبوری تبلیغ کی آزادی کو مکمل صورت مین برقرار رکھا جائے - اسکے ساتھ ہی انسانیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس تبلیغ مین جبر و تشدد کا شائبہ قطعاً نہو اس اہم شرط کو پورا کرنے کے لیے تبلیغی کامون کو صرف ایسے ہاتھون مین دینا ہوگا جو بہت ہی چیدہ تلے ہون پھر ایسی تبلیغ کے سہارے اگر مسلمان شدھ ہون یا ہندو مشرف باسلام ہون تو اسمین فریق مخالف کے بگڑ اُٹھنے کی کوئی وجہ نہین ہے - خصوصاً جبکہ کوئی جماعت محض عارضی طور پر (خواہ ایک مدت دراز تک بھی) ہندو یا مسلمان رہنے کے بعد دوبارہ بالکل اپنی خوشی سے اپنے قدیم مذہب کیجانب رجوع ہو تو اس واقعہ کے تعلق سے ہندؤن یا مسلمانون کا بُرا ماننا کسی طرح بھی قرین مصلحت یا قرین انصاف نہین ہو سکتا - اس قسم کے معاملات مین کسی فریق کا صرف اظہار ناراضگی کے ذریعہ غیر عملی رکاوٹ ڈالنا بھی جبر و تشدد کے نام سے ہی موسوم کیا جا سکے گا -

موجودہ افتراق کی دوسری وجہ ہندو سنگھٹن کی تجویز ہے - ہمکو اس تحریک کے اجزا مین بھی کوئی قابل اعتراض بات نہین دکھائی دیتی - انفرادی ترقی سے جماعتی ترقی اور جماعتی ترقی سے ملکی ترقی پیدا ہوتی ہے - پھر مختلف ترقی یافتہ ممالک متحد ہو کر تمام دنیاوی ترقی کا باعث ہوا کرتے ہین - ہر مخصوص جماعت مین کچھ ایسی مشترک باتین ہوتی ہین جنسے اُسکے ابتدائی ارتقا مین بہت مدد ملتی ہے - اور جبتک اتحاد عامہ کا معیار اُس جماعت کے پیش نظر رہے - اُس وقت تک اُسکی

ارتقائی کوششون سے کسی دوسری جماعت کو بدظن ہونے کی قطعی ضرورت نہین ہے۔
فی زمانہ انسانی کمزوریون کا واقع ہونا ایک عام بات ہے لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندو تمدن دنیا کا قدیم ترین تمدن ہے امتداد زمانہ کے سبب اُسمین قدرتاً کچھ ایسی کمزوریان پیدا ہوگئی ہین جو فی الجملہ ہندو قوم کے لیے ایک بڑی حد تک مانع اتحاد ہین - یہ ظاہر ہے کہ جو جماعت اپنے متعدد مشترکہ اصولون کے بنا پر خود ہی متحد نہین ہوسکتی وہ اُس اتحاد کامل کے احاطہ مین داخل ہونے کی کیونکر اہل ہوسکتی ہے جسکو مختلف ملکی جماعتون کا اتحاد یا ملکی اتحاد کہنا چاہیے، ہندو سنگھٹن والی تحریک کا اجرا اسی غرض سے کیا گیا ہے۔ اور کسی شخص یا جماعت کا اپنے اخلاقی نقائص کو دور کرنے کی کوشش کرنا یقیناً کوئی گناہ کی بات نہین ہے - ترک موالات کی تحریک خود اسی امر کی متقاضی ہے۔ البتہ وہ ہر صورت مین اتحاد چاہتی ہے ارتقا کے ابتدائی حالت مین عموماً اور بحالت موجودہ خصوصاً، باہمی اتحاد اس طریقہ پر قائم رکھا جاسکتا ہے کہ ملک کی مختلف جماعتین ازراہ ہمدردی جملہ حامیون کے دفعیہ مین ایک دوسرے کی مدد کرین۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ اس قسم کے روّیہ سے اتحاد مذکور کو کسقدر زیادہ تقویت ملے گی۔ بار منونیت سے گردنین جھک جائینگی۔ اور ہمارا اتحاد فی الواقع ایک بینظیر اتحاد ہوگا۔ خیالات مین رفعت، ارادون مین بلندی اور افعال مین انسانیت کا ظہور ہوگا۔ دلون مین عمل، برداشت اور رواداری کے تعلق سے، خاموش مقابلہ کی قوت پیدا ہوگی۔ قدرت اپنے کام کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھائے گی۔ یہی ہماری آزادی کا پیش خیمہ ہوگا۔ اور ساتھ ہی دنیا کے حقیقی آزادی کا بھی۔

یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ ہمین اپنی آزادی کو غیر آشتی ذرائع سے حاصل کرکے دنیا کو روحانیت کا سبق دینا ہے۔ وہ دنیا جو مادیت سے کافی تنگ آچکی ہے اور جسکی آنکھین اطمینان قلبی کا خیر مقدم کرنے کے لیے روبراہ ہین قدرت نے ہندوستان کی پاک سرزمین مین دور جدید کا آغاز کرتے ہوئے دنیا کی رہنمائی کے لیے ہمین کو منتخب کیا ہے۔ یہ خاصی فخر کی بات ہے۔ لیکن فخر ہمارے لیے اُسیوقت شایان ہوسکتا ہے جب ہمین اُس کام کی اہمیت کا بھی بخوبی احساس ہو جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے یہ ٹھیک ہے کہ قدرت اپنے کام کو کسی دن پورا کرہی لیگی مگر اسمین شک نہین کہ وسائل کی درستی سے اُسکی مقصد برآری نہایت آسانی کے ساتھ اور کم سے کم وقت مین ہوسکے گی،

اس درستی کا ہزارمہت کچھ ہمارے ہاتھون مین ہے جیساکہ ہم پہلے دکھلا چکے ہین پس ہمکو اپنے طرز عمل مین سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ صرف ریاضت اور نفس کشی کے ذریعہ ہم اُس پاک فرض کو ادا کر سکین گے جو قدرت کے تعلق سے ہم پر واجب الادا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب تک ہم خود غیر اشتدادی رویہ نہ اختیار کرین گے اسوقت تک ہم دنیا کو ہندا کے ذریعہ روحانیت کی تعلیم کیونکر دے سکین گے؛ جبتک ہم خود متحد نہ ہو جائین گے۔ اسوقت تک ہم ساری دنیا کی نسبت سے اتحاد عامہ کی پیدایش مین کیونکر مددگار ہو سکین گے؛

بہرحال آزادی کے ساتھ ہی تمام دنیا کے راہ نما بننے کی عزت کا حاصل ہونا بھی تو کوئی ایسی ویسی بات نہین ہے۔ علاوہ برین انسانی زندگی کی فضیلت اسی مین ہے کہ گناہون سے مجتنب ہو کر آتما کو زیادہ سے زیادہ پاک بنایا جائے انسان مین ایسا کرنے کی قابلیت موجود ہے اور یہی بات اُسکو دیگر حیوانات لایعقل سے ممتاز بنانیوالی ہے۔ البتہ قابلیت مذکور کو زیادہ سے زیادہ پیمانے پر عملی صورت مین تبدیل کرنے کے لیے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اصول متعلقہ کی عوام مین اشاعت کیجائے اور ہندو مسلمانون کے اتحاد باہمی کی کوشش کیجائے۔ پس ہر بہی خواہ ملک وقوم کا فرض ہے کہ وہ موجودہ نفاق کو جلد سے جلد مٹانے کی کوشش کرے یہ ٹھیک ہے کہ ملک مین لوگون کی ایک ایسی تعداد ہر وقت موجود رہے گی جو افترا پردازی پر آمادہ نظر آئے گی۔ لیکن ہمکو یقین رکھنا چاہیے کہ یہ کوشش بحیثیت مجموعی کبھی رائیگان نہین جائے گی۔ اور بالآخر تعداد مذکور اسقدر قلیل ہو جائے گی کہ اُسکا ہونا نہونا قریب قریب برابر ہوگا۔ محبت مین عجیب طاقت ہے۔ انسان تو کیا حیوان تک اس طاقت کے تابع ہو جاتے ہین۔ ہندو اور مسلمان دونون انسان ہین ملکی اعتبار سے دونون کے اغراض مشترک ہین۔ دونون کو ایک ساتھ رہکر جینا اور ایک ساتھ رہکر مرنا ہے۔ پس کوئی وجہ نہین کہ دونون مین محبت کے ساتھ معاملہ فہمی کی کوشش ہو اور کامیابی نہو کوئی وجہ نہین کہ محبت آمیز سلوک کی بدولت مایوسی بخش حالات بالآخر امید افزا مناظر مین تبدیل نہو جائین محبت اتحاد کی کنجی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جو کام سمجھنے سے ہو سکتا ہے وہ لڑنے سے نہین۔ ہمکو بعض لکچررون اور اڈیٹرون (یا مضمون نگارون) کی کوتاہ فہمی اور اُن کے سماندانہ رویہ پر سخت افسوس ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر

ہوجاتی ہے کہ فی زمانہ کسقدر کم لوگ ان کاموں کے اہل ہوسکتے ہیں۔ دونوں کے فرائض نہایت پاک اور اہم ہیں۔ دونوں کا کام اپنی تقریر یا تحریر کے ذریعہ عوام کے جذبات کو بلند کرنا اور انسانی ارتقا میں مدد دینا ہے۔ پس دونوں کے لیے متانت انصاف پسندی اور وسیع الخیالی کی سخت ضرورت ہے۔ مذکورہ بالا کاموں کی صلاحیت نہ رکھتے ہوئے ان کو اپنے ہاتھ میں اور اُن کی وساطت سے اپنی من مانی کرنا خود کو یقیناً ایک عظیم ترین گناہ کا مرتکب بنانا ہے۔ غور کرنیکی بات ہے کہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کی خانہ جنگیاں جاری رہیں تو بجز نقصان کے کس فائدہ کی امید ہوسکتی ہے؟ اس طریقہ پر نہ تو ہندو مذہب دنیا سے نیست و نابود کیا جاسکتا ہے اور نہ اسلام کا نام ہی مٹایا جاسکتا ہے۔ ہاں نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کی کھوپڑیاں پھٹیں گی۔ دونوں کو حکومت وقت کی جانب سے سزائیں دیجائیں گی۔ دونوں کا باہمی نفاق بڑھے گا۔ غیر ملکی طاقت کا آہنی پنجہ ملک کو زیادہ مضبوطی کے ساتھ پکڑیگا اور ہماری غلامی کی زنجیریں کڑیوں کا برابر اضافہ ہوتا جائے گا۔ ہمکو ان باتوں کے تعلق سے علامہ اقبال کے دو شعر یاد آگئے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

نشان برگ گل تک بھی نہ چھوڑا اس نے گلچیں — تری قسمت سے جھگڑے ہو رہے ہیں باغبانوں میں
نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو — تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

درحقیقت لڑائی کا قدرتی نتیجہ مٹ جانا ہے۔ اسکی ذمہ داری کسکے سر ہوگی؟ اُنھیں متعصب، تنگ نظر، اور کوتہ اندیش اصحاب کے جو کام کی اہلیت نہ رکھتے ہوئے بھی کام کرنے پر تلے ہوئے ہیں پھر کتنی شرمناک بات ہے کہ یہ کام مذہب کے پاک نام پر جاری رکھا جاوے جس مذہب کا تعلق قدرت سے ہے اور جسکی غایت غرض یہ ہے کہ دنیا میں ارتقائی کمال کی نمود ہو۔

خدا کرے یہ دن نہ آئے۔ ہمیں تو یقین واثق ہے کہ ایسا دن کبھی نہ آئے گا۔ اشاعتی کاموں کو بگاڑ کر لوگ خواہ مخواہ گنہگار بنجائیں۔ ممکن ہے کہ اس سے کچھ پریشانیاں پیدا ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ عارضی ہوگی۔ موجودہ وقت کے مقدس ترین مہاتما گاندھی نے جیل سے نکلکر اس مسئلہ پر بھی توجہ کی ہے۔ آزادی کی دیوی کتنی ہی قابل قدر قربانیوں کی بھینٹ قبول کرچکی ہے اور کرتی جارہی ہے، ملکی آبادی کا نصف سے زائد حصہ (جسکو فی الجملہ کسانوں کا طبقہ کہنا چاہیے اور جو فی زمانہ دنیا میں سب سے زیادہ ایماندارانہ طبقہ ہے) متواتر فاقہ کشی کے ذریعہ خاموش "برت" کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ محض بے سود

ثابت ہوگا۔ کام کے سنوارنے والے اشخاص کی تعداد مین گونہ اضافہ ہوگا۔ ملک مین اتحاد کا دور پھر آئیگا۔ ہندوستان آزاد ہوکر دنیا کی ترقی مین مدد دے گا۔ عہد کمال اپنا جلوہ دکھائے گا۔ اور قدرت کا مقصد پورا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک دن کا نہین ہے۔ ایسی حالت مین ہم خدا سے دست بدعا ہین کہ ہم ابتدا مین جادہ اتحاد کو بعجلت صرف اسقدر توطے کرلین کہ دنیا کی اُن امیدون مین عمومیت پیدا ہوجائے جنکو ابھی صرف اُسکے خاص خاص افراد نے ہمارے ملک کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ فی الحال اسی کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اور اتنا ہی کافی بھی ہے۔

اقبال و ماسحر

انگلستان مین اخبارات کی بنا "ایتھینیل ہیرس ویکلی نیوز" سے پڑی۔ جو اول اول ۱۶۲۲ء مین شائع ہوا تھا لیکن پہلا روزانہ اخبار "روزنامہ کورنٹ" تھا جسکا پہلا پرچہ ۱۷۰۲ء مین شائع ہوا پہلا شام کے وقت نکلنے والا اخبار ایوننگ پوسٹ تھا جو اول مرتبہ ۱۷۰۲ء مین شائع ہوا۔ رفتہ رفتہ اور معمولی اخبارات شائع ہوتے رہے مگر وہ زیادہ مدت تک جاری نہ رہے۔ کچھ مدت گذری کہ پیرس سے ایک عجیب اخبار شائع ہوا تھا۔ اسمین انسان کی ٹانگون کے متعلق ہر قسم کی واقفیت بہم پہنچائی جاتی تھی۔

اسپین مین بہت مدت گذری ایک اخبار شائع ہوا تھا اسکا نام "لوی نیریا" تھا۔ یہ اخبار روشنائی مین فاسفورس ملاکر چھاپا جاتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اُسے لوگ اندھیرے مین بھی پڑھ سکین۔

"لی ماشاور" (رومال) کے نام سے ایک اخبار پیرس مین نکلتا تھا۔ یہ کپڑے پر طبع ہوتا تھا۔ اور پڑھنے کے بعد اسکے خریدار اس سے رومال کا کام لے سکتے تھے۔

اسی قسم کا اخبار "برتواڑس پولیٹیکل ہیڈ کرچیف" کے نام سے نکلتا تھا جو اول اول ۱۷۰۳ء مین شائع ہوا۔ اسکا طول و عرض ۱۰×۱۱ انچ تھا اور قیمت چار پنس تھی۔

۱۸۳۱ء مین ایک اخبار نیویارک سے شائع ہوا آجتک دنیا مین اس سے زیادہ بڑا اخبار شائع نہین ہوا اسکی لمبائی چوڑائی ۴×۶ فٹ تھی اسکا نام "لیومینٹیگو ریویل ٹیلیگین" تھا یہ اخبار صفحہ پر شائع ہوتا تھا اور ہفتہ تک چلا گیا۔ اسکی تیاری مین لگ بھگ سو آدمی اسکے بانیون کا ارادہ یہ تھا کہ اس اخبار کی ایک کاپی سالانہ شائع ہوا کرے۔ (حامد اللہ افسر)

بحر ترنم

(دیش بندھو داس کے جواہر افکار)

(۱)

آج اتفاقاً تیرا دیدار حاصل ہوگیا۔ تیری ذات عجیب و غریب ہے۔ تجھ کو ہمیشہ شعبدہ بازیون مین مزا آتا ہے۔

ٹھہر ٹھہر۔ تھوڑی دیر ٹھہر۔ مجھ پر عنایت کر۔ میرے واسطے رُک جا کہ مین اپنے ترانون کی لڑیون مین تجھکو گوندھ لون۔

ماہتاب کا زرد نور ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور بحر خاموش۔ عالم خواب مین مست تھہرا ہے۔

اگر یہ سچ ہے کہ تو واقعی یہان جلوہ فرما ہے تو اے تبسم ریز پر اسرار ہستی آ۔ اور میرے لبون پر قیام کر۔ ورنہ مین کسوقت تیرا ذکر اپنے ترانون مین نظم کر سکونگا۔

ابھی تھوڑی دیر اور ٹھہر، رُک جا۔

سمندر کی ترانہ سنجیون اور اپنے دل کے بے صدا نغمون کے ساتھ تجھکو بھی نظم کا جامہ پہناؤنگا اور اس جامہ زیبی کی شان تمام محاسن شاعری سے بدرجہا افضل ہوگی۔ اس طرح جب مین تیرا ذکر نظم کرونگا تو تو میرے دل کے لافانی گوشۂ تنہائی مین پابستہ ہو جائیگا۔

ہان تو کیا تو جامۂ خواب سے متزین۔ سرمست آہنگ جاودانی۔ اور لایزال و غیر متحرک ہوکر اپنی پوری آن بان کے ساتھ اُس گوشے مین قیام نہ کریگا؟۔

(۲)

اے سمندر۔ اسوقت جب سپیدۂ صبح نمودار ہو رہا ہے اور ہر طرف نوری نور حلقہ زن ہے

مین اپنے کانون کو ساز موسیقی بناکر تیری ترانہ سنجیان سن رہا ہون۔
آہ، کیسے کیسے الفاظ تیری زبان رطب فشان سے نکل رہے ہین۔ کیسی دلفریب اور سریلی دھن ہے جسکو سن سن کر میرا دل طلاطم خیزی پر آمادہ ہے۔ مگر پھر بھی میری عقل یہ عقدہ حل کرنے سے قاصر و خاسر ہے کہ آج ہنگام سحر یہان کسکی آواز مین سن رہا ہون جو تیری صدا سے ٹکرا ٹکرا کر گونج رہی ہے۔

(۳)

میری نگاہ شوق صرف صبح صادق کی طرف لگی ہوئی ہے۔ میرے دلمین تیرے گیت بھرے ہوئے ہین۔ اب آہستہ آہستہ اور نہایت فرحت بخش لہجے مین تیرا راگ چھیڑ رہا ہے۔ اولے یہ اہنوان نغمون کی آواز تیز ہوگئی ہے۔ اور جسوقت اس آواز مین لوچ پیدا ہو جاتا ہے۔ بیساختہ میری آنکھین آبدیدہ ہو جاتی ہین۔

بعض مرتبہ تیری آواز دیوانون کی طرح عالم وحشت مین بازگشت کرنے لگتی اور سننے والون کو مجنون بنا دیتی ہے۔ ہان ہان مجھے بتا کہ تیرے گیت مین یہ کیا چیز مستور ہے۔ جو صدا دے رہی ہے یہ تیرے گیت مین آہین بھرنے لگتی اور کبھی ہنستی اور کبھی روتی ہے اور میرے جسم کا ایک ایک عضو کانپ اٹھتا ہے۔ ہان ہان کانپ اٹھتا ہے مگر تیری روح کا نغمہ لافانی سن سن کر۔
اور میری نگاہ صرف سپیدہ سحری کی طرف لگی رہتی ہے۔

(۴)

دیکھو دیکھو صبح نے اپنی بانسری چھیڑ دی۔ اسکی آواز ہر طرف گونج رہی ہے اور غور کرو کہ یہ کسقدر مسرت آموز ہے۔ عالم نورا علیٰ نور مین آفتاب کی شعاعین تیرے جسم پر اپنا پرچم حکومت لہراتی اور سنہرے رنگ کی موجین مارتے ہوئے پانی مین پھول کھلا رہی ہین۔ اور وہ پھول اس فضائی زندگی مین مست ترنم ہو کر تیرے قدمونپر گرے پڑتے ہین۔
اب تیری آواز موسیقار بن گئی ہے جو اپنے سنہرے رنگ کے چمکدار بازوؤن کو پھیلا پھیلا کر نشۂ محبت مین چور اور بہار کی بیخودی سے مسرور میرے دل کے وسیع آسمان پر مائل پرواز ہے۔

(۵)

آہ وہ سینہ کہان ہے جسپر مین اپنے سر کا بار رکھون۔ اپنے آنسوؤن کا تحفہ کسکو نذر کرون۔

آج کا روز نہایت طرب اندوز ہے اور کسی کو یہ مجال نہین کہ میری مسرت بے اندازہ کو روکدے یا میرے اضطراب ناگہانی سے چشم پوشی کرے۔

میرے سرور سرمدی کی دولت آج اپنا جلوہ دکھائے گی۔ آج میرے تمام آلام سرود ترنم مین ظاہر ہوکر رہین گے۔

راگ مین بھی عجیب و غریب قوت تسخیر ہوتی ہے۔ میری سمجھ ہی مین نہین آتا کہ یہ پھولون کی کیاریان کس طرح ہلتی اور کانپتی جاتی ہین۔ تھرتھرا رہی ہین۔

اے سمندر۔ بتا۔ تو ہی بتا کہ آج کا دن جو نہایت مسرت خیز ہے میرے دل کا بار کون سنبھالیگا۔

(۶)

وہ راگ جو آج ہنگام سحر ایک ایک موج گا رہی ہے۔ ہان وہ راگ میرے دلمین اچھی طرح سماگیا ہے ہوا اور آسمان و زمین وہی ایک راگ گا رہے ہین۔

تو نے میری کیا حالت بنادی ہے۔ میرا دماغ ایک صد تارہ طنبورہ بنگیا ہے اور جسوقت تو اپنی نرم نرم اور نازک نازک انگلیون بخشش دیتا ہے۔ تو وہ طنبورہ تھرتھرانے لگتا ہے اور صدا دینے لگتا ہے۔ اسوقت نہایت بلند اور دلکش آواز مین ساز موسیقی چھڑ جاتا ہے۔

(۷)

دیکھو اوشا دور دراز منزل جاودان، سے تیرتی ہوئی چلی آرہی ہے اور اسکے اندام فرحت بخش شام پر خوابہائے ناز کے نور سپید کا ملبوس زینت بخش ہے۔

لہر پر لہر اس سفید سفید تنویر خواب ہین۔ خوابون کو فراہم کر رہی ہے۔ آسمان پر نور پھیلا ہوا ہے۔

ہر طرف ایک جاودانی راگ چھڑا ہوا ہے۔ ہوائین سکتے مین ہین اور اپنے ارمانون سے معمور سینے کو موسیقی بناکر تو راگ کی سرمستی مین آواز کو ساکت کرتا ہے۔

اور سازندۂ ازلی۔ تیری ترانہ سنجیون کی صدا کس عالم مین سنائی دیتی ہے۔ کس خاموش دنیا مین؟ ہان کس صبح دوامی کے عالم سکون مین؟۔

(۸)

مین تقریر کے ہنر سے بالکل ناآشنا ہون۔ زباندانی مین مجھے ذرا بھی دخل نہین، نہ مین راگ کی دھن سے واقف ہون۔ نہ تان، لے اور سُر سے آشنا؛

لیکن میرے دل کے اندر آزاد اور غیر محکوم آسمان کا قیام ہے۔ ذات لاانتہا کے پرتو سے میرا کاشانہ دل سراسر معمور ہے اور مجھے اسکی صدا نور کے تڑکے اور رات کی تاریکی مین۔ تیرے گیت کے اندر مستور۔ سنائی دیتی ہے۔

مین نے اپنے دل کے کواڑ کھولدیئے ہین۔ اور مین خود اپنی ذات کو، تیری ترانہ سنجی مین تلاش کر رہا ہون۔ اور اس عجیب غریب ہم آہنگی مین سے محض چند گیتون نے میری روح کو اُبھار دیا ہے۔ انھین گیتون کو مین تیرے قدوم پر تصدق کرتا ہون۔

(۹)

تمام دن میرے دلمین تیرے راگ کی صدا سنائی دیتی ہے ہان ہان مین تیرے ہاتھون مین ایک ستار بن گیا ہون۔ جسکو تو چھیڑ چھیڑ کر بجاتا ہے۔ مین بالکل تیرا ہوگیا ہون۔ ہان تو میرے تارون پر اپنا راگ چھیڑے جا۔ ہمیشہ جاری رکھ، دن کے وقت۔ رات کو، اندھیرے اُجالے، اور اس بحر کے ساحل پر جہان کوئی دوسرا موجود نہو۔ ہان ہان سناٹے کے عالم مین سقف گردون کے نیچے۔ جہان مایا کا دور دورہ ہے۔ جو ایک عالم پرتو نما ہے۔ نور کے تڑکے جب امید مین بیچین ہو ہوکر اپنا پوا زور دکھا رہی ہون اور ہان ایسی شام کے وقت جب خواہشات معدوم ہوجاتی ہین اور شوق بیحد اضطراب ابھرنے لگتا ہے۔

او مطرب خوشنوا۔ مین ستار ہون۔ اور تو مجھے چھیڑے جا۔ میرے تارون کو ترنم کرتا رہ اپنی نہایت تعجب خیز مایا کے عالم مین جہان اسوقت تک ظلمت کا نام و نشان نہین ہے۔ تو مجھے محو فغان رہنے دے۔

(۱۰)

تو میری زندگی کو تسخیر کر رہا ہے۔ ایسا کون کھیل ہے جو تو نے نہین کھیلا ہے۔ ان تو نے نہایت حیرت انگیز طریقے سے میرے دل کی آنکھین کھولدی ہین۔

میرا دل ایک غنچۂ ناشگفتہ تھا مگر تیرے راگ کی بدولت وہ کھل کھل کر اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ آہ میری زندگی اب ایک اچھی طرح کھلے ہوئے پھول کی مانند ہوگئی ہے جو نہایت خوشبو آمیز اور رنگا رنگ ہے اور اس پھول کے رگ وریشے میں مبہم اور عمیق ارمان پیوست ہیں۔

تیرے راگ نے میری زندگی کو ایک ساز لافانی بنا دیا ہے۔ سمندر اور اس ساز پر برابر شب و روز گیت گائے جاتے ہیں۔

(۱۱)

اُف۔ ساز مطربانہ کی صدائے دلکش سے اضطراب زدہ دل، راگ کے عجیب و غریب عالم میں مُرغ صفت پر پرواز تولے ہوئے ہے لیکن مجھے کسی مقام اور کسی زمانہ میں اسکی انتہا نہیں نظر آتی اور اسی لیے میں اُس خطۂ بے پایاں میں پر پرواز تو لکر ہوا کے جھونکوں سے کھیل رہا ہوں۔

اس صدائے جاودانی کی تنہائی بے انتہا ہے اور اس عجیب و غریب ساز کی کنین بھی محروم آواز ہیں۔

میں راگ کی اس دنیائے جاودانی میں مستغرق ہوگیا ہوں، اور مجھے کہیں اور کبھی اس کی گہرائی کا پتہ نہیں لگتا۔

اُف راگ کا عمیق اور ناپیدا کنار سمندر بھی کیا چیز ہے، جسکے اندر نہایت خاموشی کے عالم میں میرے دل کا کنول کھل جاتا ہے۔

سی۔ آر۔ داس

گفتگو خوشگوار بغیر خوشامد کے مذاق آمیز بغیر بناوٹ کے۔ آزاد بغیر بدتہذیبی کے عالمانہ بغیر غرور کے اور بغیر جھوٹ کے ہونا چاہئے۔

سچ بولنا خوشنویسی کی مثال ہے: یہ عادت کا معاملہ ہے نہ کہ خواہش کا اور کوئی موقع جسمیں اس نیک عادت کی بنیاد مشق ہو چھوڑا نہیں کہا جاسکتا۔

جواہرات عالم

(ہیرا سانسی)

(۶)

اس ہیرے کے متعلق وثوق سے کہنا مشکل ہے کہ یہ کب اور کسطرح دستیاب ہوا۔ صرف ایک روایت یہ بیان کیجاتی ہے کہ اسکو تقریباً ۱۴۱۰ء مین سلطان ترکی نے ایک فرانسیسی سفیر کو عطا کیا تھا مگر یہ روایت بھی قابل یقین نہین کیونکہ تاریخی حیثیت سے اس ہیرے کا تذکرہ ۱۴۷۷ء کے میدان جنگ سے شروع ہوتا ہے۔

جب چارلس ڈیوک برگنڈی نے اپنی فوج مقام موراٹ مین جمع کی تو یہ ہیرا ایک بروچ مین لگا ہوا اسکی ٹوپی مین آویزان تھا۔ اسوقت تک اسکا کوئی نام نہ تھا۔ اور نہ یہ معلوم تھا کہ یہ ڈیوک کے پاس کسطرح آیا۔ ڈیوک اس ہیرے کو اس شان استغنا سے لگائے پھرتا تھا کہ گویا اس جنگ کو کوئی اہمیت ہی نہین دیتا مگر امید کے خلاف اسکو اس لڑائی مین شکست فاش نصیب ہوئی اور میدان جنگ سے اپنی جان بچاکر بھاگنا پڑا قاعدہ ہے کہ ہزیمت خوردہ فوج کی پسپائی مین نظم و ترتیب کا خیال نہین رہتا چنانچہ ڈیوک بھی اسطرح بھاگا کہ اپنے لیا دے اور ٹوپی کی بھی سدھ نہ رہی اور ٹوپی کے ساتھ ہیرا بھی مال غنیمت مین شریک ہوگیا۔

جب غنیم کے سپاہی، مال غنیمت کے لیے میدان جنگ مین گشت لگا رہے تھے تو سوئیس فوج کے ایک سپاہی کو ڈیوک کی ٹوپی ملگئی جسمین یہ ہیرا تھا۔ سپاہی بیچارہ اس قیمتی پتھر کی قدر و قیمت سے ناواقف تھا چنانچہ اسنے اس بروچ کو چند آنون مین ایک پادری کے ہاتھ فروخت کردیا پادری بھی اسکی اصلی قیمت سے بے بہرہ تھا۔ اسنے بھی اس ہدیہ روشن کو ناقابل استعمال سمجھکر فرانسیسی کمان افسر MONSIEUR DESANCI کو دیدیا اور اسکے عوض مین ایک قلیل سی رقم قبول کرلی۔ اس طرح یہ گرانبہا ہیرا خاندان سانسی SANCI مین آیا۔ اور اسی لقب سے مشہور ہوا۔

لہ اس سلسلے کے ابتدائی مضامین گذشتہ نمبروں مین شائع ہوچکا ہے۔

فلپ PHILIPPE DE COMMINES جو شاہ لوئی یازدہم کا مشیر خاص تھا اس ہیرے کو دنیا کا سب سے بڑا ہیرا لکھا ہے حالانکہ اسکا وزن صرف ۱۱/۱۶ ۲۴ قیراط تھا سبب یہ ہے کہ اوقت تک کوہ نور اور دیگر مشہور پتھروں کا یورپ کو علم ہی نہ تھا ورنہ کوہ نور وغیرہ کے مقابلہ مین اسکا چراغ اتنا روشن نہ ہوتا - یہ ہیرا اس خاندان مین کم و بیش ایک صدی تک رہا - شاہان فرانس اسکو ہمیشہ للچائی ہوئی نظرون سے دیکھا کئے مگر ان کو نہ مل سکا -

اسکی نسبت بھی پٹ ڈائمنڈ کی طرح فرمانروایان فرانس کا خیال یہ تھا کہ بیش قیمت ہیرا رعایا کے لیے موزون نہین - تاہم وہ اپنے قبضے مین نہ لا سکے - لیکن ایک صدی کے بعد (ہنری سوم) والی فرانس کی قسمت چمکی اور یہ بیش بہا چیز عجیب طریقہ سے اسکے ہاتھ لگ گئی -

واقعہ یون ہے کہ ایک مرتبہ ہنری سوم کو سپاہ اور روپیہ کی ضرورت ہوئی اور اسنے اس ہیرے کے مالک کو سپاہی بھرتی کرنے کے واسطے سوئزرلینڈ بھیجا - وہان کے باشندے فوج مین داخل ہونے کے لیے کثیر رقمین طلب کرتے تھے - شاہ ہنری کے پاس اتنا روپیہ نہ تھا اسلیئے اسنے اسکے مالک سے یہ پتھر عاریتاً مانگا تاکہ اسکو سوس گورنمنٹ کے پاس گرو رکھکر موجودہ مالی مشکلات کو رفع کرے - اظہار وفاداری نے کاونٹ کو مجبور کیا اور اس کو بادل ناخواستہ اس عزیز ترین شے کی جدائی گوارا کرنی پڑی - بادشاہ نے اس ہیرے کو کاونٹ کے ایک معتمد خاص کی معرفت سویس گورنمنٹ کے پاس روانہ کر دیا - لیکن وہ ملازم راستہ مین سے غائب ہو گیا - اس واقعہ سے بادشاہ کے غصہ کی کوئی حد باقی نہ رہی شبہہ یہ ہوا کہ اُسی معتمد خاص کی بدنیتی ہے اور وہ ہیرا لیکر کہین روپوش ہو گیا - مگر ڈیوک کو اسپر پورا اعتبار تھا کہ وہ کبھی ایسی بے ایمانی نہ کریگا - آخر ڈیوک خود چند آدمیون کو لیکر اسکی تلاش مین نکلا اور اُسی راستہ سے چلا جس سے ملازم گیا تھا - جستجو کے بعد ایک سنسان جنگل مین ملازم مذکور کی لاش ملی، جو راستے مین قزاقون کا شکار ہوا تھا - مرتے مرتے بھی وفادار ملازم اپنی وفاداری پر قائم رہا اور ہیرے کو قزاقون کی دست برد سے بچا لیا - کہتے ہین کہ ہیرے کو ملازم نے نگل لیا تھا - اور ڈیوک نے ایک حیرت انگیز طریقے سے اسے پھر حاصل کر لیا - غرض وہ ہیرا سوس گورنمنٹ کے بیان گرو کر دیا گیا - مگر پھر ہنری سوم نے اسے چھڑا کر شاہی جواہرات مین شامل کر لیا -

جب HENRIETTAMARIAH دختر فرانس کی شادی چارلس
والئی انگلستان سے ہوئی تو یہ ہیرا اسے جہیز مین ملا،

جسوقت انگلستان مین ایک عظیم بد امنی پھیلی اور والی انگلستان اجتماع فوج کے لیے
روپے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ملکہ میریا نے اس ہیرے کو چند اور قیمتی جواہرات کے ساتھ ارل ارسٹر
EARLY WARCESTER کے پاس جس خدمات اور وفاداری کے صلے مین
بھیجا اور ایک خط بھی لکھا۔ ارل اپنے آپ کو اس ہیرے کے نذر کرنے کا مستحق سمجھتا تھا۔ اسلیے
علیحدہ کر دیا مگر یہ وثوق سے نہین معلوم ہو سکا کہ کب اور کسطرح ایک روایت یہ ہے کہ اُسنے اُسکو
چارلس اوّل کو واپس کر دیا اور شاہ نے اسے پادری جنگسن BISHOP JUXON
کو دہائٹ ہال مین پھانسی چڑھنے کے وقت یہ کہکر دیا کہ اسے چارلس دوم تک پہونچا دے۔
اگر یہ واقعہ سچ ہے تو یہ پھر بادشاہ کے پاس کیون نہ نکلا جبکہ ملک دوبارہ واپس ملا۔ بہرحال
یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ ہیرا وہان نہ تھا۔

اس واقعہ کے تیس سال بعد یہ ہیرا جیمس دوم کے پاس واپس آیا جبکہ وہ
ST GERMAN مین جلاوطن تھا۔ مگر اسنے پھر اسکو بہت جلد لوئی چاردہم والی
فرانس کے ہاتھ پچیس ہزار پاونڈ (روپونے چار لاکھ روپیہ) کو فروخت کر دیا۔ اور اسطرح
یہ ہیرا پھر فرانس کے شاہی جواہرات مین شامل ہو گیا۔

یہ ہیرا تقریباً ایک صدی تک فرانس کے شاہی خزانہ مین رہا۔ اور ستمبر ۱۷۹۲ء کے انقلاب
فرانس مین چوری گیا انتہائی تجسس و تفحص کے بعد بھی اس چوری کا راز نہ کھلا۔ پولیس نے
سیکڑون مکانون کی تلاشی لی۔ بہتون کو اس شبہہ مین گرفتار کر لیا۔ دریائے سین کی گہرائیون
مین تلاش کیا۔ مگر یہ ہیرا نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اس ناکامی کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید اس ہیرے کے تراش
تراش کر ٹکڑے کر لیے گئے۔ اور یہ اصلی صورت مین کبھی نہ ملیگا۔

۱۸۳۰ء مین جب بربن BOURBONS فرانس سے ملک بدر
کیا گیا یورپ کے جوہریون مین پھر اس لعل نایاب کا چرچا ہونے لگا۔ واقعہ یہ تھا کہ یہ ہیرا اسوقت ایک
یہودی جوہری کے پاس سے برآمد ہوا۔ رفتہ رفتہ نصف درجن کے قریب اسکے دعویدار اٹھ کھڑے

ہوئے۔ اور فیصلے کے واسطے معاملہ عدالت مین رجوع کیا گیا۔ آخر ۱۹۳۲ء مین عدالت سے فیصلہ ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ہیرا فروخت ہو کر زار روس کے پاس پہونچگیا۔

۱۹۱۴ء مین یہ ہیرا شاہنشاہ روس کے شاہی خزانہ مین داخل ہوا۔ مگر ابتدائے جنگ مین انکا ذکر شاہ جرمن کے جواہرات مین کیا گیا ہے، اسکے بعد اب معلوم نہین کہان ہے

رام سرن نگم

"دولت"

دولت اچھی چیز ہے مگر ایمان اس سے بدرجہا بہتر ہے، خدا کی دی ہوئی نعمتین بیش بہا ہین اور اسی لیے انکو ہم نقد سے نہین خرید سکتے، سورج چاند ستارے اور فطرت کے سارے مناظر خدا نے ہمین مفت عنایت کئے ہین۔ دولت کے لیے ایمان کو چھوڑ دینا عقلمندی نہین

دولت	سے ہم	خوراک	خرید	کرسکتے	ہین	نہ کہ بھوک
"	"	نرم بچھونے	"	"	"	تندرستی
"	"	عینک	"	"	"	نیند
"	"	ہمنشین	"	"	"	نظر
"	"	مقوی غذا	"	"	"	دوست
"	"	کتابین	"	"	"	قوت
"	"	نفسانی خوشی	"	"	"	روحانی
"	"	سکون ظاہری	"	"	"	شانتی
"	"	نوکر	"	"	"	دلی خدمت
"	"	زیورات	"	"	"	خوبصورتی
"	"	خوشامد	"	"	"	محبت
"	"	مذہبی کام	"	"	"	ایمان

دیوانۂ ادب

ادیب کا دل، ادب لطیف کے پاکیزہ جذبات کا مرقع تھا۔ اور اُسکی آنکھیں حسنِ فطرت کی آئینہ دار۔ وہ جذبات فطرت کا پرستار۔ اور خیالات رنگین کا بندۂ محبت تھا۔ ساری کائنات اُسکی نظر میں جلوہ گاہ حسن تھی۔ فضائے بسیط میں اُسے حسن کی بجلیاں کوندتی نظر آتی تھیں ہوا کے جھونکے۔ اُسے حسن نظر فریب کے ترانے سنایا کرتے تھے۔ دریا کی موجیں اپنی مستانہ کروٹوں کے ساتھ گھونگٹ اُلٹ اُلٹ کر اُسے دلفریبی کی شان دکھایا کرتی تھیں۔ غنچوں کا غرق حسن ہو کر مسکرانا اُسکے دلمیں گدگدی پیدا کرتا تھا۔ پھولوں کی ہنسی اُسکے دل میں چٹکیاں لیتی تھی۔ زمین کا ہر ذرّہ آسمان کا ہر ستارہ اُسکی نظر میں مجسمۂ حسن تھا۔ جب اُسکے خیالات حسن فوّارا کی لہروں میں ڈوب کر نکلتے تو اسکا قلم عکاسی جذبات میں مصروف ہو جاتا۔

پہروں وہ گنگا کے کنارے بیٹھکر اُسکی حسین موجوں کے بل کھانے کا تماشا دیکھا کرتا۔ اسکی چمکتی ہوئی بالو میں پامال محبت قلوب کے ذروں کی جستجو کرتا رہتا۔ اور جب گھر پلٹ کر آتا۔ تو جو کچھ مشاہدے کیفیت آنکھیں دل سے کہتیں دل اُسے خیالات کے سپرد کر دیتا۔ اور خیالات کی مدد سے حسن پرست ادیب اُسے کاغذ پر نمایاں کرنیکی کوشش شروع کر دیتا غرض ادیب حسن فطرت کا داشناس تھا اور اسکا قلم حقایق کی دلفریب باریکیوں کا مصوّر۔ نام ادبی رسالوں میں اور اخباروں میں اُسکے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ رسالے پر نظر پڑتے ہی جس مضمون کیطرف پڑھنے والوں کی نگاہیں شوق سے اُٹھتی تھیں وہ اسی حسن پرست ادیب کا مضمون ہوتا تھا۔

ادیب اب تک آزاد تھا۔ اُسکے جذبات محبت رسم پرستش سے ناآشنا تھے۔ اُسکے دلمیں کوئی ایسی تمنا ہی نہ تھی جو کسی کی محتاج ہوتی۔ لیکن چند ہی روز میں ماں باپ نے اُسکی آزادی کو مسدود کر دیا۔ اور اُسکے سر ادارت کے لیے ایک آستانِ نازنیں ہونڈھ نکالا۔ یعنی اُسکی شادی

ایک معزز گھرانے کی پڑھی لکھی حسین و شیرمے ہو گئی اور اُسکے جذبات ایک ناز آفرین ہستی کے سپرد کر دیئے گئے۔ شادی ہوئی بیوی کو آئے ہوئے مہینوں گذر گئے۔ مگر شبستان عشق مین اب تک شبستان خیال کا رنگ ہے۔ پانی برس رہا ہے کالی کالی گھٹائین اٹھی چلی آتی ہین بجلی چمکتی ہے۔ بیوی غریب الگ بیٹھی ہوئی شوہر کی محویت کا تماشا دیکھ رہی ہے۔ اور ادیب کا حقیقت شناس دل حسن فطرت کی لطف اندوزیون مین محو ہے۔

بیوی حسین تھی۔ کم سن تھی لیکن شوہر کی طرح اُسکے خیالات حسین نہ تھے۔ بالفرض خیالات بھی حسین سہی لیکن اُسکی آنکھون مین شرم تھی۔ ایسی شرم جو دوشیزگی کے لیے مخصوص ہے ادیب چاہتا کہ بیوی حسن فطرت کی سیر مین اسکا ساتھ دے۔ اُسکی تمنا ہوتی کہ وہ نکھا سی خیال مین اسکی ہمخیال ہو مگر جب وہ اپنے خیالات رنگین کا گلدستہ اُسکے سامنے پیش کرتا۔ تو وہ مسکرا کر آنکھین نیچی کر لیتی بالآخر ادیب نے یہ فیصلہ کر لیا کہ بیوی اسکی رفیق زندگی نہین بلکہ پاؤن کی زنجیر ہے۔ خیال بھی عجیب چیز ہے۔ بیوی کا حسن بھی ادیب سے سفارش نہ کر سکا اور اُسنے یہ فیصلہ کر لیا کہ مان باپ نے قید کیا ہے۔ تو کیا ضرور ہے کہ مین بھی اپنی آزادی کو اس قید پر بھینٹ چڑھا دون خدا کی وسیع دنیا پڑی ہے۔ غرض پیچیدہ خیالات نے جنون کی صورت اختیار کی۔ اور جنون نے اسے صحرانوردی پر مجبور کیا۔ وہ ایک روز شب مین گھر سے نکلا اور تاریکی مین کسی طرف غائب ہو گیا۔

والدین نے تلاش کیا۔ عزیزون نے ڈھونڈھا۔ بیوی غریب بھی دل ہی دل مین کڑھی مگر حسن پرست ادیب کا کچھ سُراغ نہ ملا۔ اسی طرح دن ہفتے اور ہفتے ماہ و سال کی صورت اختیار کرتے رہے۔ لیکن اُس جویائے حسن کا کہین پتہ نہ چلا۔ آخر کار لوگون نے سمجھ لیا کہ وہ کسی اور جلوہ گاہ ناز کا پوجاری بن گیا۔

چار برس کے بعد۔ لاہور سے ایک ادبی رسالہ شائع ہوا ٹائیٹل پر لکھا ہوا تھا "حسن فطرت" اور اُسکے نیچے تحریر تھا "مرتبہ ادیب" پہلے مضمون کا عنوان "جذبات لطیف" تھا دوسرا مضمون "نمک پاش جراحت" کے عنوان سے کسی معزز خاتون کا تھا جسکے نیچے صرف "خاتون" لکھا تھا۔ یہ مضمون کسی اور رسالے سے لیا گیا تھا۔ ادیب نے اپنے نوٹ مین۔ اس مضمون کی بہت تعریف کی تھی اور حسن فطرت کیطرف سے "محرر نگار خاتون" کا خطاب پیش کیا تھا واقعی نمک پاش جراحت

عجیب و غریب مضمون تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ فصاحت و بلاغت کا دریا موجیں مار رہا ہے۔ اور ہر موج درد و اثر میں ڈوبی ہوئی۔ دوسری موج سے سلسلہ ملاتی چلی جاتی ہے۔

حسن فطرت کا پہلا نمبر اُسنے اپنے وطن میں بھی بھیجدیا۔ گھر والوں کو ایک خاص خوشی ہوئی۔ گویا کھوئی ہوئی چیز خود بخود مل گئی۔ دوستوں نے ادیب کو تہنیت کا خط لکھا۔ حسن فطرت کے خیر مقدم میں پرجوش کلمات تحریر کیے۔ اسطرح حسن فطرت نے ٹوٹے ہوئے سلسلہ کو پھر جوڑ دیا عزیزوں اور دوستوں سے خط و کتابت کی رسم از سر نو قائم ہوئی۔ اور گھر والوں کی آس بندھ گئی کہ ادیب ایک نہ ایک دن ضرور آئے گا۔

حسن فطرت کے ہر نمبر میں، سحر نگار خاتون کا کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ہوتا اور مضمون کے شروع میں چند خفی سطریں بھی ادیب کی طرف سے ضرور ہوتیں۔ اُسکے تیسرے نمبر میں، خاتون کی ایک دلفریب نظم ناکام آرزو شائع ہوئی یہ نظم قریب قریب ہر ادبی رسالے نے شائع کی اور سحر نگار خاتون کی تعریف سے ادبی دنیا کی فضا خاموش گونجنے لگی۔

ادیب سحر نگار خاتون کا غائبانہ پرستار تھا۔ وہ اپنے حسن عقیدت کو اپنے نوٹ میں اکثر ظاہر کر دیا کرتا تھا۔ اسکے مضامین میں بھی ایک عجیب تاثیر پیدا ہو گئی۔ وہ جب مضمون لکھنے بیٹھتا تو اُسکی یہ کیفیت ہوتی جیسے کوئی بندۂ محبت کسی آستان ناز پر چڑھانے کے لیے پھولوں کے ہار گوندھ رہا ہو۔ سحر نگار خاتون کو یاد کرتے کرتے اکثر اُسکے خیالات میں الجھن پیدا ہو جاتی وہ اپنی تقدیر کو کوسنے لگتا۔ اور تصور میں اپنے والدین سے مخاطب ہو کر شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دیتا۔ بیوی کی یاد اُسکے دلپر نشتر لگایا کرتی اور اکثر ایک ٹھنڈی سانس کھینچکر بول اُٹھتا۔ آہ وہ سحر نگار نہیں نہ سہی، کاش میری ہمخیال ہی ہوتی۔

حسن فطرت کی پہلی جلد مرتب ہو گئی۔ دوسری جلد کے بھی دو تین نمبر شائع ہو گئے۔

سحر نگار خاتون کے مضمون سے کوئی رسالہ بھی خالی نہ ہوتا تھا ادیب کے خیالات عقیدت سے محبت اور محبت سے عشق کے درجے پر پہونچ گئے۔ اُسنے سحر نگار خاتون کے تمام مضامین انتخاب کر کے کتابی صورت میں شائع کرنے کا شروع میں ایک زبردست دیباچہ تھا۔ جسکے ہر ہر لفظ سے محبت اور آرزو ٹپکتی تھی۔

ایک روز وہ دفتر مین بیٹھا ہوا کسی مضمون کو مرتب کر رہا تھا کہ ڈاکیہ نے ایک تار کا لفافہ لاکر سامنے رکھدیا۔ کھولا تو معلوم ہوا کہ اُسکے والد نے مکان سے تار دیا ہے۔ لکھا تھا کہ فوراً چلے آؤ۔ تار پڑھکر ادیب کچھ سوچنے لگا۔ جی مین آیا کہ تار دیکر مفصل کیفیت دریافت کرے پھر خیال آیا کہ شاید کوئی فوری ضرورت ہو۔ وہ اپنے والد کی ہستی کو ساری دنیا سے برتر سمجھتا تھا۔ دلمین طرح طرح کے پریشان کن خیالات آئے آخر اُسنے گھر جانیکا مصمم ارادہ کرلیا اور منیجر کو دفتر کا کام سپرد کرکے شام کی ٹرین سے وطن کیطرف روانہ ہوگیا۔

گھر پہونچا والد کے قدم چومے۔ باپ نے اپنے مدت کے بچھڑے ہوئے ہونہار بیٹے کو گلے سے لگایا۔ ادیب نے تار کی کیفیت پوچھی۔ باپ نے کہا سب خیریت ہے آجکل یہان طاعون کی شکایت ہے۔ تمہاری بی بی کو کچھ حرارت آگئی تھی۔ سب کی رائے ہوئی کہ تمہین بلا لیا جائے۔ چنانچہ تار دیدیا گیا۔ گھر مین جاؤ اپنی والدہ سے ملو۔ وہ تمہارے انتظار مین گھڑیان گن رہی ہین

بیوی کی علالت کا ادیب پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اور پھر اُسکے والد نے کچھ ایسے معمولی لفظون مین حال بیان کیا کہ جو اثر ہوا تھا۔ وہ بھی مٹ گیا۔ گھر مین قدم رکھتے ہی ماں دوڑکے ادیب سے لپٹ گئی۔ روتی جاتی تھی۔ اور بلائین لیتی جاتی تھی۔ ادیب کی آنکھون سے بھی آنسوؤن کا تار بندھ گیا۔ گھر کے چھوٹے بڑے سب ادیب کے گرد جمع ہوگئے تھوڑی دیر رو لینے کے بعد ماں کے آنسو تھمے۔ بیٹے کو لاکھون دعائین دین۔ پھر کہا بیٹے تیرا دل ایسا پتھر ہوگیا کہ چار برس تک صورت بھی نہ دکھائی۔ ایک مہینے کی بیاہی ہوئی دلھن کو بھی چھوڑ گیا۔ دیکھ تو وہ کل سے تیرے لیے کیسا کیسا تڑپ رہی ہے۔ ماں کے آنسوؤن نے ادیب کے دل کی حالت ہی بدل دی تھی۔ اب اُسپر ہر بات کا اثر ہو رہا تھا۔ پوچھا آخر تڑپنے کا سبب۔

ماں نے کہا۔ بخار ہے اور بڑے شدت کا بخار ہے۔

ادیب کا دل خود بخود دھڑکنے لگا۔ بیوی کی بیکسی پر ترس آگیا۔ اپنی بیرخی یاد آگئی دلمین کہنے لگا۔ مین گنہگار ہون۔ ماں نے پھر کہا۔ چلکے دیکھ لو۔ ابھی ایک گھنٹہ پیشتر کہہ رہی تھی کہ ان خدا جانے تار پہونچا یا نہین پھر تار دلوا دو

اسکے بعد ماں نے کمرہ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادیب بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ کمرے مین

دیکھا۔ بیوی غریب بستر پر پڑی ہے چہرہ بخار سے تمتما رہا ہے ادیب کے دل پر ایک خاص اثر ہوا کہنے لگا ہائے ان کو بخار کی غفلت کب سے ہے۔

ماں بولی ابھی دو گھنٹہ پہلے اُٹھ کے بیٹھی تھیں۔ قلم دوات لیکے خط لکھنے لگیں۔ مینے منع کیا تھا کہ لیٹ جاؤ بخار کم ہو جائیگا تو خط لکھ لینا۔ اسپر کہنے لگیں "مین اچھی ہون خط ضروری ہے" خط لکھکر بکس مین رکھدیا پھر لیٹ گئیں نیند آگئی ہوگی۔

سامنے کرسی پڑی ہوئی تھی ادیب چارپائی کے قریب کرسی کھینچکر بیٹھ گیا۔ ان قصداً باہر چلی گئی۔ ادیب حسرت سے بیوی کا چہرہ دیکھ رہا تھا دلمین طرح طرح کے خیالات کا تلاطم برپا تھا۔ اپنی بے اعتنائیو نپر خود نفرت کر رہا تھا۔ اتنے مین مریضہ نے ایک آہ کے ساتھ آنکھ کھولدی بخار کے اثر سے آنکھین سرخ ہو رہی تھین۔ ادیب کو پہچانکر ہونٹو نپر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ کہنے لگی اچھا ہوا آپ آگئے۔ ورنہ یہ تمنا بھی ساتھ ہی جاتی۔

ادیب کا دل بھر آیا۔ آنکھون مین آنسو امنڈ آئے آواز گلے مین رُک گئی کسی مایوس زندگی کی آنکھین دیکھکر دلکو قابو مین رکھنا آسان نہین ہوتا۔ بیوی نے پھر کہا۔ وقت کی قدر کرو۔ میری بات سُن لو۔ خدا جانے کب زبان بند ہو جائے۔

ادیب جوش گریہ سے از خود رفتہ ہو رہا تھا مگر کیا کرتا۔ موقع ایسا ہی نازک تھا۔

بھرائی ہوئی آواز مین بولا ہان ہان کہو کیا کہتی ہو۔

مریضہ نے کہا۔ رونے دھونے سے کیا حاصل۔ مین پھر کہتی ہون کہ وقت کی قدر کرو، زندگی کا اعتبار نہین۔ میری تمنا تھی کہ میری صحت مین تم یہان آتے۔ مگر خیر اب بھی غنیمت ہے چارپائی کے پاس میرا صندوقچہ رکھا ہے۔ اسکو دیکھ لینا یہان پہونچکر مریضہ پر پھر غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

ادیب اسوقت وہ سحر طراز ادیب نہ تھا وہ ایک مجسمہ غم تھا۔ ایک لفظ بھی منہ سے ٹھیک نہ نکلتا تھا کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کہ منہ سے ایک چیخ نکلگئی جو آنسوؤن کے جھرمٹ مین درد و غم کا پیام لیکر دل سے نکلی تھی۔ چیخ سنکر ادیب کی ماں کمرے مین آگئی۔ گھبراکے پوچھنے لگی کیا ہوا۔ ادیب کچھ نہ کہہ سکا۔ اُسنے بیٹے کے آنسو پونچھے۔ تسکین دی اور کہا تم اسقدر گھبراتے ہو۔ بخار کی

غفلت ہے۔ ابھی طبیعت سنبھل جائے گی۔ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ مریضہ کے لیے سونا مفید ہے نیند آگئی ہو گی سونے دو۔ ادیب چپ تو ہو گیا۔ مگر کلیجہ منھ کو آرہا تھا۔ بار بار رونے کو جی چاہتا تھا۔

ادیب کی ماں نے بہو کی پیشانی پر ہاتھ رکھکر کہا۔ اب بخار بھی کم ہے سو کے اُٹھینگی تو طبیعت سنبھل جائیگی۔

ادیب کی طبیعت کو ذرا تسکین ہوئی خیال آیا کہ وہ صندوقچے کے متعلق کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں تھیں۔ لاؤ اُسے کھولکے دیکھوں۔ پلنگ کے دوسرے طرف صندوقچہ رکھا تھا۔ آہستہ سے اُٹھکے اُسطرف گیا۔ کنجی صندوقچے پر رکھی تھی۔ کھولا تو سب سے اوپر ایک کاغذ نظر آیا اُٹھاکے پڑھنے لگا۔ اوسمیں لکھا تھا۔

"ادیب" وہ راز جو اب تک زبان پر نہ آیا تھا۔ آج افشار ہوتا ہے۔ تمنا تھی کہ کسی مسرت کے موقع پر یہ کہانی کھونگی لیکن موت پر اختیار نہیں اسکو کسیکی آرزؤں کی پروا نہیں ہوتی۔ اسوقت تو مجھے یہ بھی امید نہیں کہ میری زندگی میں تم اس صندوقچے کو دیکھو گے۔ آہ کیسا ہونا تھا کیا ہو گیا۔

ادیب تم حرف پہچانتے ہو۔ پہچانو۔ کیا یہ تمہاری سحر نگار خاتون کا خط ہے۔ صندوقچہ کے نیچے کا حصہ کھولو۔ اوپر ایک مضمون پاؤ گے جو حسن فطرت میں شائع ہونے کے لیے لکھا گیا ہے۔ اب میں حسن فطرت کی شبستان نازمیں جاتی ہوں وہاں بھی تمکو اور حسن فطرت کو یاد رکھوں گی تمنے میرے ساتھ تغافل برتا میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ میرے دلکی تڑپ سفارش کرتی ہے۔ کہ خدا بھی تمہیں معاف کرے۔

تمہارے مرضی کے مطابق میں تمہارے رنگ میں شامل ہوئی۔ تم میرے۔ دلمیں تھے میں تمہارے دلمیں جگہ حاصل کر لی۔ مضمون ہی کا ایک ایسا ذریعہ تھا کہ میں تمہارے تغافل کو شکست دے سکتی تھی۔ اس راز کو سوائے میرے میکہ کی۔ بہن کے کوئی نہیں جانتا۔ جنکی معرفت تم تک میرے خطوط آتے جاتے تھے۔ اچھا رخصت۔ امان خط لکھنے کو منع کرتی ہیں۔ تم آگئے تو میں تمہیں ایک نظر دیکھ لونگی۔ ورنہ یہ تمنا بھی دل ہی میں رہجائے گی۔ اب طبیعت نڈھال

ہوتی جاتی ہے۔

"تمہاری سحر نگار خاتون"

خط پڑھکے ادیب کی آنکھوں مین دنیا تاریک ہوگئی۔ دماغ کے احساس مین کمی آنے لگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ طبیعت گہری نیند مین ڈوبی چلی جارہی ہے۔ صندوقچہ کے نیچے کا حصہ کھولا تو ایک مضمون ملا "ایک مایوس زندگی کی آرزو" اُسکے نیچے وہ خطوط تھے جو خود ادیب کے تھے۔ ایک طرف حسن فطرت کے پرچے قرینے سے رکھے تھے۔ دوسری طرف وہ مجموعۂ مضامین تھا جو اُسنے شایع کیا تھا۔

ادیب کے دماغ پر ایک ہلکی سی غفلت طاری ہونے لگی دیکھنا سب کچھ تھا۔ مگر ان کا کوئی خاص اثر دماغ پر مترتب نہوتا تھا۔ صندوقچہ بند کررہا تھا کہ مریضہ نے آنکھین کھولدین۔ تپلیان پھر رہی تھین، ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اسنے ہاتھ بڑھاکے رُکتی ہوئی آواز مین کہا۔ پیارے ادیب رخصت دل کی تمنا دل ہی مین رہ گئی۔ خوشی ہوئی کہ میری زندگی ہی مین راز کا انکشاف ہوگیا۔ اب سحر نگار خاتون کو کبھی نہ دیکھوگے۔ حسن فطرت کی کشش مجھے کھینچ رہی ہے۔

آنکھین جھپکنے لگین اور رفتہ رفتہ بند ہوگئین۔ موت کی گہری نیند نے مریضہ کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا۔ اِس منظر کا ادیب کے دل و دماغ پر ایسا اثر پڑا کہ وہ بیہوش ہوکر اُسی صندوقچے پر گر پڑا۔ دو تین گھنٹے کے بعد اُسے ہوش آگیا۔ مگر حقیقتاً وہ ساری عمر بیہوش رہا۔ باقی عمر اُسنے قبرستان مین بسر کی۔

سب اُسے دیوانۂ ادب سمجھتے تھے۔ لیکن اُسکے دل کا حال کسیکو بھی معلوم نہ تھا۔

اعظمی

نغمۂ روح پرور

صاحبدلے بدرسہ آمد ز خانقاہ — بشکستہ عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عابد و عالم چہ فرق بود — تا اختیار کردی ازان این فریق را
گفت اُو گلیم خویش بدر می برد ز موج — وین جہدی کند کہ بگیرد غریق را

سعدی علیہ الرحمۃ

عبرت

(ایک قصہ)

(۱)

گدائی پور جیسا نام ہے ویسا گانون نہین، یہان شریف انفس لوگ آباد ہین جو دیہاتی زمینداروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہین اور آبا و اجداد کی شرافت و نام پر جان دیتے ہین۔

یہان موجودہ طریقۂ تعلیم کا رواج نہین، نہ کوئی بی۔ اے ہے۔ نہ ایم۔ اے۔ مگر سنسکرت کے جاننے والے اکثر موجود ہین جو قوم کے براہمن ہین۔ جنکے حکم کے مطابق یہان کے رسم و رواج برابر مذہبی قاعدون کے بموجب چلے جاتے ہین۔

شام اور صبح کے قدرتی مناظر یہان قابل دید ہین، جسکا مقابلہ نہ شام اودھ کرسکتی ہے نہ صبح بنارس روزانہ کھلی ہوا مین رہنا۔ روشن فضا مین کام کرنا اہل قریہ کا شعار ہے، جاڑے مین گانون والے الاؤ کے گرد آگ تاپنے کے لیے جمع ہوتے ہین اور گرمی مین باغ کے درختون کے نیچے سایہ مین ہنس بول کر زندگی بسر کرتے ہین، جاڑے مین نہ انھین گرم کمرے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ گرمی مین خس خانے کی جہان دو چار آدمی مل بیٹھے، کھیتی باری کی باتین شروع ہوگئین، پاس بیٹھے ہوئے بچون کو موسمی کہاوتین سناکر اور اپنے ذاتی تجربے بتاکر ایسی نتیجہ خیز تعلیم دیتے ہین جو موجودہ سائنس والون کی تعلیم سے زیادہ سہل اور زیادہ موثر ہوتی ہے۔ سب کے سب اسی پرانی لکیر کے فقیر ہین اور اسی علم سینہ سے کام لیتے ہین جو پشتہا پشت سے انکی گھٹی مین چلا آتا ہے۔ یہانتک کہ اپنے ابا و اجداد کے روش سے رتی برابر بھی کسکنا عیب سمجھتے ہین۔ اور پیدائش موت۔ شادی۔ غمی مین انھین رسوم کی پابندی کرنا فرض جانتے ہین جو باپ دادا سے ہوتے آتے ہین۔

بابو رام جیاون سنگھ اسی گانون مین رہتے ہین، پہلے زمانہ موافق تھا، لیکن اب عسرت مین بسر ہوتی ہے

تھوڑی سی زمینداری بھی ہے، باپ دادا نے جو دولت جمع کی تھی، وہ اونہین کے زمانے مین دان پن کی نذر ہوچکی، اور رام جیاون سنگھ کے زمانہ مین وہ اگلی باتین کہانی ہوگئین،

ان کے باپ رام کھلاون سنگھ بڑے حوصلے کے آدمی تھے، اس گانون مین ابتک لوگ انھین کے کنوؤن سے پانی پیتے اور آب پاشی کرتے ہین، انھین کی پاٹھ شالہ مین لڑکے پڑھتے ہین - انھین کے پوکھرے سے مویشیون کی پیاس بجھائی جاتی ہے - اُن کے اس پُر لطف کھانون کے مزے لوگون کو ابتک یاد ہین جو اس سہ منزلہ مکان کی تعمیر کے بعد لڑکے کی شادی کے موقع پر برادری کو کھلایا گیا تھا -

رام جیاون سنگھ جب اپنے باپ کے زمانہ کی یادگارون کو دیکھکر اُس زمانہ کا تصور کرتے ہین تو دل پر سانپ لوٹ جاتا ہے، لڑکی شادی کے قابل ہے، خاندانی حوصلے کے موافق توکرنا درکنار معمولی طور سے بھی انجام پانا مشکل ہے، گانون والے انھین حوصلہ دلاتے ہین، باپ دادا کی حوصلہ مندیون کی داستان سناتے ہین مگر بیچارہ رام جیاون مجبور ہے - مفلسی بُری ہوتی ہے، دولت ہوتی ہے تو حوصلے بھی پیدا ہوتے ہین -

نام کی زمینداری ہے - دو بیل کی کھیتی ہوتی ہے - جس سے صرف اسیقدر پیدا ہوتا ہے کہ کسی طرح سال کا حساب سال مین پورا ہو جاتا ہے - ایک کوڑی فاضل نہین بچتی، پھر حوصلے کے مطابق خرچ کہان سے آئے، بیوی کے پاس کچھ زیادہ زیور بھی نہین جو باپ دادا کی فیاضیون کی لاج رکھنے کے لیے کافی ہوسکتین ہان چند ہلکے پتلے زیور جو اونکی بیوی میکے سے لائی تھی ضرور موجود ہین مگر اونکے متعلق رام جیاون کا یہ خیال ہے کہ تلک اور جہیز مین کام آئین گے -

(۳)

مفلسی مین عقل زایل ہو جاتی ہے اور اکثر کام خراب ہوجاتے ہین - لوگ خودکشی کر لیتے ہین - جنگلون مین بھاگ جاتے ہین - دشمنون کے قابو مین پڑکر برباد ہو جاتے ہین - مفلسی کی اذیت موت سے بھی بدتر ہوتی ہے، مرنے کے بعد انسان دنیا کے جنجال سے چھوٹ جاتا ہے لیکن مفلسی اُس کو زندہ درگور بنائے رکھتی ہے - مفلس کی حالت بعینہ ویسی ہی ہوتی ہے، جیسے خشک درخت - بے پانی کا تالاب یا بے بال و پر کی چڑیا -

رات کے دس بجگئے ہین رام جیاون سنگھ اپنی دہیاتی کیٹی سے جو بابو رام سمجھ رائے کے پاس والے دالان مین بچھے ہوئے پیال پر تھی ایک عجیب مایوسانہ و شکن و پر ملال خیال لیکر گھر آیا اور ایک درد آمیز

دلمحزون آواز سے کواڑ کھولنے کے لیے اپنی پیاری اور دور اندیش بیوی کو آواز دی۔

مزاج دان۔ دور اندیش سلیم الطبع اور ذی فہم بیوی انکی آواز سنتے ہی شوہر کے قلبی رنج اور مایوسانہ خیال کو لہجہ ہی سے تاڑ گئی۔ فوراً دوڑکر کواڑ کھولدیئے۔ اور ہنسکر بولی۔

گبولال کی طبیعت کل سے بہت خراب تھی آج تو ایشور کی کرپا سے بہت اچھی ہے، ابھی وہ مجھسے بولا ہے۔ آپ کو یاد کرتا تھا۔ یہ کہکر اٹھالائی اور گود مین دیکر کہنے لگی۔

بیٹا! یہ تمہارے چاچا آئے۔ گبو لال! گبو لال!

لڑکا جاگ اٹھا چونکہ واقعی طبیعت کیسقدر روبصحت ہوگئی تھی۔ لڑکے نے ہنسکر باپ کی گود مین آنکھین کھول دین۔ ہاتھ پاؤن مارنے لگا۔

لڑکے کو دیکھکر رام جیاون سنگھ کے پریشان خیالات مین سکون کے آثار پیدا ہوگئے اور ذرا دیر کو طبیعت بہل گئی۔

لڑکی بھی جسکا سن ابھی صرف ۷ سال کا تھا چونک پڑی۔ باپ کے پاس آبیٹھی ماں کے کہنے پر پانی لائی۔ باپنے منھ ہاتھ دھوکر کھانا کھایا اور اپنے بستر پر جالیٹا۔ بچہ سو رہا تھا۔ لڑکی کو بھی نیند آگئی رام جیاون سنگھ پھر اسی خیال مین غوطہ کھانے لگا اور بیوی سے مخاطب ہوکر بولا۔ شام دیئی کی ماں! "لڑکی کی شادی کے دو تین روز انہ ایک دن کی زیادتی ہوتی جاتی ہے سمبند کوئی اچھا ملتا نہین کہ پوت کے ساتھ ہمارے اور تمہارے سر کا بوجھ ہلکا ہوجائے"

"آپ کہتے نہ تھے کہ ٹھاکر رگھبیر سنگھ نے بڑے پور کے بابو صاحب کے یہان والا سمبندھ ٹھیک کرلیا ہے"

"ہان ٹھیک تو کرلیا ہے"

"پھر اس مین کیا بکٹ (قباحت) ہے لڑکا بھی سنتی ہون انگریزی کے نوین درجہ مین پڑھتا ہے سن بھی اچھا ہے۔ خوبصورت بھی ہے۔ دو برس کے بعد کرڈالو"

"کیسے کرڈالون۔ آج تو نائکا آدمی ٹھاکر رگھبیر سنگھ کے پاس انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی پتری لیکر آیا ہے اسمین لکھا ہے" (یہ کہکر خاموش ہوگئے)

"چپ کیون ہوگئے کیا لکھا ہے)؟"

"وہ لکھتے ہین کہ اگر رام جیاون سنگھ کو اسال کرنا ہو تو کرلین مین ڈیڑھ ہزار روپیہ تک لونگا"

"تو آپ کی کیا رائے ہے"

"میری رائے کیا ہے۔ مین کہان سے ڈیڑھ ہزار لاؤنگا۔ اسی تردد مین ہون"

"پھر تردد کس بات کا۔ کیون لوگون کی رائے پر آپ اتنا اونچا سمبندھ تلاش کرتے ہین جانے دیجئے۔ لڑکی کچھ بڑھی نہین ہوئی جاتی۔ ابھی تو بچہ ہے۔ بچپنے کی شادی بھی اچھی نہین ہوتی۔ کیسی پڑے کیسی نپٹے آپ انکو صاف جواب لکھ دیجئے۔ اطمینان سے تلاش کیجئے۔ تیرہ چودہ برس کے سن مین لڑکی کی شادی کیجئے گا"

"رام جیاون سنگھ (ٹھنڈی سانس بھرکر) ہان انکو تو مین جواب ہی دیدونگا۔ لیکن شادی کا امسال کرنا بہت ضروری ہے"

"کیون بہت ضروری ہے۔ ابھی تو لڑکی بچہ ہے"

"تم کیا جانو۔ لوگ ابھی سے آوازے کستے ہین۔ اگر امسال چوکا تو لڑکی کی نوچ کا ٹھ ماری ہی جائیگی۔ میرا منھ بھی برادری سے کالا ہوگا۔ اور باپ دادا کا نام بدنام ہو جائیگا"

"منھ کالا ہونے کی کونسی بات ہے۔ ایسی حالت مین سمجھ سے کام لینا چاہیئے۔ جب سمبندھ ہی اچھا نہین ملتا۔ تو کیا لڑکی کو کنوئین مین ڈھکیل دیا جائے۔

"تم اپنے خیال مین موافق اسے کنوئین مین ڈھکیلنا کہو۔ مجھے تو برادری کا رسم و رواج طور و طریق دیکھنا ہے"

یہ کہکر کروٹ بدل لی اور اسی خیال مین ڈوب گیا۔ نیند آگئی۔ سوگیا۔ صبح ہوئی۔ ٹھاکر گنگا بیر سنگھ کو جواب لکھا۔ اور اسی وقت سے نسبت کی تلاش ہونے لگی۔

(۳)

گدائی پور کی صبح آج کچھ ایسی انوکھی صبح ہے۔ کہ اگر اسے دولت پور کی صبح کہا جائے تو نامونزون نہ ہوگا۔ ایک غیر معمولی ہل چل ہے۔ رام جیاون سنگھ کے دروازے پر رگھو پور کے پادری صاحب کی یاردری کھنچی ہے۔ مکان کے قریب والے باغ مین بابو رام سروپ سنگھ کا عالیشان شامیانہ کھڑا ہے گانون والے رام جیاون سنگھ کے اس مستعار انتظام کی نمایشی تعریفین صرف اوپری دل سے کرتے ہین، رام جیاون سنگھ پھولا نہین سماتا اور اپنی لڑکی شانا دیوی کی شادی کی خوشی مین باہر

ہوا جاتا ہے، اسکی نسبت ایک سب جج صاحب بہادر کے ساتھ طے ہوگئی ہے۔ جنکی رشوت ستانی کی چاردانگ عالم مین دھوم ہے۔ قریب پنشن کے پہونچے ہین۔ ابھی تین مہینہ کے بعد ایک ایسے ہی مقدمہ کی علت سے خدا خدا کرکے گلو خلاصی ہوئی ہے۔ بس انداز بہت ہے۔ موضع دولت پور کے رہنے والے ہین۔ اپنے موضع مین روپے والے کہے جاتے ہین، قرب وجوار کے مواضعات سے بھی لین دین ہے۔ گذشتہ سال کے بیضہ مین بیوی مرگئی، اب دوسری شادی کی خواہش ہے۔ کئی ایک بچے بھی ہین چھوٹا بھائی جسکی عمر اسوقت چالیس سال کی ہے ان سے سولہ برس چھوٹا ہے اور کسی ضلعے مین منصف ہے۔ خاندانی رشوت ستانی ساتھ ہے۔ نوروپیہ روز سود کی آمدنی ہے۔ جسکی وجہ سے دولت نے گھر دیکھ لیا ہے۔

رام جیاون سنگھ صاحب۔ آبا و اجداد کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی روشن کرنے کے لیے ایسی ہی دولت کی تلاش مین تھے۔ چاہتے تھے کہ اگر میری شادی اور برم بھوج کے کھانون کا مزہ ابتک نہین بھولا تو میری لڑکی کی شادی کے کھانون کا مزہ کیون بھولنے لگا۔ کم از کم اُسے ایسا تو ضرور ہونا چاہیے کہ لوگون کی زبان سے یا تو وہ مزہ بھولجائے یا اسکا مزہ بھی اس مزے کے ساتھ یاد رہے۔ اسلیئے انھین نہ تو اس نسبت سے بہت خوشی ہوئی۔ بیوی کو ناگوار ہوا مگر اسکی سنتا کون۔ یہان تو ناامنظور کا خوف تھا نہ لڑکی کی زندگی کے برباد ہونے کا ڈر۔

در پردہ دولت پور کی دولت کہانی پورین کھینچ آئی۔ دھوم سے۔ پکوان پک رہا ہے۔ دینے کا نام تک نہین آیا۔ بلکہ اس ہنسی خوشی کے زمانہ مین بابو صاحب کے کچھ ایسے آبائی علاقہ بھی چھوٹ گئے، جو کہ عرصہ دراز سے گردی تھے۔

بابو صاحب کے دروازے پر جم غفیر ہے۔ نئی، پرانی رعایا۔ دوست، دشمن۔ سکار۔ ریاکار، خوشامدی سبکے سب آج دوست بنے ہوے بابو صاحب کی مدح سرائی کر رہے ہین۔ نامین۔ دھوبن بادن۔ ہروا ہے۔ چرواہے سب بابو صاحب کی فیاضی کے مداح ہین۔

شام ہوئی۔ بارات آئی۔ بیاہ ہوگیا۔ بابو صاحب مالامال ہوگئے۔ ناچ رنگ سب نے دیکھے لڑکی سسرال جاکر بغرض پرورش پھر واپس آئی۔

اس شادی سے لڑکی کو تو نفع پہونچ چکا، البتہ رام جیاون کا دلی ارمان پورا ہوگیا۔ لڑکے

کے نام بھی کافی منافع کی جائداد ہوگئی۔ دروازے پر گھوڑا بندھ گیا۔ ایک چھوڑ دو دو بیل گاڑیاں رکھ لی گئیں۔ بیسیوں نوکر چاکر کام کرنے لگے۔ گویا زمانہ ہی بدل گیا۔

بیوی کبھی کبھی اس شادی کے نتیجہ سے متوحش و پریشان ہوتی۔ لڑکی کو دیکھ کر خون کے آنسو روتی۔ اور رام جیاون سنگھ کے اس عیش و آرام کو دیکھکر دل ہی دل میں مسوس کر رہ جاتی۔ لیکن بس ہی کیا تھا۔ وہ ہزار چیخی چلائی مگر رام جیاون سنگھ نے ایک نہ سنی۔ سچ ہے جب انسان کو اپنے آرام کی خواہش دام تزویر میں لے لیتی ہے۔ تو انسان کی عقل اندھی ہو جاتی ہے اور نتیجہ تک پہونچنا دشوار ہو جاتا ہے۔

(۴)

ان واقعات کو ایک زمانہ گزر گیا، شادی کے تھوڑے دن بعد شاما دیوی بیوہ ہو گئی۔ سخت دل اور ناعاقبت اندیش باپ اُسے تیرتھ کے بہانہ سے بھیجکر پیچھے ہی میں بنارس چھوڑ آیا۔ اور دولت و کامرانی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ ساری توجہ گبولال کی تربیت میں صرف ہونے لگی گبولال سن شعور کو پہونچا۔ تو رام جیاون نے اسکی شادی ایک رئیس کے یہاں کر دی۔ بیٹے کی اولاد دیکھنے کی تمنا تھی۔ مگر جب گبولال کے گھر میں منگل گانے کا وقت آیا تو رام جیاون سنگھ نہ رہے۔

دنیا اپنا کام کئے جاتی ہے۔ شادی و ماتم کا ساتھ چلا جاتا ہے۔ رام جیاون سنگھ نہیں ہیں لیکن گبولال کے لڑکے کی برہی (بارھواں دن) کی دھوم ہے۔ آج گدائی پور میں پھر جشن کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ لوگوں کا اصرار ہے کہ بنارس سے رادھا بائی بلائی جائے۔ گبولال کو روپیہ کا تو کچھ خیال نہیں ہے، صرف خیال ہے تو یہ ہے کہ رادھا بائی آئے گی تو کیسے اور لائیگا تو کون۔ وہ تو بغیر صاحب خانہ کی گفت و شنید کے اپنی جگہ سے ہلتی ہی نہیں۔ اور بنارس کا سفر بھی کوئی معمولی سفر نہیں ہے جو بیس گھنٹے میں۔ ای۔ آئی۔ آر کا اکسپریس اپنی پوری رفتار سے جاتا ہے۔

بنارس میں رادھا بائی کے گانے کی دھوم ہے، کوئی محفل اسوقت تک آراستہ نہیں سمجھی جاتی جبتک رادھا بائی اوسکی رونق محفل نہو۔ گانے کے علاوہ حسن صورت میں بھی رادھا بائی بنارس میں صرف ایک ہے،

غرض برادری کے دباؤ عزیز و اقارب کے اصرار سے قہر درویش برجان درویش بابو گبول سنگھ

صاحب گھر کے انتظام کاروباریون کے ذمہ چھوڑ کر رادھابائی کے لینے کو چلدیئے - بنارس پہونچے ۸ بجے رات کو رادھابائی کے مکان پہنچ گئے، رادھابائی نے بڑی آؤ بھگت سے بٹھایا اور بولی -

"کہیئے آپ نے کیسے تکلیف کی"

بابو صاحب - میرے یہان جیٹھ سدی چھٹھ کو جشن مولود ہے - ایک شب کی تکلیف دینا چاہتا ہون رادھابائی - گو میرے پاس وقت نہین ہے - مگر جی چاہتا ہے کہ آپکی بات کو رد نہ کرون - بتیرے کہان جانا ہوگا -

بابو صاحب - موضع گدائی پور ضلع لائل -

گدائی پور کا نام سنتے ہی رادھابائی چونک پڑی - اور بابو گبو لال کو سر سے پیر تک بغور دیکھنے لگی، پھر ذرا سنبھل کر بولی -

"کیا وہی گدائی پور جو سمن پور کے قریب ہے؟"

بابو صاحب - ہان ہان وہی گدائی پور

رادھابائی - اب تو بالکل بیچین ہوگئی مگر ذرا اور قلب مضطر کو سنبھال کر بولی - بابو صاحب معاف فرمایئے گا مجھے تو جہانتک معلوم ہے گدائی پور مین تو کوئی رئیس اس قابل نہین -

بابو صاحب - کیا آپ نے بابو رام جیاون سنگھ مرحوم کا نام نہین سنا ہے - وہ تو بہت بڑے مشہور رئیس تھے -

رادھابائی - باپ کا نام سنتے ہی تھرا گئی ضبط کا یارا نہ رہا - قریب تھا کہ چیخ کر بھائی کے گلے کا ہار بن جائے - مگر ذرا سخت دلی سے کام لیکر بولی -

رادھابائی - اور آپ کا نام کیا ہے -

بابو صاحب - مجھے گبو لال سنگھ کہتے ہین - مین انھین کا لڑکا ہون -

اتنا سننا تھا کہ رادھابائی کی آنکھون سے آنسوؤن کی جھڑی لگ گئی - اور بے اختیار گبو لعل کے قدمون پر گر کر بولی -

بھیا! گبو لعل - اب مین اس دروازے پر جانے کے قابل نہین ہون - مین تمکو دو سال کا چھوڑ کر وہ ہونے پر بابو کے ساتھ بنارس آئی تھی - وہ مجھے یہین چھوڑ کر چلے گئے - میرا گھر کا نام شاما

دیوی ہے۔ دولت پور کے سب جج صاحب میرا بیاہ ہوا تھا۔

(۷)

کیا بات ہے کہ آج گدائی پور کے ہر گھر دن سے آہ و ماتم کے نالہ بلند ہین۔ جسے دیکھو وہی حیران۔ پریشان ہے۔ جو ہے ننگے سر ننگے پیر بابو گبو لعل سنگھ کے مکان کیطرف دوڑا جا رہا ہے۔ گھر کے در و دیوار سے رونے کی صدا آتی ہے۔ دروازے پر خاک برستی ہے۔ مایوسی چھائی ہے اب نہ وہ اگلی سی خوشی ہے۔ نہ چہل پہل، ابھی تو بچے کی برہی بھی نہین ہوئی۔

بابو گبو لعل بنارس سے واپس آئے تو بدنصیب مان سے اس واقعہ کی تصدیق کی، واقعہ سچا نکلا، زندگی انہین بنارس ہی مین دوبھر معلوم ہو رہی تھی، سنکھیا وہین سے لیتے آئے تھے۔ آخر غم سے نجات پانے کیلئے سنکھیا سے مدد لینی پڑی۔

اسوقت گبو لال بستر مرگ پر پڑے ہوئے ہین دم توڑ رہے ہین، بے اختیاری مین کبھی کبھی ہائے شیاما دیوی زبان پر آجاتا ہے۔ تھوڑی دیر مین گبو لعل کا اضطراب کم ہوتے ہوتے کم ہو گیا۔ اور اس آگ نے جو رادھا بائی کے کوٹھے پر لگی تھی انکے متاع حیات کو جلا کر خاکستر کر دیا،

سید حمید قریشی ملہلی

جذباتِ ٹیگور

وہ جو ہمیشہ میرے ہستی کی گہرائی اور تابانی و درخشانی کی شفق مین جاگزین رہی، وہ جسنے کبھی مجھ سے پردہ نہین کیا، اے میرے خدا! مین اُسے اپنے نغمہ آفرین کی آغوش مین لیکر تیری خدمت مین تحفہ کی صورت مین پیش کرونگا۔

میری دنیا اپنی سینکڑون شمعین تیرے شعلہ سے روشن کریگی۔ اور انہین تیرے سجدہ کی قربانگاہ پر رکھدیگی۔

میرا عشق بھی عشق مجاز مین تیری ہی طرف، ان سب کا میلان تھا، تیری آنکھون کی ایک فیصلہ کن نگاہ، اور میری زندگی ہمیشہ کے لیے تیری ہو جاویگی۔

(ترجمہ) افتخار الرسول بدر

جذباتِ سلیم

وہ عالمِ تجلّی جب بے نقاب ہوگا
ہر ذرّہ کی بغل میں اِک آفتاب ہوگا

رکھتے ہیں اس چمن جو دیدۂ بصیرت
گلبرگِ تر نظر میں اُن کی کتاب ہوگا

وہ راہ کی فضا کا کیا کر سکے نظارہ
جو راہِ زندگی میں پا در رکاب ہوگا

آنکھیں کھلیں گی تیری زاہد کنارِ کوثر
سائے میں تاک کے تو گر محوِ خواب ہوگا

جلوے سے تیرے دِل پر کوندیں گی بجلیاں سی
جب تیرا اے تمنّا عہدِ شباب ہوگا

ناچیں گی دل میں کب تک یہ عیش کی اُمنگیں
اِک روز یہ شبستاں غافل خراب ہوگا

ارنی زبان سے کہکر جب منتظر تھیں آنکھیں
موسےٰ کے دل میں یارب کیا اضطراب ہوگا

میری وفائیں کتنی ان کی جفائیں کتنی
اس کا حساب فیصل روزِ حساب ہوگا

اے روح کیوں چمک کر اُڑتی نہیں فضا میں
کب تک شرر کے منہ پر خاکی نقاب ہوگا

بادِ بہار سے ہے گلزار میں تلاطم
دنیائے رنگ و بُو میں پھر انقلاب ہوگا

ہم غنچے کا تبسم رکھتے ہیں نام جس کا
بلبل کے دل کا شاید وہ اضطراب ہوگا

پھولوں سے ہیں بگڑتے تاروں سے ہیں جھگڑتے
ایسا بھی کوئی یارب مستِ شباب ہوگا

پہنچے غبار اُڑ کر جو رہگذر سے تیری
وہ فصلِ گل کے منہ پر رنگِ شباب ہوگا

اے عالمِ تجلّی جو پہنچے تیری حد میں
وہ طائرِ تصوّر جلکر کباب ہوگا

ٹھوکر سے حوصلے کی تجھکو جگا دُں گا میں
تو اے نصیب غافل گر محوِ خواب ہوگا

ارمان ہیں میرے دلمیں گردن اُٹھا کے بیٹھو
یاں آنے میں کیونکر انکو حجاب ہوگا

پھر اُن کو لکھ رہا ہوں افسانۂ تمنّا
پھر نامہ طول پاکر مثلِ کتاب ہوگا

اے تذکرے کیا گذری ہوگی تجھپر
جب تاک کی نظر میں تو محوِ خواب ہوگا

ہاں اے سلیم ہوگی تیری جبیں منوّر
گر خاکِ در سے اُسکی تو فیضیاب ہوگا

وحید الدین سلیم

محشرِ خیال

جی رہا ہے کہ مر گیا کوئی
کاش اتنا تو پوچھتا کوئی

جسنے دیکھا مجھے وہ کہہ اُٹھا
اس جنون کی ہے انتہا کوئی

لے بیٹھے ہین دلمین کیا کیا کچھ
ہمسے پوچھے تو مدعا کوئی

دیکھکر آئینے مین اپنا شباب
آئینہ بن کے رہگیا کوئی

ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی
بنگیا قدرتِ خدا کوئی

کہے جاؤن گا اِنسے مین اچھا
کہے جائے مجھے بُرا کوئی

آپ اثر لین نہ لین قصور معاف
بات کہنے کی کہہ گیا کوئی

چپ لگی یون کہ پھر نہ بُول سکا
عمر بھر اتنا چپ رہا کوئی

چھیڑیئے چھیڑیئے جہانتک ہو
لُطف ہوگا جو رُو دیا کوئی

نہ بگڑیئے تو اتنا ہم پوچھین
ناز بیجا کی انتہا کوئی

ہوئے برہم دعا مین دیکر
یہ بھی شاید کہ ہے خطا کوئی

مرض عشق کے لیے محشر
نہ دوا ہے نہ ہے دعا کوئی

محشر لکھنوی

شام وصل

اے دلنواز اے سبب زیست عاشقان — اے ہمسواد خال ورخ زلف مہوشان
تجھ سے امید وبیم کے جلوے ہوئے عیان — پردہ مین تیرے حسن دل افروز ہی نہان

مے عشق کی چھلکتی ہے تیرے ایاغ مین
تیری ہی دلکشی ہے کہان باغ وراغ مین

اللہ رے ناز وتمکنت وعشوہ وحجاب — کیا نت نئی نمود ہے کیا عالم شباب!
آنچل شفق کا دوش پہ۔رخ پرسیہ نقاب — کرتی ہین شوخیان تری خود تجھ سے یون خطاب!

امروز شاہد انجمن دلبر آن یکیست
دلبر اگر ہزار شود دلبر آن یکیست حافظ رح

زیر نقاب رخ یہ نہین ہے نگین حسن — آغوش عشق مین ہے کوئی نازنین حسن
اے لیلیٰ سمن بر وائے مہ جبین حسن — ہمرنگ آسمان ہے تری سرزمین حسن

بیخود ہے ہر ادا تری مستانہ چال پر
خود ناز کہہ رہا ہے "ذرا دیکھ بھال کر"

ہر دل ہے تیری دید کا ارمان کش وصال — ہر آنکھ کو ہے حسرت نظارۂ جمال
گویا زبان نطق تری مدح مین ہے لال — شاہد ہے تیرے حسن کا خود رب ذوالجلال

وَاللَّیل کہکے مرتبہ تیرا بڑھا دیا
شان اِذَا سَجیٰ کا تماشا دکھا دیا

تیرا وصال روح روان راحت جہان — تیرا جمال آئینہ حسن دلستان
تیرے سواد مین ہے بیاض سحر نہان — نیرنگ انقلاب ہین تیری دو رنگیان

ہے تجھمین ساز عشرت وسامان غم کبھی
الجھن کبھی خلش کبھی یاد صنم کبھی

تسکین قریشی

شاعر کی دنیا

جلوہ ہائے حسن فطرت، ذرہ ہائے کائنات
ہے ہر اک وجد ترنم ریز نئی ساز حیات

کسقدر حیرت فزا ہے یہ فضائے آسمان
یہ ستاروں کا چمکنا، یہ بہار جاودان

جلوہ گستر آسمان کی سطح پر ہے ماہتاب،
بے حجاب اسوقت ہے اک شاہد رنگین نقاب

اک نمود سیمیا ہے منظر حیرت فزا
ہے تعجب خیز تاروں کا نکلنا ڈوبنا

کیف افزا یہ خموشی، یہ سکون منتقل
ان مناظر سے طرب اندوز ہے شاعر کا دل

مطلع مشرق سے نکلا آفتاب صبح خیز
پتہ پتہ، ذرہ ذرہ ہو گیا پھر جلوہ ریز

طائران خوش نوا پھر ہو گئے نغمہ سرا
گونج اٹھی جن کے نغموں سے گلستان کی فضا

نسیم صبح پھر اٹھکھیلیاں کرنے لگی
گلرخوں کے پیرہن میں رنگ و بو بھرنے لگی،

ہو گیا خوشبو سے پھولوں کی معطر پھر دماغ
دھو دیے شبنم نے پھر شاعر کے دلکے سارے داغ

دن ہوا آخر، چھپا مغرب میں جاکر آفتاب
شاہدان شب نے چہروں سے اٹھایا پھر نقاب

پھر نئے سر سے وہی آراستہ محفل ہوئی
پھر نظر شاعر کی سوئے آسمان مائل ہوئی

یہ سمندر کا محیط بیکران، یہ کوہسار
یہ لب جو کی فضائے دلفریب و سبزہ زار

یہ ترشح روح افزا، اور یہ کالی گھٹا
یہ فضائے آسمان میں بجلیوں کا کوندنا

پھر نشاط و کامرانی کے ہوئے سامان بہم
پھر دل شاعر سے رخصت ہو گئے رنج و الم

پھر خیال آیا اُسے کچھ، پھر اُٹھی اُسکی نظر
پھر طلسم دہر کا منظر ہوا زیر و زبر

ہے نگاہوں میں کبھی سدرہ، کبھی باغ جنان
کوئی دیکھے تو سہی اُسکی نظر پہونچی کہاں

نور مطلق سے غرض اسکی نظر معمور ہے
دلمیں اُسکے جلوہ گستر تابش سدطور ہے

الغرض جو کچھ بھی ہے کون و مکان میں جلوہ گر
اُن میں سے ہر ایک ہے "دنیائے شاعر" ہمسر

سید راز چاندپوری

لُطفِ موسیقی[1]

کیا ہی دلکش ہے تماشائے غروبِ آفتاب
پھیلتا جاتا ہی نظر سے روئے خوب آفتاب

مہرباں شکوہ پردازِ جفا ہے رات سے
کیا سُہانا وقت ہے دن ڈھل رہا ہے رات سے

دیکھنا صورت شفق مین آفتابِ شام کی
ساغرِ زرّین مین سُرخی ہے مئے گلفام کی

دھوپ کے بدلے نظر آتا ہے سایہ ہر طرف
پھیلتا جاتا ہے تاریکی کا جلوہ ہر طرف

یہ شفق کا عکس پانی کی یہ رنگینی ہے خوب
گویا سُورج ہو رہا ہے آج دریا مین غروب

سطحِ دریا پر شفق کی روشنی ہے جلوہ گر
یا وہ دولہن بنگئی پانی کی چادر اوڑھ کر

خوب پھیلایا شفق نے اپنا دامن آب مین
دُور سے دیکھو تو ہے اِک آگ روشن آب مین

کسقدر پُرکیف ہے ساحل کی متوالی فضا
یہ سُرور افزا سمان اور ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا

یہ عروسِ شام کی زینت یہ صحرا کا نکھار
جھاڑیان ہین ہر طرف پہنے ہوئی پھولونکا ہار

کچھ عجب منظر نظر آتا ہے ساحل کے قریب
کیون یہ اک بجلی چمکتی ہے مرے دلکے قریب

یعنی اِک جلوہ فروشِ حُسن دستِ نازِ حُسن
چھیڑتی جاتی ہے اِک پتھر پہ بیٹھی سازِ حُسن

دستِ سیمین مین ہے اسکے اِک رباب[2] جانفزا
جسکا ہر نغمہ ہے گویا ایک بابِ جانفزا

اُنگلیان تارون پہ ہین آنکھین ہین ساحل کیطرف
تیر ان نغمون کے آتے ہین مرے دلکی طرف

---

[1] ملاحظہ ہو تصویر سرورق زمانہ جنوری ۱۹۲۴ء

[2] مناسبت اور ضرورت شعری کیوجہ سے ستار کو رباب لکھا ہے؛ ذکی

شام کا یہ وقت یہ تصویرِ جذباتِ شباب
مجھکو لائی ہے کہان تاثیرِ جذباتِ شباب

نغمۂ مخمور سے ساری فضا لبریز ہے
اب مرا ہر ہر نفس گویا جنون انگیز ہے

ہائے وہ ہاتھون کا خم اور وہ ادائے جانفزا
میرے دلمین ایک نغمونکا ہے تلاطم ہے بپا

اسکی نغمہ ریزیون نے ہائے یہ کیا کر دیا
چٹکیان لے لیکے دلمین روح مین غم بھر دیا

ہائے اس فتّانۂ عالم کا حسنِ فتنہ کوش
جو کھڑی ہے اسکے پیچھے بُت بنی بالکل خموش

دل ہے بیخود اسکی خوبیت کا عالم دیکھکر
جو کمر پر ہاتھ ہے اس ہاتھ کا خم دیکھکر

دیکھئے اس فتنۂ عالم کی صورت دیکھئے
چشمِ حیران دیکھئے، انگشتِ حیرت دیکھئے

زیرِ لب انگلی ہے یا اک تیغ خون آشام حسن
مانگ ہے زلفون مین یا سمٹا ہوا ہی دامِ حسن

اسکے ابرو کرتے جاتی ہین اشارا حسن کا
سُرمہ لیکا بنکے چمکا ہے ستارا حسن کا

بُت بنی جاتی ہے ساحل کی فضا کو دیکھکر
کون دیکھے دلکو اسکی اس ادا کو دیکھکر

نغمہ سنج آرزو وہ فتنہ خاموش ہے
آج گویا حسن موسیقی سے ہم آغوش ہے

کس طرح دلکو سنبھالون اے ذکی مین کیا کرون
کاش یہ منظر ہوا ور مین عمر بھر دیکھا کرون

ذکی کچھوچھوی

جذبات وارث

بتا دے کیا کیا اے نقشبند ے آبِ گل تونے
کہ جب یون تو نہ تھا کیون دیا تھا مجھکو دل تونے

ٹھہر اے آہ سوزان خرمنِ گل پر گری بجلی
لگا دی آگ آخر آشیان کے متصل تونے

مری ذوقِ نظر کا خون نکر اے گریۂ خونین
نگاہِ شوق کو کیون کر دیا ہے پا بہ گل تونے

مقامِ کوہ و غم کا اور دل اک شیشۂ نازک
مرے پہلو مین یارب کیون نہ رکھدی کوئی سل تونے

یہ درد انگیز نالے اور یہ یاس آفرین آہین
کوئی پوچھے تو وارث کیون دیا تھا اسکو دل تونے

وارث کچھوچھوی

بزمِ سخن

فروری کے دوسرے ہفتہ مین جناب رازچاندپوری رکن حلقۂ ادبیہ، کے مکان پر بصدارت حضرت احسن سجھی ناظم حلقۂ ادبیہ ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی تھی ناظرین زمانہ کی ضیافت طبع کے لیے چند غزلون کا انتخاب حاضر ہے،

جناب ذکی کاکوروی

جب وہ جمال جلوہ ریز ابرقِ نظر نواز ہو — کیون نہ نگاہ شوق کو ذوقِ نظر پہ ناز ہو
اپنی خودی کو کر فنا عشق مین سرفراز ہو — ذرۂ کوئے دوست بن اے خاک رہ نیاز ہو
دل ہے وہ ساغر نشاط ٹوٹے تو آئینہ بنے — پھر وہی مستیٔ الست پھر وہی شیشہ و ساز ہو
جلوۂ شام غم مین ہو صبح نشاط مستتر — کاش کہ مثلِ زلف دوست میری شب دراز ہو
سنگِ درصنم کہ سجدہ گہ ذکی سہی — خیر کسی طرح ادا سجدۂ بے نیاز ہو

جناب رازچاندپوری

تیرا ہی آئینہ اگر آئینۂ مجاز ہو — تو ہی بتا کہ کسطرح مجکو پھر امتیاز ہو
روح مین اک خروش ہو دل مین اگر گداز ہو — سوزِ جگر کے ساتھ ساتھ نالۂ دل کا ساز ہو
کاش نگاہ ناز مین کیفیت نیاز ہو — یعنی وہ دلکو درد دے، پھر وہی چارہ ساز ہو
عرش بریں ہے منتظر سجدۂ شوق کے لیے — سر جو غلوص سے جھکے کیون نہ وہ سرفراز ہو
عقل سے اب ہون بے نیاز دہ اسیر ہوش تھا — سلسلۂ جنون عشق عمر تری دراز ہو

جناب فرحت کانپوری

مجھ تو دو فوزِ شوق مین باعثِ امتیاز ہو — میری نظر کے سامنے ان کی حریم ناز ہو
سوز و درد و آہ دل عشق مین دونون ایک ہین — مجکو تو اک سرور ہے سوز ہو یا کہ ساز ہو

واہ دلِ انظارہ کوش تیرا یہ ذوقِ بیخودی — جلوہ کی تاب ہو نہو ان کی حریم ناز ہو
دلکی تڑپ مین ایسا کچھ تو ہو ذوقِ عاشقی — درد وہ دے جو عشق مین باعثِ امتیاز ہو
فرحتِ آرزو پسند درس نیاز عشق لے — کوچۂ معرفت مین آ ہستہ مجاز ہو

جناب معین صدیقی عثمانپوری

ان کی نگاہِ ناز اگر درد کی چارہ ساز ہو — روح کو دلپہ رشک ہو زخم پہ دلکو ناز ہو
اپنے کو سب سے کم سمجھ، خلق مین سرفراز ہو — خاکِ رہ نیاز بن بندۂ بے نیاز ہو
صبح سے پہلے ختم ہون، شامِ الم کی کلفتین — مجھپہ کرم کرلے اجل عمر تری دراز ہو
شکوۂ جور ہے فضول خیر وہ ملتفت تو ہین — ان سے مین کیون گلہ کرون کیون انہین شرمسار ہو
سوزشِ دل سے کام لے شمع صفت کہ ہو نمود — قابلِ التفات بن باعثِ امتیاز ہو
ترکِ خودی کرائے معین ہوش پہ ناز ہے فضول — عشق کے میکدے مین آ مستِ مئے نیاز ہو

جناب محبوب حسن صاحب وارث مارہروی

اے دلِ اضطراب کوش، غم گر سوز و ساز ہو — سوزشِ غم کی قدر کر عمر تری دراز ہو
چپ بھی رہ اے زبانِ شوق، رحمت نارسا تو ہو — کیون تری جنبشِ نیاز، پردہ کشائے راز ہو
زود ہے مرے کریم کو ذوقِ طلب کی جستجو — باب قبول از پئے، دستِ دعا دراز ہو
ہمکو نیازمند ہو، آپ سا بے نیاز ہو — بھیگی میری عرضِ شوق، چشمِ کرم کی منتظر

جناب ہادی ویلوری مدراسی

دل ہے وہ دل جو رنج مین عیش سے بے نیاز ہو — آپ ہی درد مند ہو آپ ہی چارہ ساز ہو
اس مئے نشاط مین مستیٔ عذر ساز ہو — شیشہ مے ہو سامنے، اور در توبہ باز ہو
ان کی نظر ہو آئینہ میری نگاہِ شوق کا — یعنی غرورِ ناز مین بیخودیٔ نیاز ہو
کوئی طریقِ عشق مین دل بھی مٹے تو غم نہو — کاش کہ پہلے ہی فنا قوتِ امتیاز ہو

آج خوشی تو دیکھئے ہادیٔ غمزدہ کی
وہ ہین نظر کے سامنے، کیون نہ پھر اسکو ناز ہو

حضرت باسط بسوانی نے ارسال خدمت فرمایا۔ انتخاب شاعر و بزم جگر (منعقدہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۴ء) ارسال فرمایا ہے، جسکو ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔

جناب خلیل بسوانی

سیاہ کار ہوا دل جو عہد پیری میں — سفید بال ہوئے ہیں خضاب ہوتا ہے
جو چپ رہوں تو نہیں دل کو ضبط کی طاقت — جو عرض حال کروں تو عتاب ہوتا ہے

جناب مصطفےٰ کانپوری

گدائے کوئے خرابات جو ہے اے ساقی — دل اسکا ساغر جم کا جواب ہوتا ہے
وہ بیقرار رہوں لیتا ہوں میں اگر کروٹ — سکون دہر میں اک انقلاب ہوتا ہے

جناب ناز بسوانی

ہوا ہے گور کنارے مریض یوں تیرا — کہ جس طرح لب بام آفتاب ہوتا ہے

جناب واثق بسوانی

جو اپنے بام پہ تو بے نقاب ہوتا ہے — تو دن رہے سے غروب آفتاب ہوتا ہے
تمام رات نہ واثق کیا کرو نالے — خلل پذیر زمانے کا خواب ہوتا ہے

جناب باسط بسوانی

دل حزیں مرا جلتا ہے ہجر ساقی میں — شراب ہو نہ ولیکن کباب ہوتا ہے
خدا کے واسطے ناصح معاف کر ہمکو — کہ اب دماغ ہمارا خراب ہوتا ہے
رقیب ہو کہ نہ کوئے یار میں لیکن — ضرور باسط خانہ خراب ہوتا ہے

حضرت جگر بسوانی

وہ مسکرا کے دہن بے نقاب ہوتا ہے — جہان چمن میں شگفتہ گلاب ہوتا ہے
زہے نصیب کہ اتنا تمہیں خیال آیا — یہ آج کیا ہے جو ہم پر عتاب ہوتا ہے
جو ہے پرست نکلتا ہے میکدے سے کوئی — تو پارساؤں میں مبارکباد ہوتا ہے
وہ مجھ سے کہتے ہیں تم اپنا دل اٹھا لیجاؤ — پڑے پڑے مرے در پر خراب ہوتا ہے
جگر خدا کے لیے اتنا بتا نہ چھوڑو — وہ کام کرتے ہو تم جو خراب ہوتا ہے

زمانہ

جلد ۱۴ اپریل ۱۹۲۴ء نمبر ۴

مسلمان اور علوم ہند[1]

فن موسیقی کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ خود سنسکرت بھی اسپر بہت سے تصانیف کی سرمایہ دار ہونے کا فخر نہین کر سکتی۔ اور وجہ اسکی ظاہر ہے۔ اس فن کا کمال حاصل کرنے مین کتابون سے علمی امداد کی امید رکھنے پر صرف آجکل کے استاد جی ہی نہین ہنستے بلکہ تمام ایک گنہ ہر اور گنی ہمیشہ سے اسکا مضحکہ اڑاتے چلے آتے ہین۔ خیال تھا اور اب بھی ہے کہ اس فن کی نظریات اور عملیات ایسے آپسمین جکڑے ہوئے ہین کہ اول الذکر کا الگ جداگانہ وجود حیطۂ تصور سے باہر ہے۔ بلکہ ہندوستانی موسیقی سے طریقہ تحریر بذریعہ علامات کے مفقود ہونے کا ذمہ دار بھی سب سے زیادہ یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔

رہا اس فن کا ریاض اور عملی اکتساب تو بہت سی راگنیون کے مخترع اور ستار کے مشہور موجد حضرت امیر خسرو دہلوی کے زمانہ سے لیکر جو بلبن اور خلجی بادشاہون کے دربار کے سرمایہ ناز تھے۔ آج کل تک مسلمانون کی توجہ اسپر ہندؤن سے غالباً زیادہ ہی رہی ہے۔ پچھلی چند صدیون مین راجپوتانہ اور وسط ہند کی اکثر دیسی ریاستون مین مسلمان صاحب کمال ہے اسرار فن کے اکیلے خازن شمار کئے جاتے رہے ہین۔ چونکہ اس بحث پر اس سے پہلے جریدہ "جاوید" مین بزیر عنوان "اسلام اور فنون لطیفہ" ہم اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہین۔ لہذا یہان اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی۔

---

[1] اس مضمون کے دو حصے جنوری و مارچ کے رسالے مین شایع ہو چکے ہین۔

فلسفہ و مذہب

ان دونون مباحث مین سے آخر الذکر کو عرب چونکہ اوائل اقوام کے بت پرستی خیال کرتے تھے گو اسمین شک نہین کہ یہ خیال غلط فہمی کا نتیجہ تھا) قدرتی طور پر انھون نے اُسے قابل توجہ نہ سمجھا۔ رہا اول الذکر تو فلسفۂ یونان پیش قدمی کرکے اس سے بہت پہلے میدان مین آچکا تھا اور عربون کے دماغون پر اپنا زبردست قبضہ جما چکا تھا۔ اسکے ماسوا ہندی فلسفی نظام چونکہ نہایت ادق اور بہت زیادہ دماغی پریشانی ذہنی حیرانی کے باعث تھے لہذا ان کے دماغون کو جو ہنوز فلسفہ کی چاٹ سے ناآشنا تھے اپنی جانب پھیرنے کی صلاحیت کم رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسیون کے زمانہ مین سنسکرت کی جن کتابون کے ترجمے ہوئے اور ان مین فلسفہ کی تصنیف مین شاذ و نادر ہی نظر پڑتی ہے اور جو اکا دکا ہے بھی تو مذکورۂ بالا طبیون مین سے کسی نہ کسی کے قلم سے نکلی ہوئی ہے نہ کہ کسی مشہور ہندی فلسفی کی لکھی ہوئی۔ البیرونی کے زمانہ تک اس علم کی مطالعہ کی باقاعدہ کوئی کوشش نظر نہین آتی۔ بیرونی کی کتاب الھند خود ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حکیم مذکور کو ہندوستان کے مذہبون اور فلسفی نظامون سے کیسی گہری دلچسپی تھی۔ اور وہ ان فنون سے کیسا واقف تھا۔ ان وادیون مین اُسے تجسس و تحقیق کا جو پرجوش شوق تھا اُسکے مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو اُسکی ذیل کی تصنیفات سے ملسکتا ہے (۱) ترجمہ پتنجلی یا موکشہ یعنی جسمانی زندگی کی قیدون سے نجات (۲) ترجمہ سانکیہ (۳) واسودیو کے دوبارہ ظہور پر رسالہ اور چند دیگر رسائل۔

ایک دوسرا عہد جسمین ہندو مسلمانون مین مصالحت کرانے، باہمی بہی خواہی اور برادرانہ جذبات کو ترقی دینے اور ایک دوسرے کے حالات سے مزید وقوف کے ذریعہ سے مذہبی منافرت کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ سلطان زین العابدین کا شمیری کا شاندار زمانۂ حکومت ہے جسنے اپنے ہندو رعایا سے ایسا الفت و محبت کا برتاؤ کیا کہ اُن مین سنجیدہ و راسخ اعتقاد پیدا ہوگیا تھا کہ سلطان اپنے جسم مین ایک ہندو کی روح رکھتا ہے تناسخ کے نہ ماننے والون کو یہ خیال کیسا ہی خلاف عقل کیون نہ معلوم ہو اُس زمانہ کے ہندون مین یہ گھر گھر مشہور تھا کہ تخت نشینی سے کچھ روز پہلے سلطان کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا اور ایک ہندو جوگی نے سلطان کے مردہ جسم مین اپنے روح منتقل کرکے دوبارہ زندگی عطا کی تھی

چونکہ اُنھین یقین نہ آتا تھا یا یقین کرنے کو جی نہ چاہتا تھا کہ ایک پلہ ایسے غیر معمولی رواداری، رحم و نیکدلی کے قابلیت رکھتا ہو وہ اسکی ان خصال حمیدہ صفات پسندیدہ کی توجیہہ کرکے دل خوش کیا کرتے تھے۔ اُسکے عہد سلطنت کے مورخ باتفاق بیان کرتے ہین کہ اُسکے ایام حکومت مین سنسکرت کے جن کثیر التعداد کتابون کے فارسی مین ترجمے ہوئے۔ وید شاستر، پران، اور برہت کتھا بھی اُن مین شامل تھین۔

مذکورۂ بالا تراجم مین سے افسوس کہ ایک بھی دست برد زمانہ سے باقی نہین۔ ہندون کے مذہب کے متعلق ہمارے فارسی ذرائع اطلاع عملاً شاہنشاہ اکبر اور اُسکے جانشینون کے زمانہ کے تراجم و تصانیف تک محدود ہین سب سے مہتم بالشان سنسکرت کی تصنیف جسکا اکبر کے زمانہ مین ترجمہ کیا گیا مہابھارت تھی۔ ہمارے زمانہ مین بڑی بڑی کتابون کے تصنیف کرنیکا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ایک جماعت مصنفین کتاب کے مختلف حصون کو آپس مین بانٹ کر ایک ساتھ لکھنا شروع کردیتی ہے۔ اور اسطرح برسون کا کام دنون مین نبٹ جاتا ہے وہی طریقہ اکبر کی جدت آفرینی نے اس مقدس ضخیم کتاب کے ترجمہ مین اختیار کیا یعنی بخیال عجلت اسکے مختلف حصّون کا ترجمہ پانچ شخصون کے حوالہ کرکے پانچون کو بیک وقت کام پر لگا دیا گیا۔ ان فاضل مترجمون کے نام۔ نقیب خان، مولانا عبد القادر، بدایونی، ملا شیری، سلطان محمد تھانیسری اور فیضی فیاضی۔ ہین۔ سوائے آخرالذکر کے جسے مولانا عبد القادر صرف دو پربون کا مترجم بتاتے ہین اوردون کا ٹھیک حصہ معین نہین بڑے بڑے دو وان پنڈت مثل دیبی کے ان کے امداد پر مامور تھے۔ اسطرح کتاب کے اٹھارہ پرب ختم کئے گئے اور بعد ازان ۱۵۸۹ء مین فیضی نے کل ترجمہ پر نظر ثانی کی اور پاکیزہ شاعرانہ نثر کا جامہ پہنایا اور ابو الفضل نے لمبی چوڑی تمہید کا اضافہ کرکے بادشاہ کے نیک اندیشانہ ارادون پر پوری روشنی ڈالی اکبر نے اسے رزمنامہ کا لقب عطا کیا مورخین کا بیان ہے کہ اس ترجمہ کے جو عموماً فیضی کی طرف منسوب ہے خوبصورت قلمی نسخون مین سے ایک ریاست جے پور کے کتب خانہ مین موجود تھا۔

اورنگ زیب کے ابتدائی زمانہ مین جسے اب تقریباً چونتیس برس کا زمانہ ہوتا ہے۔ ہمین بھی زیارت نصیب ہو چکی ہے۔ آجکل ہندوستان و یورپ دونون مین اسکے مطبوعہ نسخے بھی بکثرت و سہولت دستیاب ہین اسکے بعد اس ہندی قومی رزمنامہ نے اور بھی کئی فارسی جونین بدلین جنمین سے ایک تو شاہزادہ دارا شکوہ کا ترجمہ اپنشد ہے (انڈیا آفس نمبر ۱۳۵۸) اور دوسرا محمد شاہ کے عہد کا حاجی

رسیج انجب کا منظوم ترجمہ ہے۔ مہابھارت کے دو برس بعد اکبر کے حکم سے مولانا عبدالقادر بدایونی نے چار سال کی محنت میں ہندوستان کی دوسری قومی نظم یعنی رامائن کا ترجمہ ۱۶۰۰ صفحوں کا انجام کو پہنچایا۔ مولانا عبدالقادر تو اسکو تنہا انجام دینے کے مدعی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ابوالفضل ملا شیری نقیب خان اور سلطان محمد تھانیسری کو برابر کا شریک بتاتا ہے (کتب خانہ کیمرج نمبر ۳۳)۔ اسکے بعد اس کتاب کے تین ترجمے اور ہوئے (۱) شیخ سعداللہ مسیح کیرانوی پانی پتی کا ترجمہ موسوم بہ رام وستیا (برٹش میوزیم نمبر ۱۳۶۰، ۲۶۳۵ اور ۲۷۶۳) (۲) دوسرا گوبند داس کایتھ دہلوی کا (انڈیا آفس نمبر ۸۰۳) اور (۳) چندرمن ولد سریرام کا پہلے دونوں منظوم ہیں اور شہنشاہ جہانگیر کے نام سے معنون ہیں تیسرا نثر میں ہے اور ۱۶۰۶ء کی تالیف ہے۔ شیخ سعداللہ مسیح مقرب خان کے وابستگان دولت میں سے تھا جو جہانگیر کے دربار کا نامور امیر تھا۔

بھاگوت گیتا کے فارسی ترجمہ کا سہرا بھی عموماً ابوالفضل کے سر باندھا جاتا ہے (برٹش میوزیم ضمیمہ ۵۶۵۱) اور بھاگوت پران یا سری کرشن کے قصہ کا جو نوے ادھیائے پر مشتمل ہے۔ فیضی کے سر (انڈیا آفس نمبر ۵۴۲) اور میور کالج لائبریری آویر کا جمع کردہ ذخیرہ ۳۵۰) فیضی نے اسکے علاوہ اپنے شارق المعرفت میں جو بارہ فصلوں پر مشتمل ہے اور سنسکرت کی مشہور و معروف و مستند تصنیفات مثل سابق الذکر بھاگوت پران یوگ وسشٹھ وغیرہ کی بنی ہوئی ویدانت کو فلسفہ کو مفصل بحث کی ہے (انڈیا آفس نمبر ۱۳۵۵) یوگ وسشٹھ جسکو جوگ وسشٹھ اور سریرام چندر جی کے مکالمہ کی شکل میں ہندی ناستک فلسفہ کے اصول کی تشریح کرتا ہے۔ ۱۵۹۰ء میں اکبر کے حکم سے فارسی خلاصہ کی صورت میں اسلامی دنیا کو واقف کیا گیا (برٹش میوزیم ضمیمہ ۵۶۳۷) اس کتاب کے دوسرے فارسی ترجموں کے لیے ہم شیخ صوفی شریف کے جو عہد جہانگیری کے فضلا میں سے تھے اور شاہزادہ دارا شکوہ کے ممنون ہیں (کتب خانہ آکسفورڈ ۵۱۷) اول الذکر کا ترجمہ موسوم بہ "اطوار و رحال اسرار" یوگ وسشٹھ سار یعنی یوگ وسشٹھ کے خلاصہ پر مبنی ہے۔ حال میں یہ مطبع نولکشور لکھنؤ سے چھپکر شایع ہو چکا ہے۔ ایک اور اہم ہندو مذہبی کتاب یعنی اتھروید کا ترجمہ اول مولانا عبدالقادر کے سپرد کیا گیا تھا مگر چونکہ وہ برہمن جوان کی امداد پر معتمد تھا اپنی تشریح و توضیح سے ان کا اطمینان نکر سکا

اور اُنھون نے بادشاہ سے شکایت کی تو بادشاہ نے یہ دشوار کام حاجی ابراہیم سرہندی کے حوالہ کردیا اور ایک زیادہ ذی علم پنڈت امداد کے لیے مقرر کیا کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد حاجی موصوف نے اس کار خطیر کو بخیر و خوبی انجام کو پہنچایا۔ مولانا عبدالقادر اُس مختصر زمانہ کا کہ وہ اس کام مین مصروف تھے ایک عجیب و غریب قصہ بیان کرتے ہین۔ وہ برہمن جو وید کے مضامین مولانا کے ذہن نشین کرانے پر مامور تھا ایک روز اس مقدس کتاب کو پڑھتے پڑھتے ایسے مقام پر پہونچا جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ گائے کا گوشت کھانا ممنوع نہین اور یہ کہ ویدون کے زمانہ مین ہر طبقہ کے ہندو اسے بیدھڑک و بے تکلف نوش جان کیا کرتے تھے اس سے پہلے اُسنے کبھی وید کا مطالعہ نہ کیا تھا لہذا تعجب بھی ہوا اور ساتھ ہی پنڈتون پر جھنجھلاہٹ اور غصہ بھی آیا کہ اب تک برابر دھوکے ہی مین رکھا۔ اسپر طرہ یہ ہوا کہ چند ہی روز بعد ایک اور عبارت نظر پڑی جسمین لکھا تھا کہ نجات ایک ایسے کلمے کے دوہرانے اور جپنے پر موقوف ہے جسمین حرف لام اکثر آتا ہے۔ یہ دیکھکر برہمن کو یقین آگیا کہ وہ کلمہ جسکی طرف یہان اشارہ کیا گیا ہے کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ ہے چنانچہ اُسنے بزور بلند آواز سے کلمۂ طیبہ پڑھا اور مشرف باسلام ہوگیا اس برہمن کا نام مولانا عبدالقادر شیخ بہاون بتاتے ہین غالبًا شیخ کا اضافہ مسلمان ہونے کے بعد کیا گیا ہوگا۔

اکبر ہی کے زمانہ مین ہری ونشہ کا جو سریکرشن جی کے حالات پر مشتمل مہابھارت کا ضمیمہ ہے (انڈیا آفس نمبر ۱۷۷۷) اور سوم دیو کی مشہور کہانیون کی کتاب کتھا سرت ساگر کا ترجمہ ہوا جو بلحاظ طرز بیان فیضی کے ترجمہ سے بہت مشابہ ہے گو کہ مترجم کا نام یقین کے ساتھ معلوم نہین (انڈیا آفس نمبر ۲۴۱۰)

سنسکرت کی مذہبی کتابون کے مابعد کے ترجمون مین بدنصیب شاہزادہ دارا شکوہ کے ترجمون کا ذکر کرنا ہنوز باقی ہے جو شاہجہان کا سب سے بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا اور ۱۶۱۵ء مین پیدا ہوا اور ۱۶۵۹ء مین ارتداد کے جرم پر مارا گیا۔ اس کام مین دارا شکوہ کے محرک وہی جذبات تھے اور وہ وہی نیک اغراض پیش نظر رکھتا تھا جو اکبر کے رہنما ہوئے تھے یعنی ہندو مسلمانون مین سمجھوتا کرانا اور آخر الذکر کے تعصبات کو مذہب براہمہ سے دور کرنا مگر سب سے بڑھکر یہ کہ صوفیون کو

جنکے خیالات سے وہ ایسے اچھی طرح واقف تھا یہ جتانا کہ ان کے مسئلہ وحدت وجود یا وحدت میں کثرت کا پتہ آخر جا کر ویدون مین اور علی الخصوص اپنشد یا انکمت کے رسائل الٰہیات مین ملتا ہے۔ چنانچہ اسی غرض سے اُسنے شہر بنارس مین وہان کے وِدوان پنڈتون کی مدد سے کتاب مذکور کا ترجمہ کرانا شروع کیا ۱۶۵۷ء مین یعنی اُسکے قتل سے دو سال قبل یہ اتمام کو پہنچا تو اسکا نام اُسنے "سر اکبر" یا جیسا کہ بعض قلمی نسخون سے معلوم ہوتا ہے "سر الاسرار" رکھا۔ اس ترجمہ کی تمہید مین جسکا ایک قلمی بوسیدہ نسخہ ہمارے پاس بھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ قرآن شریف مین جس ام الکتاب کا ذکر آیا ہے اور جس سے مفسرین لوح محفوظ یا علم الٰہی مراد لیتے ہین اُس سے اس کتاب یعنی اپنشد کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ لہذا کوئی تعجب کی بات نہین اگر علمائے اسلام نے اُسپر زندقہ و الحاد کا فتویٰ جاری کر دیا۔ اس سے ایک سال قبل اس آزاد خیال شاہزادہ کے زیر اہتمام یوگ وسشٹھ کا فارسی ترجمہ اتمام کو پہنچ چکا تھا (انڈیا آفس نمبر ۱۱۸۵، ۱۳۵۵، ۱۰۵۹)۔ جرمن عالم ہرمن اتھے اپنی تصنیف "نوائے پرسشے لٹراٹر" یعنی "علم ادب فارسی جدید" مین دارا شکوہ کی مدح سرائی ذیل کے لفظون مین کرتا ہے "دارا شکوہ ایک علی الخصوص روشن دماغ شخص تھا وہ تورات زبور انجیل، اور دوسری مقدس کتابون کا مطالعہ کر چکا تھا اور انھین ویسا ہی مستند اور سچا کلام الٰہی سمجھتا تھا جیسا قرآن کو۔ یہی اقرار اس امر کا باعث ہوا کہ مفتیان اسلام نے اُسپر الحاد کا الزام لگایا"۔ مگر مسٹر ہرمن اتھے کو شاید یہ معلوم نہ تھا یا دارا شکوہ کے جوش حمایت مین بھول گئے کہ دارا شکوہ کی اسمین خصوصیت کیا تھی ہر مسلمان عہد قدیم اور عہد جدید کے صحیفون کو کتب آسمانی کلام ربانی جانتا اور مانتا ہے۔

دارا شکوہ نے ہمارے واسطے ایک اور رسالہ بھی چھوڑا ہے یعنی مجمع البحرین جسے اُسنے ۱۶۵۵ء مین تصنیف کیا اور اسمین اُسنے ہندی الٰہیات کے مصطلحات کا صوفیہ کی اصطلاحات سے مقابلہ کر کے یہ دکھانا چاہا ہے کہ ان دونون مین فرق صرف اعتباری ہے لب لباب بالکل ایک ہے۔ فلسفہ مذہبی پر ہندی اور ایرانی علمائے الٰہیات سے جو اُسنے مباحثے کئے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہین۔ ان مین سے دو یعنی بابا لال یا لال داس کے ساتھ اور شیخ محب اللہ کے ساتھ والے خاص اہمیت رکھتے ہین۔ متعدد قلمی نسخے ان کے یورپ کے کتب خانون مین موجود ہین۔

ادبیات

اس سلسلہ مین سب سے بڑا تحقیق طلب مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ الف لیلہ جسکی شہرت نے تمام متمدن دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے ہندوستان جنت نشان سے کوئی رشتہ رکھتی ہے یا نہین۔ اکثر مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ اسکے بعض قصے صریحًا اپنے ہندی اصل کا پتہ دیتے ہین یعنی ہندوستان سے ایران اور وہان سے نام نہاد شہرزاد کی زبانی عربون کے کانون تک پہنچے ہین افسوس ہے کہ اس عجیب خیال کی تنقید کے لیے سردست ہمارے پاس وقت ہے نہ مصالح۔ شاید بشرط فرصت آیندہ کبھی لکھ سکین۔ یا اور کوئی ہمارے مذاق اہل علم سبقت کر کے اسپر مزید روشنی ڈال سکے،

اسکے بعد سب سے مشہور اور قابل قدر ادبی تصنیف جو خلفائے عباسی کے عہد مین ہندوستان سے بروایت مشہور ایران کا سفر کرتی ہوئی عراق پہنچی اور بعد ازان عربی لباس مین مہذب دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاہ و افروز ہوئی وہ کلیلہ و دمنہ ہے، کہتے ہین کہ کسریٰ نوشیروان کے زمانہ مین یہ قصہ جا بجا مشہور تھا کہ ہندوستان مین ایک ایسا شجر حیات ہے۔ کہ جسکا پھل مُردون کو زندہ کرتا اور زندون کو حیات جاوید بخشتا ہے۔ کسریٰ کو اگرچہ پہلے ہی نوشیروان کا خطاب مل چکا تھا۔ جسکا لفظی ترجمہ "غیر فانی روح" ہے۔ اس درخت کا ایسا اشتیاق پیدا ہوا کہ اُس نے برزویہ طبیب کو اس غرض سے ہندوستان روانہ کیا کہ اس شجر حیات کو ایران لے آئے۔ یہ ایرانی طبیب ہندوستان پہنچا اور بہ تبدیل لباس ہندو بنکر پنڈتون سے سنسکرت سیکھی تو شجر حیات کا معمہ یون حل ہوا کہ یہ محض ایک استعارہ ہے جس سے مُراد درخت نہین ایک کتاب ہے جسے پنچ تنتر کہتے ہین۔ جسمین نیتی شاستر یعنی سیاست مدن کا بیان ہے اور راج نیتی کے اصول جانورون کے قصون کے پیرایہ مین برمز و اشارہ بتلائے گئے ہین۔ علیٰ ہذا القیاس حیات سے مراد جسمانی زندگی نہین بلکہ دائمی نیکنامی ہے۔ غرضکہ طبیب مذکور نے اسکا پہلوی زبان مین ترجمہ کیا جسکی نوشیرُان نے ایسی قدر دانی کی کہ اسے شاہی خزانہ مین جگہ دی۔ ایران کے قدردان علم بادشاہ کتابون کو جواہرات کی برابر قیمتی خیال کر کے بجاے کتب خانون کے خزانون ہی مین محفوظ رکھا کرتے تھے۔ اس پہلوی ترجمہ کو روزبہ المعروف بہ ابن مقفع نے خلافت بنی العباس کے ابتدائی زمانہ مین عربی جامہ پہنایا۔ یہ عربی ترجمہ کلیلہ دمنہ کے نام سے

آجتک زندہ اور مشہور ہے۔ کلیلہ ودمنہ سنسکرت کے کرتکہ اور دمنکہ سے ماخوذ ہے۔ یہ ودگیڈرون کے نام ہین جنکی زبانی پنچ تنتر کے پہلے باب مین کہانیان کہلائی گئی ہین۔ روایت مشہور کے مطابق یہی ابن مقفع کا عربی ترجمہ ایشیا و یورپ کے دوسرے اکثر تراجم کا ماخذ ہے اسکا ترجمہ نوح کی نے نصر بن احمد سامانی کے حکم سے ۳۳۰ھ ہجری مین فارسی مین نظم کیا ہے۔ بہرام شاہ غزنوی کے زمانہ مین یعنی ۵۴۷-۵۱۲ھ مین ابو المعالی نصر اللہ بن محمد نے ازسرِ نو نثر مین لکھا۔ آخر الذکر کو قاضی خراسانی نے ۶۵۰ھ مین ایک فارسی مثنوی کے شکل مین مرتب کیا۔ اسی کو ملا حسین واعظ کاشفی نے امیر شیخ احمد سہیلی کے حکم سے باضافہ حکایات کثیرہ صنایع و بدایع کے زیورون سے لدی پھندی فارسی مین لکھا۔ کئی ترجمے اردو مین بھی ہوئے جنمین خرد افروز زیادہ مشہور ہے۔ ابو الفضل علامی نے پھر سلیس فارسی مین لکھا۔ کئی ترجمے اردو مین بھی ہوئے جنمین خرد افروز مشہور اور زبانون میں ترجمے ہوے ہین ان سب کے بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے ابن مقفع کے علاوہ اور لوگون نے بھی معلوم ہوتا ہے اسکے عربی مین ترجمے کئے مگر افسوس کہ طاق نسیان کے نذر ہو گئے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ ہارون رشید کے مشہور وزیر یحییٰ برمکی کے حکم سے عبد اللہ ابن ہلال نے اسکا عربی مین ترجمہ کیا تھا۔ جسپر خیال ہے کہ عبرانی ترجمہ مبنی ہے۔ یہ عبرانی ترجمہ محققین جرمنی کی رائے مین ابن مقفع کے ترجمے کی بہ نسبت بہت زیادہ پنچ تنتر سے ملتا جلتا ہے ابن مقفع کے ترجمہ مین پنچ تنتر ہتوپدیش اور مہابھارت کے بعض قصے گڈمڈ ہین۔

اسکے بعد کاشمیر کی بے مثل تاریخ راج ترنگنی مصنفہ کلیان یا کلہان کا نمبر ہے ابو الفضل اسکی نسبت صرف اسقدر لکھتا ہے کہ شاہنشاہ اکبر کے حکم سے جو کتابین فارسی مین ترجمہ کی گئین اُن مین یہ بھی شامل تھی۔ مترجم کا نام اُس نے ملا محمد شاہ ہادی لکھا ہے۔ اسکے مزید حالات ہمین مولانا عبد القادر بدایونی سے معلوم ہوتے ہین جو تحریر فرماتے ہین کہ اکبر نے مجھے اس ترجمہ کے خلاصہ اور نظر ثانی کا حکم دیا اور جب مین نے دو ماہ کے عرصہ مین اسے تمام کیا تو بادشاہ کو ایسا پسند آیا کہ شاہی کتب خانہ مین داخل کرنے کا حکم دیدیا۔ یہی مصنف اپنی مشہور تاریخ مین ایک اور مقام پر قمطراز ہین کہ مجھے فرمان ہوا کہ ہندی حکایات و قصص کی اُس کتاب کو جسکے ایک حصہ کا ترجمہ سلطان زین العابدین کاشمیری کے حکم سے بنام تحریر الاسمار ہو چکا تھا فارسی

کا لباس پہناؤں چنانچہ میں نے اسکی دوسری جلد کو جو تقریباً آٹھ سو بیس صفحوں پر مشتمل تھی، اتام کو پہنچایا۔ اس بیان سے صاف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کتاب وہی راج ترنگنی تھی یا اور کوئی سلطان زین العابدین کے مورخوں کا بیان ہے کہ اُسکے زمانہ سلطنت میں راج ترنگنی کا ترجمہ شروع کر دیا گیا تھا افسوس کہ یہ ترجمہ مفقود ہو گیا ورنہ ہم معلوم کر سکتے کہ اکبر کے زمانہ کے ترجموں میں اس سے کہانتک مدد لیگئی تھی دراصل سنسکرت کو کہانتک فارسی کے قالب میں ڈھالا گیا تھا۔

اکبر کے زمانہ کے ابتدائی ترجموں میں سنگھاسن بتیسی یا جسطرح کہ وہ سنسکرت میں کہلاتی ہے سنگھاسن دوترنشتی یا وکرمہ چرنم کا ترجمہ ہے جسمیں وکرماوتیہ کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں ۹۸۹ھ میں بدایونی نے ایک برہمن کے مدد سے اسے ختم کیا۔ یہ ایک نظم و نثر کا مخلوط مجموعہ ہے جسکا تاریخی نام اکبر نے نامۂ خرد افزا رکھا تھا ۱۰۰۴ھ ہجری میں پھر بدایونی نے اسپر نظر ثانی کر کے ایک زیادہ دلفریب نسخہ تیار کیا۔ اسی زمانہ میں اور غالباً اکبر ہی کے ایما سے چترپھوج اس ولد مہر چند کالیستھ نے اسے تیسرا فارسی کا خلعت عطا کیا اور شاہنامہ لقب دیا۔ اکبر کے جانشین جہانگیر کے عہد یعنی ۱۰۱۷ھ میں بہاریل ولد اجل پھتری نے ایک نیا ترجمہ تیار کیا (اسپرنگر ۱۹۶۰ برلن اور انڈیا آفس نمبر ۱۲۵۰)۔

صاحبقران ثانی شاہجہان کے عہد دولت میں یعنی ۱۰۴۵ھ میں دشورائے ولد ہرگوبند کالیستھ نے مذکور کو بالا دونوں نسخوں سے ایک تیسرا نسخہ تیار کیا۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں۔ کرشن داس لاہوری نے پھر نیا لباس پہنا کر کرشن بلاس نام رکھا۔ ان کے ماسوا اسکے چند اور ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ (۱) شاہجہان کے زمانہ کا کسی مجہول الاسم مترجم کا (انڈیا آفس نمبر ۱۷۱) (۲) چندر ولد مادھو رام کا ترجمہ کوپنہیگن نمبر ۷۰) (۳) گلشن راز جسکے مترجم کا نام نامعلوم ہے۔ ۱۲۴۵ھ میں سنڑای جی بلی کے حکم سے سید امداد علی اور شیو سہائے کالیستھ کا ترتیب دادہ۔

اب ہم چند لفظ اُن مصنفوں کی خاص و مستقل تصانیف کی نسبت کہینگے جو یا تو ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے یا اسکو وطن بنا لیا تھا ایسے عشقیہ یا حیرت انگیز قصوں پر طبع آزمائی کی اور زور قلم دکھایا جنھوں نے اس ملک میں جنم لیا تھا۔ یہیں پلے پھولے تھے اور فارسی لباس میں جلوہ

دکھانے سے پہلے ہی ہندوستان کی موجودہ بھاشاؤن خصوصاً ہندی و سندی مین براجتے تھے
مولانا ضیاء الدین برنی فرماتے ہین کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ مین اور اُسی کے
نام پر مولانا داؤد نے لورک و چندا کی داستان عشق و محبت پر ایک ہندی نظم لکھی جو حرارت و جذبات
عشق سے ایسی بھری ہوئی تھی کہ اُس زمانہ کے نہایت مقدس واعظ مخدوم شیخ تقی الدین جامع مسجد
دہلی مین منبر پر اسکے اشعار بالحان پڑھتے اور وعظ کہنے لگے۔ ایک روز ایک بوجہ بھبکر مولوی
صاحب نے اس ہندی نظم کے ساتھ اس عجیب شغف کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب مین
ارشاد کیا کہ اس نظم کے مضامین صوفیون کے عقائد سے پورا اتحاد رکھتے ہین اور آیات قرآنی سے
متفق ہین ہندوستانی قوال اسے نہایت ذوق و شوق سے وجد مین آکر گایا کرتے تھے۔

اب ہم اُن قصون کا ذکر کرتے ہین جو فارسی شعراء کے ہاتھ لگانے سے پہلے قومی اہمیت پیدا
کر چکے تھے۔ اس قسم کے پانچ افسانے حسب ذیل ہین (۱) کامروپ و کام لتا (۲) مدھومالتی و
منوہر (۳) پدماوت و رتن سین (۴) پنون و سیسی (۵) ہیر و رانجھا۔ نل و دمینتی کی داستان بھی
جسے فیضی نے اپنے خمسہ مین پہلی جگہ دیکر نظم کیا۔ نہایت لطیف و دلکش ہے مگر مذکورۂ بالا پانچون
داستانون کی طرح قومی معاشرت پر اثر ڈالنے والی نہین پہلا قصہ راجہ اودھ راج پتی کے بیٹے کامرو
اور لنکا کی شاہزادی کام لتا کے عشق کا افسانہ ہے۔ اسکا سب سے پہلا فارسی منظر و مسطور ہمت ہے
جو ۱۶۰۵ء مین نظم کیا گیا اور جسمین وزن نے ضرورت نے ناظم کو مجبور کیا ہے کہ نائکہ یعنی شاہزادی کے
نام کو بدلکر لتا کام بنا دے۔ اگرچہ کتاب کے نام سے تو ایسا ہی ذہن مین آتا ہے مگر کتاب کے مصنف
غالباً وہ ہمت خان نہ تھا جسے اورنگ زیب کی عنایت نے ترقی دیکر میر بخشی کے درجہ تک پہنچا دیا
تھا بلکہ شاہزادہ مراد بخش تھا جو ہمت خان کی بہ نسبت ہندی ادبیات سے کہین زیادہ واقف
تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہمت خان کے انتقال کے بعد اُسکی قبل از مرگ خواہش و التجا کے
مطابق مراد نے اُسکے نثر ترجمہ کو منظوم کیا یہ ابتک بھی بحث طلب سوال ہے کہ ہمت خان کا یہ
نثر ترجمہ عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر میر کاظم حسین کریم کے ترجمہ پر کہان تک مبنی تھا
عالمگیر کی سلطنت مین ٹیک چند ولد بلرام نے اپنی مثنوی گلدستۂ عشق مین پھر اسی قصہ کو بیان
کیا۔ اسکے بعد حاجی ربیع انجب نے پھر اسے فارسی مین نقل کیا۔ اس شخص نے سو برس کی عمر پائی

محمد شاہ کی سلطنت مین بہت سی سیر و سیاحت کے بعد دہلی مین سکونت گزین ہوا تھا نظامی گنجوی کے خمسہ کے جواب مین ایک خمسہ نظم کیا۔ وما بھارت کا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے منظوم فارسی ترجمہ کیا اور ایک ضخیم دیوان اور دوسرے کئی ایک نثر کی کتابین یادگار چھوڑین۔ اُسکی اس نظم کا نام فلک اعظم ہے۔ ۱۷۴۴ء مین یہ اختتام کو پہنچی (برٹش میوزیم) ۱۷۵۵ء مین میر علی شیر نے جو بہت سی بڑی بڑی کتابون کے مصنف ہین۔ پھر اسی داستان کے میدان مین اشہب خامہ کو جولان دی سب سے آخر جسنے اسپر خامہ فرسائی کی وہ کوڑا مل تھا۔ جسنے ۱۸۴۰ء مین انتقال کیا۔

دوسرے ہندی افسانے یعنی مدھومالت اور منوھر کے قصہ کو اولاً تو شیخ جمن نے ہندی مین اور اُسکے بعد ۱۶۴۹ء مین ناصر علی سرہندی نے فارسی مین نظم کیا۔ مگر زیادہ مشہور اور پسند خاطر خاص و عام میر عسکری عاقل خان کی نظم ہے جو عالمگیر کے عہد مین چوبیس سال کی عمر سے لیکر مرتے دم تک دہلی کے حاکم تھے۔ اُنکی مثنوی جسکا نام مہر و ماہ ہے ۱۶۵۵ء مین لکھی گئی۔ اسمین مدھومالت و منوہر کی جگہ زیادہ دل آویز فارسی نامون مہر و ماہ کو دیدی ہے۔ اسکے تین سال بعد علی عادل شاہ والی بیجاپور نے عاقل خان کی مہر و ماہ پر اپنی گلشن عشق کی بنیاد رکھی جسکی زبان دکھنی اُردو ہے۔ ۱۶۴۹ء مین اپنی مثنوی مجمع البحرین مین ظہیر کرمانی نے پھر اسی افسانہ پر طبع آزمائی کی۔

تیسرے ہندوستانی افسانہ یعنی پرماوت و رتن سین کے قصے کو پہلی بار شاعرانہ طرز بیان دو ہندی نظمون کی بدولت نصیب ہوا جنمین سے جٹمل اور دوسری ملک محمد جائسی نے ۱۵۴۰ء مین بھاشا مین لکھی جسین غزنوی کی اسی مضمون کی فارسی مثنوی کی تاریخ چونکہ معلوم نہین۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی پہلی نظم جو فارسی ادب کے افق پر نمودار ہوئی وہ غالباً عبد الشکور بزمی کی مثنوی تھی۔ جو ۱۶۱۹ء مین رت پرماوت کے نام سے عالم وجود مین آئی۔ اسکے بعد نواب عاقل خان نے ۱۶۵۹ء شمع و پروانہ لکھی جسے لچھمی رام نے نثر کالباس دیکر فرح بخش نام رکھا۔ ۱۶۶۱ء مین حسین الدین نے اسی مضمون پر زور طبع دکھاکر اورنگ زیب کے نام پر حسن و عشق لکھی۔ بعد ازان ضیاء الدین عبرت دہلوی اور ان کے اُستاد عشرت نے فارسی سے اردو مین نقل کیا۔ پھر میر عبد الجلیل بلگرامی نے اسی پر طبع آزمائی کی اور اخیر مین کسی ابراہیم نامی نے پشتو مین نقل کیا۔

پنوار سبھی کا عام پسند قصہ مذکورہ بالا تینون افسانون سے مختلف ہے یہ محض خیالی افسانہ

نہیں بلکہ اسکی استوار بنیاد ایک سچے واقعہ پر رکھی گئی ہے۔ اس سندھی عاشق و معشوق کے قصہ کو سب سے پہلے مولانا حاجی محمد رضائی سندھی نے ۱۶۲۳ء میں فارسی نظم کے زیور سے آراستہ کیا اور زیبا و نگار نام رکھا۔ یہ نظم سید علی ٹھٹوی کی نثر پر مبنی ہے جنہوں نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا اور قلمبند کیا تھا ۱۶۲۵ء میں منشی جیونت نے پھر اسی مضمون پر ایک فارسی مثنوی میں زورِ قلم دکھا کر سسی و پنوں نام رکھا اٹھارہویں صدی کے شروع میں لالہ چندر بھان کاش نے اسی قسم کے واقعات پر ایک اور فارسی مثنوی لکھکر دستورِ عشق نام رکھا اور روہیلوں کے نامی سردار حافظ الملک حافظ رحمت خان کے مبارز نواب محبت خان نے مسٹر جانسن کی درخواست پر اردو میں بھی ایک سسی و پنو لکھی اور اسرار محبت نام رکھا۔

پانچویں اور آخری ہندی افسانے یعنی پنجاب کے دامن و دھنرا ہیر اور رانجھا کے قصہ کو ابتداً داموردر پنجابی نے ہندی میں لکھا تھا۔ اسکے دو فارسی منظوم قالب اب تک موجود ہیں ایک شاہ فقیر اللہ آفرین کا ہیر و رانجھا یا راز و نیاز (برٹش میوزیم آر ۳۴۸) جنون ۱۷۳۱ء میں اپنے وطن لاہور میں انتقال فرمایا۔ اور دوسرا امیر قمر الدین منت کا ہیر و رانجھا جو ۱۷۴۳ء میں دہلی میں متولد ہوئے ۱۷۷۷ء میں لکھنو رونق افروز ہوئے۔ مسٹر رچرڈ جانسن کی عنایت سے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل کی ملاقات سے کلکتہ میں مشرف ہوئے۔ نواب ناظم بنگالہ کے دربار سے ملک الشعراء خطاب پایا اور ۱۷۹۳ء میں بعالم غربت کلکتہ سے رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ انھوں نے اپنی مثنوی ۱۷۸۱ء میں ختم اور اپنے مربی مسٹر جانسن کے نام سے معنون کی (انڈیا آفس نمبر ۱۳۱۹) آخر الذکر دونوں مثنویوں کے بیچ میں منشی شیام رام کا افسانہ نثر جگہ لیے ہوئے ہے۔

اسی قسم کے نگران سے کم مرتبہ دوسری نظمیں جو سراسر ہندی سرچشموں ہی سے نکلی ہیں۔ حسب ذیل ہیں (۱) ملا حمید کا عبرت نامہ جو ۱۶۰۷ء میں اختتام کو پہنچا (۲) ایک بنولی کے لڑکے رامچند کا دل ہلانے والا قصہ میر شمس الدین فقیر مصنف حدایق البلاغت کے زورِ قلم کا نمونہ (۳) حسن علی عزت کی مثنوی لعل و گوہر جو ٹیپو سلطان والی میسور کی فرمائش سے لکھی گئی۔

ہندوستان کی فارسی افسانہ نویسی منظوم کے نشو و نما اور ارتقا کے اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے امیر خسرو دہلوی کے اس اچھوتے انوکھے طریقہ پر جو انھوں نے اپنی مثنوی دیول رانی خضر خان

مین اختیار کیا۔ یعنی خود اپنے زمانہ کے دلچسپ واقعات و حادثات کو موضوع فسانہ نویسی بنانے پر ایک نظر ڈالنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ طوطی ہند کے اس طبع زاد امید افزا نوائے تازہ کے مقلد بہت کم پیدا ہوئے۔ بعد کے نشاۃ ثانیہ کے انشاء پردازون مین بہت ہی کم ایسے ہین جو واقعہ نگاری منظوم کی اس قسم مین شامل ہونے کے شایان ہون انہین اور افسانون مین سے ایک، حسین اور نوعمر ہندو لڑکی کے سسرت ناک موت کا قیامت خیز قصہ ہے تاثر الکرام کے بیان کے مطابق اسکی مختصر داستان یہ ہے کہ اکبر اعظم کے عہد حکومت مین ایک ہندو نوجوان اپنی شادی خانہ آبادی سے ایکدن پہلے آگرہ مین چتے کے بازار سے گزر رہا تھا کہ چت دفعتہ اوپر سے آرہی اور جوان دب کر مر گیا۔ بدنصیب عروس نے جو دولت حسن سے مالا مال تھی یہ خبر سنکر ہندو رسم و رواج کے مطابق ستی ہونے کا یعنی نامزد شوہر کی چتا پر اپنے آپ کو جلاکر اپنی وفا کو شوہر کی راکھ مین ملا دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ افواہ بادشاہ کے کان تک پہنچی تو اسنے اس نوعمر ناشاد نامراد جان دینے والی کو بلاکر طرح طرح کی تسلی دی سمجھایا بجھایا قسم قسم کی عنایتون اور مہربانیون کے وعدے کئے کہ اس خوفناک خودکشی سے باز آئے مگر من چلی لڑکی نے ایک بھی نہ مانی اسکے مستقل عزم مین ذرہ برابر بھی تزلزل نہ آیا اور دلیرانہ شعلون مین کود کر شوہر کے ساتھ راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔ تلا نوعی نبوشانی نے جو اکبر کے زمانہ مین ایران سے وارد ہندوستان ہوا اور ۱۶۱۰ء مین بمقام برہانپور سفر آخرت کیا شاہزادہ دانیال کے حکم سے اس دردناک حادثہ کو نہایت موثر مگر خون کن الفاظ مین اپنی چھوٹی سی مگر نہایت دلفریب مثنوی سوز و گداز مین بیان کر کے ثبت جریدۂ روزگار کیا۔

اب تک ہم اُن خزینہائے علوم کا ذکر کرتے رہے ہین جو سنسکرت سے عربی و فارسی مین منتقل ہوئے اسمین شک نہین کہ ابو معشر ابراہیم تنوخی اور ابوریحان بیرونی جیسے ہمت والے لوگ جنھون نے لانبے اور پُرخطر سفر اختیار کر کے طرح طرح کی دشواریون کا سینہ سپر مقابلہ کر کے، اور برہمنون کے سخت تعصبات پر غالب آکر جو سنسکرت کو اپنے دیوبانی سکھاتے اور اپنے علوم مقدسہ کے خزانے اُنپر کھولنے کو ناقابل معافی گناہ سمجھتے تھے اس السنہ کے سیکھنے اور ان بیش بہا دفینون کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے بیحد تحسین و آفرین شکر و سپاس کے مستحق ہین مگر ان بزرگون نے ہندی علوم و ادبیات پر جو کچھ بھی لکھا یورپ کے مستشرقین کی طرح اپنی مادری زبان یا عربی مین لکھا سنسکرت یا اور کسی ہندوستانی

زبان کے مضمارین کبھی شدید تر قلم کو جولان نہ دی۔ لہذا اب ہم ہندوستان کی سب سے چمکتی ہو
برج بھاشا یا ہندی کے ادبیات مین مسلمانون نے جو اضافے کئے اُن کا مختصر حال بیان کرین۔
رہی سنسکرت تو وہ مسلمانون کے اس ملک مین آنے سے بہت پہلے ہی مردہ ہو چکی تھی۔ ہندوستا
مین مسلمانون کے بود و باش اختیار کرنے سے پہلے ہی یعنی بہرام شاہ غزنوی ہی کے زمانہ مین اُسکے
درباری شاعر مسعود سعد سلمان نے بھاشا مین ایسے مہارت پیدا کر لی تھی کہ تذکرہ نویسون کے بیا
کے مطابق ایک ہندی دیوان اپنے بعد یادگار چھوڑا۔ اُس نادرۂ روزگار اعجوبۂ زمان امیر خسرو
کی نسبت جو فارسی مین اگر نظامی و سعدی کا مقابلہ کرتے تھے تو ہندی مین بھی کچھ کم اُستادی سے
ڈنکے نہ بجاتے تھے اور ملک محمد جائسی مصنف پدماوت کے متعلق ہمین یہان کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت
نہین کیونکہ اُنکی ہندی تصنیفات ہی اُنکے کمال کی کافی شاہد ہے آخر الذکر کی اُستادی کا لوہا اگر
ہندی کے ماہر مانتے ہین تو اول الذکر کو چھوٹے بڑے سبھی جانتے ہین۔ مولانا شبلی کا بیان ہے
پدماوت کے علاوہ ملک محمد جائسی نے دو اور ہندی نظمین بھی چھوڑی ہین جنکے قلمی نسخے ہنو
شاعر کے گھرانے مین محفوظ ہین شاہزادہ دانیال اور عبدالرحیم خان خانان بھی اپنے زمانہ
مشہور ہندی شاعر تھے جنکا جہانگیر اپنی تزک مین خاص طور پر ذکر کرتا ہے۔

ہمارا مضمون چونکہ اب بھی اون ابعاد ثلثہ سے جو ابتداً ہم نے اپنے ذہن مین اُسکے لیے
کئے تھے متجاوز ہو چکا ہے اور مسلمان مصنفین اور شعرائے ہندی کی تعداد ہزارون ہے اور
جنکو بطور نمونہ از خروارے صرف ایک شہر کے سربرآوردہ منتخب اصحاب کے مختصر
پر بمجبوری قناعت کرنی پڑتی ہے تاکہ ناظرین کو سارے ہندوستان کی مجموعی تعداد کی عظمت کا کچھ اند
ہو سکے۔ اس غرض سے ہمنے جس مقام کو منتخب کیا ہے وہ صوبہ اودھ کا مردم خیز خطہ بلگرام ہے۔
قصبہ کے بیشمار ادیبان ہندی مین سے مولانا غلام علی آزاد مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف آثار الکر
مین صرف آٹھ شخصون کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جنکی اعلےٰ درجہ کی شاعرانہ لیاقت اور
ہندی کی حیرت انگیز مہارت نے ہمعصر ہندو ادیبون اور شاعرون سے سند استحسان و اعتر
فضیلت حاصل کی تھی مولانا موصوف نے ان حضرات کے نہ صرف مختصر حالات لکھے ہین بلکہ ہند
تصنیفات کے کثرت سے انتخابات بھی دیئے ہین ان سب کے پیش رو اور سب مقدم حضرت

شیخ شاہ محمد فرلی ہین جو عہد اکبری و جہانگیری کے ممتاز اور صاحب اقتدار امرا مین سے تھے جس
زمانہ مین کہ آپ سیر زمین پرگنہ چندوار کے حاکم تھے ایک روز اثنائے شکار مین اتفاقاً فوج سے
جدا ہو گئے اور ایک گاؤن کے پاس سے گزر ہوا۔ ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھا کہ اُپلے تھاپ رہی ہے
لڑکی جسکا نام چنپا تھا کلائیون مین وہ زیور جسے ہندی مین تایت کہتے ہین پہنے ہوئے تھے جسپر
ایک ریشمی ڈورا پڑا تھا شیخ شاہ محمد نے دیکھتے ہی یہ برجستہ فقرہ کہا "کیا اچھا ہو تا اکنول پر بیٹھا ہے"
لڑکی نے فوراً جواب دیا "ہو تا نہین گو برونہ ہے" شیخ لڑکی کی اس حاضر جوابی اور بذلہ سنجی سے
بے محظوظ ہوئے کہ اسکا گھر انقش دماغ پر مرتسم ہوا تھا جلد ہی نکاح کی شکل مین ظاہر ہوا شیخ اور چنپا
اس قسم کے بہت سے سوال و جواب کا مدتون لوگون مین چرچا رہا دوہرانے والے ہونٹ چاٹتے
سننے والے سر دھنتے رہے حضرت آزاد نے خود بہت سے نقل کئے ہین مگر افسوس کہ ہمارے
کان ان کے لیے گنجائش نہین۔

ان سے بھی زیادہ صاحب آوازہ ہندی شاعر سید نظام الدین مدہنا یک تھے جنھون نے مدتون
آگرہ مین رہکر سنسکرت و بھاشا کی باقاعدہ تحصیل کی اور ان زبانون مین اور ناٹک تال سنگیت
علم مین وہ کمال پیدا کیا کہ جسطرح تان سین کی نسبت مشہور ہے کہ دیپک گا کر ہن مین آگ لگا دی
اسی طرح ضعیف العقل اوہام پرستون مین ان کی نسبت بھی ایک روایت مشہور تھی کہ آپنے ایک
قحط سالی کے زمانہ مین لوگون کے گڑگڑانے پر میگھ راگ گا کر پانی برسا دیا تھا۔ آپ موسیقی مین دو
لاثانی کتابون کے مصنف بھی ہین جنمین سے ایک کا نام ناد چندرکا اور دوسری کا نام مدہنا یک سنگار

ایک اور بلگرامی ہندی شاعر جنھون نے دور دور تک شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ سید رحمت اللہ
و شاہ شجاع ابن شاہجہان کے مدح سرا مشہور ہندو شاعر چنتامن کے ہمعصر تھے یہ بڑے خاندانی
رئے عالمگیری مین سے تھے۔ چنتامن نے ہندوستان کی مخصوص قسم تشبیہ و نیا الکار پر مشتمل ایک
لہا جسکے آخر مصرعے مین اُس نے اس صنعت کو اپنے خیال مین ایسے خوبصورتی سے برتا تھا کہ سارے
مین سے گوے سبقت لیجانے کا دعویٰ و فخر کرتا تھا صنعت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شے کو آپ ہی اپنا
نا کر اُسکے عدیم النظیر ہونے کا دعویٰ کیا جائے جیسے جلالائے طباطبائی کہتا ہے۔

آب رخ آئینہ جم منم ہچو منے گر بود آہنم منم

چنتامن نے اس تشبیہ کو یون ادا کیا تھا "دامرگ نینی کی لکھے واہی کیسی نین" حکومت جاجمئو کے زمانہ مین چنتامن کے ایک شاگرد نے یہ مصرع بڑے فخر کے ساتھ سید رحمت اللہ کو سنایا تو سید موصوف سنتے ہی بول اُٹھے کہ پہلی بسم اللہ ہی غلط ہے یعنی لفظ مرگ نینی (آہو چشم) ہی مین تشبیہ غیر موجود ہے۔ چنتامن کے کان تک یہ تنقید پہنچی تو پھڑک اُٹھا اور غلطی کا بے تکلف اقرار کے مصرع کو یون بدلدیا" واسندر کی مین لکھی واہی کیسی نین" اور سید کی دقیقہ سنجی نکتہ رسی کا ایسا گہرا نقش دماغ پر بیٹھا کہ تھوڑے ہی دن بعد سید کی مدح مین ایک بآب قطعہ نظم لکھکر حاضر خدمت ہوا جسکے صلہ مین سید صاحب نے ایک خلعت اور بیش بہا انعام شاعر کے پاس بھیجا مگر چنتامن نے خود سید کے دست مبارک سے خلعت پہنے پر اصرار کیا چنانچہ اُسکی التجا پوری کی گئی اسپر اُسنے سید موصوف کی مدح مین کئی ایک اور قطعین لکھین جو سب کی سب اُسکی کبت بچارین موجود ہین۔ سید رحمت اللہ نے ایک ضخیم مجموعہ ہندی نظمون کا اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ اسکا نام پورن رس ہے۔

ان کے بعد میر عبدالجلیل بلگرامی بھی جنکے مثل عربی کا ادیب و شاعر خاک ہند نے دوسرا نہین پیدا کیا ہندی کے مشہور شاعر تھے۔ ایک ضخیم جلد ہندی نظمون کی موسوم بہ سکھ نکھ ان کی یادگار ہے میر عبدالجلیل کے بھانجے سید غلام نبی بھی ہندی کے جلیل المرتبہ شاعر اور دو ہندی کتابون انگ درپن (سراپا) اور ناگ درپن یا رس پربودھ کے مصنف تھے۔ اسی طرح سید برکت اللہ بیم پرکاش کے مصنف ہین جو دوہون کبتون، بشنپد دوہرہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ان کا ہندی تخلص بیمی تھا۔

اس ضمن مین اُن کثیر التعداد ترجمون کو بھی نظر انداز نہین کرنا چاہیے۔ جو عربی فارسی سے ہندی مین کئے گئے۔ انکی تعداد اتنی بڑی ہے کہ ہم یہان اُسے ہاتھ بھی نہین لگا سکتے۔ جنھین شوق دریافت ہو وہ سکندر لودی، سلطان زین العابدین، ابراہیم عادل شاہ، اکبر اور اُسکے جانشینون کے عہد کے مورخین معاصر کے تصنیفات کا مطالعہ فرمائین۔

فدا علیخان رامپوری ایم اے

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی

آپ تقریباً ۱۸۳۷ء میں بمقام پانی پت ضلع کرنال پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا۔ میں ہی والد بزرگوار کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ اور آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین کی زیر نگرانی رہی۔ کچھ عربی فارسی کی امداد تحصیل کی تھی کہ نوجوان شباب ہی میں تعلقات دنیا کے پھندوں میں پھنس گئے اور آپ کی شادی ہو گئی۔ لیکن شہباز علم آپ کو پرواز کی تعلیم دے رہا تھا اور چونکہ آپ کی سسرال خوشحال تھی اور گھر بار کی طرف سے ایک گونہ آپ کو بیفکری تھی۔ لہذا آپ پانی پت سے بغرض تحصیل علم دہلی پہنچے اور یہاں علوم مروجہ میں انتہائی درجہ تک تکمیل علم کی۔

۱۸۵۶ء میں فارغ التحصیل ہو کر ضلع حصار کی محکمۂ کلکٹری میں مختصر سی جگہ پر مامور ہوئے لیکن ۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانہ میں یہ ملازمت بھی ترک کرنی پڑی اور ابتدائے شباب ہی میں نواب مصطفےٰ خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادوں کی تعلیم آپ کے سپرد ہوئی۔ اس تعلق سے آپ کو مفتی صدر الدین خان تیر و رخشان اور حضرت غالب مرحوم کی خدمت میں باریابی کے اکثر مواقع ملتے رہے۔ آپ دہلی کے اُن معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں جنکے دیکھنے والے بھی اب شاید مفقود ہو چکے ہیں آپنے مرزا غالب کو دیوان عام دہلی کے شاہی مشاعروں میں فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں غزل پڑھتے سنا ہے۔ الحاصل آپ حضرت غالب کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے آپ جناب مرزا صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ کی عالی دماغی اور سخن فہمی اُس زمانے میں بھی اپنے جوہر دکھاتی تھی۔ طبیعت میں شعر کا صحیح مذاق تھا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں آپنے داد سخن دی ہے۔ آپ مرزا غالب کی آخری علالت اور وفات کے موقع پر دہلی میں موجود بلکہ اُن کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ ان کی وفات پر سالک مجروح اور حالی تینوں رشید شاگردوں نے ایک ساتھ مرثیے لکھے ہیں اور وفات کی تاریخیں کہی ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ جو رتبہ و مقبولیت مولانا حالی کے اس مرثیے کو حاصل ہوئی ہے وہ

کسیکو نصیب نہین ہوئی۔ اسی طرح جو مرثیہ آپ نے حکیم محمود خانصاحب مرحوم دہلوی کی وفات پر لکھا آپ کے تمام کلام مین ایک عالی رتبہ رکھتا ہے۔

عرصے کے بعد لاہور مین بسبب تعلقات ملازمت پہنچے۔ یہان آپ نے برکمارٹ اور ڈبلیو ٹی اوصاف و تعصب اور چند دیگر قومی نظمین لکھین نیچرل شاعری کا شوق آپ کو کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے دلایا چنانچہ آپ نے چند نیچرل نظمین لکھین۔ لیکن آپ بسبب ناموافقت آب و ہوا ایک دو سال کے بعد انگلو عربک اسکول دہلی مین بہدۂ مدرسی واپس چلے آئے۔ اور یہان آپنے اپنا مشہور و معروف مسدس (مد و جزر اسلام) لکھا جسکی شہرت چار دانگ ہند مین پھیلی نیز مین تعلیم نسوان کے متعلق آپ نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام مجالس النسا رہے۔ اسمین بالکل عورتون کی زبان اور عورتون کے محاورات برتے ہین۔ یہ کتاب عورتون کی ضروری تعلیم و اصلاح کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی حیات سعدی۔ یادگار غالب اور حیات جاوید آپ کی بہترین تصانیف ہین۔

آپ نے اپنے مقدمہ دیوان مین جو شعر و شاعری پر بحث کی ہے اور اساتذہ عرب و یورپ کے اقوال کا مقابلہ کیا ہے وہ قابل دید ہے۔ اور فن شاعری حاصل کرنے کے لیے ایک عمدہ ذریعہ ہے۔

آپ ۱۸۷۹ء مین سرسید احمد خان کی معیت مین حیدرآباد دکن بغرض فراہمی چندہ علیگڈھ کالج کی طرف سے گئے تھے۔ اسوقت وہان کے مدار المہام نواب سراسمان جاہ بہادر تھے۔ وہان آپنے کئی نظمین پڑھین۔ اُسی زمانہ مین آپ کا ماہوار وظیفہ بھی ریاست دکن سے مقرر ہوگیا۔ جسکے بعد آپ بار ملازمت سے بالکل سبکدوش اور دست کش ہوگئے۔

آپ آخر عمر مین پانی پت مین مقیم رکھتے تھے اور گاہ گاہ دہلی یا میرٹھ چلے جاتے تھے۔ آخر ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

حالی کی شاعری اطراف ہند مین مقبول خاص و عام ہوئی۔ لیکن یہان تک آپ کے دیگر اصناف سخن سے قطع نظر کرکے صرف رنگ تغزل کو دیکھنا ہے کہ اس کوچہ مین آپ کی کہان تک رسائی ہے۔ عام طور پر آپ کو محض نیچرل یا قومی شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اور لوگ آپ کی قدیم شاعری پر ایک نظر ڈالنے کی بھی تکلیف گوارا نہین کرتے۔ یہ سراسر غلطی ہے۔ آپکا قدیم و جدید کلام رنگ

تغزل مین اپنا ایک خاص اثر رکھتا ہے۔ پڑھیے تو معلوم ہو کہ زبان کسقدر صاف اور سجی ہوئی ہے خیالات کسقدر بلند ہین۔ بیش بہا افادہ مضامین نہین پائے جاتے صرف کنگھی اور چوٹی کے اشعار نہین بعض اشعار اغالب مرحوم کے رنگ مین پائے جاتے ہین۔ مطالب کے لحاظ سے بھی دقیق ہین۔ غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے کیا بات کہی ہے اور کیا خوب کہی ہے۔ طرز کلام شیرین اور طرز ادا نرالی ہے۔ بعض اصحاب آپ کی بعض نظمون پر یہ اعتراض کرتے ہین کہ وہ متروک الفاظ استعمال کر جاتے ہین یہ اعتراض کہانتک صحیح اور بجا ہے اس سے ہمین غرض نہین لیکن ہم یہ ضرور کہین گے کہ آپ کی غزلون مین تو ایک لفظ بھی کوئی صاحب ایسا نہین دکھا سکتے جو ان کے زعم مین بھی قابل اعتراض سمجھا جاوے۔ اسمین شبہ نہین کہ آپ کے کلام مین وہ رنگینی درد لفربی نہین پائی جاتی جو حضرت داغ کا جوہر اصلی ہے۔ تغزل کا میدان بہت تنگ ہے اور اگلے اُستادون نے اب کوئی بات چھوڑی نہین تاہم آپ کی غزلین پڑھنے اور سر دُھننے کے لایق ہین۔

بیگانگی مین حالی یہ رنگِ آشنائی
سُن سُن کے سر دُھنین قال اہلِ حال تیرا

ذیل مین مولانا حالی کے بہتر اشعار انتخاب کرکے درج کیے جاتے ہین۔ دیوان مین اس قسم کے اور اشعار بھی بکثرت ہین لیکن ہماری مفروضہ تعداد ہمکو آگے بڑھنے کی اجازت نہین دیتی۔

کلامِ حالی

۱ پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا — چھپتا نہین جلال تمہارے شہید کا
۲ قفلِ درِ مُراد سب اکسیر کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
۳ دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر — لاتقنطو جواب ہے اہل سن مزید کا

---

۴ یون بے سبب زمانہ پھرتا نہین کسی سے — اے آسمان کچھ اسمین تیرا بھی ہے اشارا

۵ رونا نہو گا حالی شاید نہ کم تمہارا — جب دیکھو آنسوؤن سے دامن ہے نم تمہارا
۶ روسی ہوں اتنا ری ہم کو ستانگے کیا — دیکھا ہے ہم نے برسون لطف وکرم تمہارا

---

۷ یارب خطاب وصل ہو یا ہو طرب وصل — حسبدن کہ یہ دونون سنون وہ دن نہ دکھانا

---

۸ کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا — اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا
۹ عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید — خود بخود دل مین ہے اک شخص سمایا جاتا

---

۱۰ خلوت مین تری صوفی گر نور صفا ہوتا — تو سب مین ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا
۱۱ تھا آفت جان اُسکا انداز کماندارى — ہم بچکے کہان جاتے گر تیر خطا ہوتا
۱۲ کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ — سننے ہی کے قابل تھا تمنے بھی سنا ہوتا

---

۱۳ پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا — تھا حسن میزبان کوئی میہمان نہ تھا
۱۴ ملتے ہی ان کے بھول گئین کلفتین تمام — گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا
۱۵ سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے — تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا
۱۶ تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمین چبھ گئی — مانا کہ اسکے ہاتھ مین تیر وسنان نہ تھا

---

۱۷ اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا — رو رو کے اور ہمکو رلانا ضرور تھا
۱۸ تھی ہر نظر نہ محرم دیدار ورنہ یان — ہر خار نخل ایمن وہر سنگ طور تھا
۱۹ جانی نہ قدر رحمت حق پار سانے کچھ — ٹھہرا قصور وار اگر بے قصور تھا

---

۲۰ دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائیگا — سینے مین داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا
۲۱ تسکو ہزار شرم سہی مجکو لاکھ ضبط — الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

---

۲۲ وہ امید کیا جسکی ہو انتہا وہ وعدہ نہین جو وفا ہو گیا

---

۲۳ اِک خوسی ہو گئی ہے تحمل کی ورنہ اب وہ حوصلہ رہا نہین صبر و قرار کا
۲۴ غربت کے مشغلون نے وطن کو بھلا دیا خانہ خراب خاطرِ الفت شعار کا

---

۲۵ وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبط راز تھا چہرہ سے اپنے شورش پنہان عیان ہی آ

---

۲۶ گو جوانی مین تھی کج رائی بہت پر جوانی ہمکو یاد آئی بہت
۲۷ وصل کے ہو ہو کے سامان رہ گئے مینھ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

---

۲۸ اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
۲۹ کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت
۳۰ ان کو حالی بھی بلاتے ہین گھر اپنے مہمان دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

---

۳۱ تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یان سزا کے بعد
۳۲ کرتے رہے خطائین ندامت کے بعد ہم ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
۳۳ مدت سے تھی دعا کہ ہون بدنام شہر شہر پائے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

---

۳۴ داستان گل کی خزان مین نہ سنا اے بلبل ہنستے ہنستے ہمین ظالم نہ رُلانا ہرگز
۳۵ آخری دور مین بھی تجکو قسم ہے ساقی بھر کے اک جام نہ پیاسون کو پلانا ہرگز

---

۳۶ اعتراضون کا زمانہ ہے حالی پہ ہجوم شاعر اب ساری خدائی مین ہے کیا ایک ہی شخص

۳۷ رہا ہون رند بھی اے شیخ پارسا بھی ہین — مری نگاہ مین ہے رند و پارسا ایک ایک

۳۸ آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتان سے ہم — سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازدان سے ہم
۳۹ اب بھاگتے ہین سایۂ عشق بتان سے ہم — کچھ دل سے ہین ڈرے ہوئے کچھ آسمان سے ہم
۴۰ جنت مین تو نہین اگر اے زخم تیغ عشق — بدلینگے تجھکو زندگی جاودان کر ہم

۴۱ کہتے ہین جسکو جنت وہ اک جھلک تیری — سب واعظون کی باتی رنگین بیانیان ہین

۴۲ ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہان — اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جاکر نظر کہان
۴۳ یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اسکو ہم سے ربط مگر اسقدر کہان
۴۴ ہم جسپہ مر رہے ہین وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم مین تجھسے لاکھ سہی تو مگر کہان

۴۵ کچھ پاتا نہ منزل مقصود کا پایا ہم نے — جب یہ جانا کہ ہمین طاقت رفتار نہین

۴۶ بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر — ابھی کچھ لوگ باقی ہین جہان مین

۴۷ جی ڈھونڈتا ہے بزم طرب مین انھین مگر — وہ آئے انجمن مین تو پھر انجمن کہان
۴۸ کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے — شکوہ کو لیگیا ہے وہ ہمدا وفن کہان

۴۹ مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا — مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

۵۰ کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہین پیاسے — گرمے نہین دے زہر ہی کا جام بلا سے

۵۱ درگذرے دوا سے تو بہر دسہ پہ دعا کے — درگزرین دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے

---

۵۲ کبک قمری مین ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے — کل تباہی کہ خزان یہ کہ وطن کس کا ہے
۵۳ واعظا اک عیب سے تو پاک ہے یا ذات خدا — ورنہ بے عیب زمانہ مین چلن کس کا ہے

---

۵۴ کہا جو مینے وفا کرتے آئے ہین احباب — کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

---

۵۵ دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھین کھولکر — پھول مین گر آن ہے کانٹے مین بھی اک شان ہے
۵۶ تجھ مین جوت اے شمع ہے کس برق عالم سوز کی — جان و دل سے تجھپہ پروانہ جو یون قربان ہے

---

۵۷ پردے بہت سے وصل مین بھی درمیان رہے — شکوے وہ سب سنا کئے اور مہربان رہے
۵۸ پوچھی گئی نہ بات کہین پاس وضع کی — اُتنے ہی ہم سبک ہوے جتنے گران رہے
۵۹ دیر و حرم کو تیرے دیوانون سے بھر دیا — اپنے رقیب آپ رہے ہم جہان رہے
۶۰ یاران تیز گام نے محمل کو جالیا — ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے
۶۱ دریا کو اپنی موج کی طغیانیون سے کام — کشتی کسیکی پار ہو یا درمیان رہے
۶۲ حالی سے ملکے ہو گئے تم افسردہ دل بہت — اگلے سے ولولے وہ اب اُسمین کہان رہے

---

۶۳ جسکو غصہ مین لگاوٹ کی ادا یاد رہے — آج دل لیگا اگر کل نہ لیا یاد رہے
۶۴ ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر — نہ برتاؤ مین جو رسم و ریا یاد رہے
۶۵ ابھی جانا نہین حالی نے کہ کیا چیز ہین وہ — حضرت اس لطف کا پائینگے مزا یاد رہے

---

۶۶ ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے — آخر کو ہم حوالۂ تقدیر کر چکے
۶۷ اے دل اب آزمائش تقدیر کا ہے وقت — وہ امتحان بُرش شمشیر کر چکے

۶۸ ہین عاشقی کی گرماتین معلوم اُسکو ساری — حالی سے بدگمانی بیجا نہین ہماری

۶۹ دلکو درد آشنا کیا تونے — دردِ دل کو دوا کیا تونے
۷۰ رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا — اب لیا چشمۂ بقا تونے

۷۱ جان بچتی نظر نہین آتی — عنیر الفت بہت جتانے لگے

۷۲ حشر تک یان دل شکیبا چاہیے — کب ملین دلبر سے دیکھا چاہیے

محمد یحیی تنہا



*

البانیہ

آج کل کثرت سے اخبارات وجرائد مین اس قوم کا نام آرہا ہے اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر اسکے تمام حال بیان کر دیجائے کہ گذشتہ زمانہ مین کیا حالت تھی اور اب کیا سے کیا ہوگئی ہے۔

اس قوم کا نام خود اسکے قبائل مین مختلف طور سے لیا جاتا ہے چنانچہ قبیلہ کیفہ اربانیہ اور قبیلہ توسنہ مین اربریا مشہور ہے۔ آر بمعنی کھیت کے ہین اور بان وہ شخص جو کھیتی کرتا ہے اور کبھی کبھی نون کو رے سے بھی بدل لیتے ہین اس نسبت سے اربانیا یا اربریا کے معنی کاشتکار کے ہوئے۔ یہ پہلی قوم ہے جسنے سب سے پیشتر اس مفید ترین صنعت کو ایشیا سے لیجا کر یورپ مین رواج دیا۔

اہل یونان اور ارباتیا کو غلطی سے اروانتیس کہتے ہین و وب کو ے سے بدل لیتے ہین کیونکہ اول الذکر صرف ان کی زبان مین مقصود ہے اروانتیس مین نیتس اظہار نسبت کے لیے ہے اور اہل یونان کی اس غلط خیال کی بنا یہ ہے کہ وہ ارنایہ اُس جگہ کا نام سمجھتے ہین جہان سے قوم رہتی ہے ترک ان بلاد مین داخل ہوے تو وہ اہل یونان کی طرح ارنایت کہنے لگے اور انھون نے سین زائد کو حذف کر دیا اور تحریف کے طور پر واؤ اور نون کو مقدم و موخر کر دیا جس طرح عربی مین عربون سے رعبون ہوگیا اور تا کو طا سے بدل کے واؤ کو بغیر کسی سبب کے کسرہ کے بجاے ضمہ دیدیا اور ناط ہوگیا۔

آج کل یورپ مین بلکہ (عام طور پر) اس قوم کو البانی کہا جاتا ہے یعنی را کو لام سے بدل لیا ہے اور یہ دونون قریب المخرج ہین اکثر ایک دوسرے سے بدلتے رہتے ہین۔ عربی مین البرت اور البست کے ایک ہی معنی ہین۔ یعنی کاتنا یہ بات علماے السنہ کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ البانی زبان قدیم یونانی، لاتینی، صقلی، غوطی، اور سنسکرت کے مشابہ ہے،

ل اس مضمون مین قاموس الاعلام صنفہ شمس الدین سامی بک اور کتاب البانیا سے مدد لیگئی ہے۔ مسلمان

نیز یہ کہ قدیم آرین زبان کی تمام شاخون سے زیادہ قدیم ہے، لیکن اُن الفاظ کے متعلق جو قدیم یونانی اور البانی مین مشترک ہین کہ اس امر کی تحقیق کرنا کہ انکو یونانی سے البانی نے لیا ہے یا البانی سے یونانی نے بہت مشکل امر ہے۔ صرف وہی حضرات جو ان دونون سے واقفیت اور مہارت تامہ رکھتے ہون اور ان دونون زبانون مین اُن کی دلچسپی توغل کی حد تک پہونچگئی ہو اس امر پر قادر ہو سکتے ہین

شمس الدین شامی بک نے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر مشترک الفاظ ان کی البانی اور یونانی صورتین اس امر پر دلیل ہین کہ یہ الفاظ البانی الوصل ہین اور یونانی مین البانی سے ماخوذ ہین اور یہان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ زبان یونانی اور لاطینی سے قدیم تر ہے۔

دوسری آرین زبانون کے مقابل ہین زند فارسی اور سنسکرت اسکی زیادہ مشابہت اس امر پر دال ہے کہ یہ آریہ زبان کے سوا کسی اور زبان کی شاخ نہین بلکہ براہ ہجرت عمومی کے زمانہ مین وسط ایشیا سے آئی ہے۔

وطن اصلی سے ہجرت کرکے یہ لوگ مشرقی یورپ مین پھیل گئے جیسا کہ ان کے دوسرے ہمجنسون نے مغربی یورپ کو رہنے کے لیے پسند کیا۔ مشرقی یورپ، مین پہنچکر کچھ تو گلیریا جو آجکل البانیا کہلاتا ہے اور جسکے حالات کا اظہار اسوقت مقصود ہے، بوسینیا ہرزے گونیا اور دوماسیا مین منتشر ہو گئے، کچھ لوگ دلماسیا قدیم (یعنی ولایت سالونی کا مناستر اور اسکوپ) کچھ تھریس مین جو دارالسلطنت ایڈریانوپل ہے اور کچھ لوگ بلغاریہ کے ایک حصہ مین منتشر ہو گئے۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ جنھون نے اپنے وطن یعنی ایشیا کو یورپ پر ترجیح دی اور حب وطن کے جذبۂ صادق کے باعث یورپ کی دلفریبی ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے مین ناکام رہی، یہ لوگ فریجیون کہلاتے ہین اور ان کا ملک بحر ابیض مین اناطولیہ کے ساحلون سے لیکر سورس سے لیکر انگورہ تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ بات تاریخی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہونچگئی ہے کہ مذکورۂ بالا چارون شاخین ایک ہی درخت کے تنے سے نکلی ہین۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اہل ایبیریا یا اہل مقدونیہ سے اور اصل تھریسی اہل فریجیا سے زبان اخلاق عادات اور خصائل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہین ان چارون شاخون سے مرکب تنہ کو زمانہ قدیم مین بلاسج یا بلاصقے کہتے تھے۔

بعض محققین السنہ کا خیال ہے کہ یہ بلاق سے ماخوذ ہے اور بلاق مجلس شیوخ کو کہتے ہین آج بھی پہاڑی لوگ آپس کے نزاعات کو اپنے یہان کی مجلس شیوخ سے فیصل کراتے ہین اور اسے بلاتونیہ کہتے ہین۔

یہان سے یہ بات واضح ہوگی کہ یہ زبردست اور عظیم الشان قوم آج سے دو ہزار برس پیشتر ٹرلیسٹ سے منتقل ہوکر ہنگری سیوریس اور اناطولیہ مین پھیل گئی۔

جو لوگ اناطولیہ مین رہ گئے تھے، متعدد بار فارس اور یونان نے ان پر چڑھائی کی اور فتحیاب ہوئے یہی وجہ تھی کہ فاتح قوم سے غلط ملط ہوکر ان کی قومیت ٹھگئی بلغاریہ اور سقالیہ نے بھی اسیطرح اہل ایلیریا اور مقدونیہ سے بھی سکوک کرنا چاہا اور دو ایک مرتبہ چھیڑ چھاڑ بھی کی اس موقع پر متحد و متفق ہوکر وہ اس حصہ کو چھوڑ کر ایلیریا کے حصون مین جا بسے اور اسی کو اپنی آزاد و مامون زندگی کے لیے کافی سمجھا۔

وہ دوسری قومون سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے، حتیٰ کہ خود ان مین بھی جمعیت مفقود تھی جیسا کہ آج بھی دیرہ اور اشقودرہ کے پہاڑونین انکے اس انوکھی طرز تمدن کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

غرض اسیوجہ سے ان کے عادات و خصائل قومی خصوصیات اور زبان اب تک محفوظ رہی لیکن اسکے ساتھ ہی اس تفرقہ کے باعث ان مین ادبیات اور قومی لٹریچر کا فقدان تھا۔

ایک زمانہ مین اس قوم نے حکومت کبھی بنا ڈالی تھی، چنانچہ اشقودریا مقدونیہ اور سالونیکا مین کئی ریاستین قائم کین ان سب کا مرکز تلایا شہر تھا جو سالونیکا کے ملک ارسق کے کنارے اور یکچہ داردا کے قریب آباد تھا۔

اس قوم کے امرائے سلاطین مین سکندر بن فیلب سب سے زیادہ مشہور ہے، یہ باشاہ البانی الاصل اور البانی النسب ہے، اسنے یونان مین تعلیم و تربیت حاصل کی اور یونانی عادات و اخلاق اسمین سرایت کرگئے حتیٰ کہ یہ لوگ اسے یونانی ہی سمجھنے لگے، حالانکہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

اسکے یونانی نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یونان کے مشہور خطیب فرسوستین کی وہ تقریرین

ہین جسمین اُسنے اہل آشینہ کو البانیہ کے خلاف بھڑکایا ہے، اور ان تقریرون مین اس مارٹن کا نام لینے کے بجائے بار بار روس یعنی عجمی کہا ہے۔

البانیہ کے مشہور بادشاہون مین بیروس کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اُس نے دو مرتبہ رومانیہ پر غلبہ حاصل کیا اور ایک سے زائد مملکتونپر قابض ہوگیا۔ لیکن اس فتح وظفر کی حالت بالکل سیلاب کی سی تھی فتح کرنے کے بعد مستقل قبضہ نہ ہوسکا اور نہ حکومت قائم کیجاسکی۔ اسی لئے اس بادشاہ کے جانشینون کے پاس صرف وہی ممالک رہ گئے جو آبا و اجداد سے چلے آئے تھے۔

اہل البانیہ جنھون نے سکندر کے عہد مین اپنے قبضہ اثر سے ایک زمانہ پر تسلط قائم کرلیا تھا۔ اہل روم کے زیر اقتدار رہنا اپنی سخت ذلت سمجھی بلاشبہ وہ ایک شجاع قوم تھی اُسکی زبردست کارنامے فاتحانہ معرکہ آرائیان شجاعت و دلاوری کی زبردست دلیلین تھین۔

۱۶۸ء (ق م) مین جول آئیل روم کا ایک مشہور جنرل ایک لشکر جرار کے ساتھ ان کو نیچا دکھانے آیا اُسنے اُنکو کامل شکست دی۔ شہر کے شہر اور گانون گانون تباہ و برباد کردینے سے بیشمار البانی مقتول اور ڈیڑھ لاکھ کے قریب قید ہوے جنکو اُسنے اپنے ملک مین لیجاکر بیچ ڈالا۔

لیکن کیا اُنھون نے روم کی طاعت قبول کرلی، ہرگز نہین انھون نے اُس وطن کو جسپر غیرون نے قبضہ کرلیا تھا خیرباد کہا اور پہاڑون کے قدرتی قلعون کو اپنا مامن سمجھکر اُس مین جابسے اور اسطرح فقر و فاقہ کی آزادانہ زندگی کو عیش و آرام کی غلامانہ زندگی پر ترجیح دی انھین حالات مین زندگی گذر رہی تھی کہ سلاطین بنو عثمان روم مین داخل ہوے لیکن ۱۴۳۲ء مین البانیہ کے امرا مین سے ایک شخص اسکندر بگ نے جو ایک بہادر انسان تھا اور غیر معمولی دل و دماغ رکھتا تھا تمام قوم اپنی زیر سیادت جمع کرکے بہ برس تک استقلال کے ساتھ عثمانی عساکر کی مدافعت کی چنانچہ اس عرصہ مین عثمانیون کے اس ملک مین قدم نہ جمنے پائے۔

لیکن اسکے مرتے ہی تمام نظام درہم و برہم ہوگیا۔ اور آل عثمان ان تمام ممالک پر قابض ہوگئے۔

اسوقت ان کے جذبات حریت پرستی کو حرکت ہوئی اور اسطرح کی غلامانہ زندگی کو روایات

قومی کے لیے ننگ و عار سمجھکر وطن مالوف کو چھوڑ مختلف بلاد مین منتشر ہو گئے۔ کچھ لوگ تلابریا اور صقلیہ مین جا بسے کچھ جینوا اور سلیسیا مین پہلے گئے اور کچھ لوگون نے البانیہ مین تو طن اختیار کرلیا۔

لیکن بعض ایسے بھی تھے جنھون نے نقل وحرکت مناسب نہین سمجھی اور وطن کی آب ہوا کی محبت ان کے تمام جذبات پر غالب آگئی۔ ان لوگون مین رفتہ رفتہ اسلام پھیل گیا یہانتک کہ صرف تہائی حصہ آبائی مذہب پر باقی رہا۔ اسمین بھی نصف کیتھولک تھے اور نصف آرتھوڈکس۔

تھوڑی ہی مدت مین یہ قوم حکومت کی دست راست بن گئی اور اسمین کے متعدد افراد محض ذاتی قابلیت کی بنیاد پر جوان کی فطرت مین ودیعت ہے مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور انکا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کم وبیش بیس البانی ترکی حکومت کے وزیر اعظم رہ چکے ہین۔ حکومت ترکی کا ایک مشہور جنرل جو ترکی فوج کا کمانڈر انچیف تھا اور جو سب سے پہلا شخص تھا جسنے عمان اور یمن کو عثمانی حکومت مین داخل کیا اور عثمانی علم خلافت کو آجینیہ اور صومائرہ تک پہونچا دیا وہ البانی الاصل تھا۔ اسی طرح وزیر، محمد پاشا، جو عثمانی فوجون کو وائنا کی دیوارون تک لیگیا وہ البانی قوم کا ایک فرد تھا۔

ہر البانی قوم اپنی خلقت، عادات واخلاق اور طرز بود وماند مین ممتاز حیثیت رکھتی ہے ہر ایک البانی عام طور پر بلند قامت قوی البنیہ۔ کشادہ پیشانی ہوتا ہے۔ سر بڑا ہوتا ہے۔ یہ تمام خصوصی صفات اُسکی ذہانت ومتانت اور اعلےٰ دماغی پر دلیل ہین۔ وہ وعدہ پورا کرنے مین جان کی بھی پروا نہین کرتا، قبیلہ اور خاندان کی محافظت اسقدر سختی کے ساتھ کرتا ہے کہ ہمیشہ جان دینے کو تیار رہتا ہے، جو بات منھ سے نکل گئی بہادرون کی طرح اُسے پورا کر دکھاتا ہے۔

سبک روی کے ساتھ تیز قدم ہے حسن اور تناسب اعضا مین اپنی عورتون سے بڑھا ہوا ہے۔ عورتین ذرا گداز جسم کی ہوتی ہین اور یہ اُن کو عزت ووقعت محبت اور خلوص کی نگاہون سے دیکھتا ہے۔

پردہ کا بالکل رواج نہین لیکن اس قوم کی احتیاط، تقویٰ، غیرتمندی، حیا وشرم کی انتہا ہے کہ شاہل عورت یا کسی نوجوان دوشیزہ کے متعلق ذرا بھی شبہ ہو جائے تو اُسوقت ہوش

غضب مین بدترین سلوک کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے[۵]۔

عورتین صناع، دستکار، محنتی اور جفاشعار ہوتی ہین گھر کی مالک ہوتی ہین اور گھر کا سارا اثاثہ انہین کے سپرد ہوتا ہے۔ مردون کی حیثیت بالکل مہمان کی ہوتی ہے۔

شادی بیاہ صرف اپنے ہی قبیلہ اور خاندان مین ہوتا ہے۔ خواہ ایک دوسرے سے جسقدر بھی فاصلہ پر ہون۔

بیٹیون کو وراثت سے محروم رکھتے ہین (یہ رسم باوا اجداد سے ورثہ مین ملی ہے) بیچاریون کے لیے جہیز تو درکنار عروسی کے جوڑے کا انتظام بھی دولھا کے سر ہے۔ مذہب کی پابندی مین بہت سخت ہین البتہ عملی عبادت مین حالت کسی قدر کمزور ہے۔ بعض مراسم وعادات کی جو یا تو قدیم مذہب یا عیسائیت کے زمانہ سے چلی آرہی ہین اب تک حفاظت کرنے مین اختلاف مذاہب کے باوجود ان مین زبردست اتفاق واتحاد ہے۔

یہ ہین البانی کی خصوصیات جنکو ہمنے مختصر طور پر بیان کیا۔ زبان کے متعلق پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ آرین زبان کی ایک مستقل شاخ ہے۔ لیکن اپنی دوسری ہمسایہ بہنون کے دوش بدوش نہ چلنے کی وجہ سے فصاحت وبلاغت کے اعلےٰ معیار پر نہین پہونچ سکی۔ اگرچہ یہ امر قابل تردید ہے کہ یونانی اور لاطینی مین کونسی زبان قدیم ہے کیونکہ یونانی ولاطینی کی قدیم قصص ومقامات ہین۔ تو ان کے نام اسی زبان سے لیے گئے ہین۔

آثار قدیمہ کے محققین نے جو مقامات مین حکومت ان کی نہین ہے ایک قدیم خط کا انکشاف کیا ہے اسی طرح فرنجیا مین اس قسم کے خطوط پائے گئے ہین ان خطوط کو لاطینی کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی تو بہت کچھ کامیابی ہوئی اور یہ خطوط البانی سے بہت زیادہ مشابہ پائے گئے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اس زبان کا ایک خاص خط تھا،

ان کے پاس مذہب کیتولک سے متعلق نظم ونثر کی چند کتابین ہین جو ۱۵۵۴ء مین لکھی گئی تھین اب تک موجود ہین۔ اسی طرح حب وطن کے بہت سے گیت جو آٹھ نو سو برس پہلے کے لکھے ہوئے ہین۔

---

[۵] صفات قرین اس قوم اور ان اہل عرب پر جنکا اخلاق اس قسم کا بدعات سے ملوث نہین اور ان کی اس غیرت مندی اور شرم وحیا پر جنکو ہم تمدن وشستہ سے تعبیر کرتے ہین۔

اب تک محفوظ ہین - آج کل کی زبان ان گیتون سے ملتی جلتی ہے، صرف مذہبی اصطلاحات بدل گئی ہین - کیونکہ عیسائیون نے یہ اصطلاحات یونان سے اور مسلمانون نے عرب سے لی ہین - یہ وجہ ہے کہ ان کی قدیم مذہبی اصطلاحات بالکل فنا ہوگئین -

محمد حسین حسان دارالعلوم ندوہ

"تاج آگرہ"

تہرو - اے تاج محل کے نام سے موسوم ہونیوالے غیر فانی تہرو کس نے تہاری بیجان رگون مین روح دوڑادی ہے کسنے تکو زندہ جاوید بنا دیا ہے، کون تکو متواتر آب حیات پلاتا رہتا ہے؛ حیاب جاودان حاصل کرکے تمنے دنیاوی خوشیون کا جام اپنی سربفلک عمارت کے ذریعہ آسمان کی طرف بڑھایا ہے، موسم بہار کے آخری زمانہ کی رخصتی آہین تمہارے دریچون کے پاس ہوا مین گونجتی ہین - صبح شب وصل بیشتر عشاق کے اشکہاے غم یکہ تنہا چراغ سحر کی دھندلی روشنی مین چمکتے ہین - ہان تمام زمانون کے عشاق ناکام کے آنسو تمہارے قدمون کی نذر ہین -

اے شہنشاہ بیگم تیری یا تیری بعد بھی ہمیشہ باقی رہی - امتداد زمانہ سے اسمین اضافہ ہوتا جاتا ہے - وہ ایک غیر فانی مجسمہ حسن وخوبی کی شکل مین منتقل ہوگئی - وہ جذبہ محبت صورت پذیر ہوگیا ہے اور اس واقعہ الفت شہنشاہ کے عشق صادق کی یاد اہل عالم کے دلون کو ہلاتی ہے -

بیگم تو اپنی بیمثیل محبت کا تاج گوشہ حرم سے باہر لائی - تمام دنیا کے عشاق اس سے اپنے معشوقون کی آرائش کرینگے - محل اور جو نپڑے دونون مین اسکے نظارے سے مردہ دلون مین جان پڑجاتی ہے تیرا بقعہ صرف تیری ملکیت نہین ہے یہ تمام موجودہ اور آیندہ عشاق کا معبد ہے پرستشگاہ ہے -

اس سندر بن شاہی شان وشوکت کا نشان نہین ہے خیر کوئی مضائقہ نہین، شان وشوکت عارضی چیز ہے فانی ہے انسانی روح کا اشتیاق اسکا طواف کرتا ہے اسپر سایہ افگن ہے جبتک دنیا مین کسی عاشق کا وجود رہے گا جبتک سپہر برین کا ایک ستارہ بھی چشم شوق سے اسکو دیکھتا ہے -

بسنگین ملکیہ تاج محل یون ہی ہمیشہ چمکتا رہے گا -

(ازٹیگور) باسط بسوانی

مسٹر کاڈل کا غصہ

(چھتری کے لیے)

مسٹر کاڈل نے اپنے ایک ملاقاتی کو اپنی چھتری عاریتاً دیدی یہ بات اُنکی میم صاحبہ کو ناگوار گذری جھنجھلاکر بولین، یہ بڑے دن کے بعد تیسری چھتری جا چکی ہے۔ تم کرتے کیا؟ اوسے اپنے گھر پانی برستے مین جانے دیتے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اوسکے پاس تھا ہی کیا جو خراب ہوجاتا۔ زکام ہوجاتا۔! بیشک!۔ اُسکی صورت سے تو نہین ظاہر ہوتا کہ حضرت کو زکام ہوجاتا۔ اور زکام ہوجانا تو بلا سے ہوجاتا۔ اچھا ہوتا اگر ہوجاتا، ہماری چھتری کیون لیگیا۔ مسٹر کاڈل! تمکو پانی برسنے کی آواز بھی کچھ سنائی پڑتی ہے؟۔ سنتے بھی ہو؟ پانی برسنے کی آواز بھی کان مین آتی ہے! بیشک آج سینٹ سیوٹن کا دن ہے۔ کیسا کھڑکیون کے اوپر پانی پڑرہا ہے۔ واہیات مجھے نہ بکاؤ اس زور کا تو پانی پڑرہا ہے اور تمہین نیند! سچ بتاؤ! تم سنتے ہو؟ غنیمت ہے کہ تمنے سُنا تو۔ اجی یہ ایک طوفان آیا ہے جو کم از کم چھ ہفتہ رہے گا اور ہمکو گھر سے باہر قدم نکالنا دشوار ہوگا۔ خوب! مجھے بالکل ہی بیوقوف سمجھتے ہو کیا، مسٹر کاڈل! مجھے چھیڑو نہین، وہ اور چھتری واپس کریے!۔ لوگ نہین کل کا بچہ سمجھین گے۔ کبھی کسی نے آجتک چھتری واپس دی ہے، جو یہ دیگا۔ وہ دیکھو۔ تم سنتے ہو طوفان بڑھتا جاتا ہے۔ موسلادھار پانی برس رہا ہے۔ اور چھ ہفتہ تک۔ ہمیشہ چھ ہفتہ تک رہتا ہے۔ اور چھتری ندارد۔

مجھے کوئی یہ تو بتلاوے کہ بچے کل مدرسہ کیسے جائینگے۔ ایسے پانی مین ہرگز نہین جانے گے، نہین! اس طوفان مین گھر ہی بیٹھے جاہے کورے جاہل رہجائین۔ بچارے معصوم بچے۔ ایسے پانی مین بھیگین اور سردی کھائین۔ اگر وہ ان پڑھ رہے تو یہ کسکا فعل سمجھا جاویگا۔ اُنکے باپ کا اور کسکا۔!

جن لوگون کو خود اپنے بچون کا ہی کچھ خیال نہو اونکے اولاد ہی کیون ہو۔

مجھے معلوم ہے کہ تمنے چھتری کیون دیدی۔ بلاشبہ مین خوب جانتی ہون، مین اپنی مان کے ہان کل چاپینے کو جانیوالی تھی۔ یہ تمکو معلوم تھا۔ اور تمنے عمداً چھتری دیدی، زیادہ باتین نہ بناؤ۔ نہین میرا وہان جانا ہرگز پسند نہین۔ تم مجھے روکنے کے لیے ایسی ہی خفیف حرکتین کیا کرتے ہو۔ مسٹر کاڈل تم یہ ہرگز نہ سمجھنا۔ چاہے کیسا ہی موسلا دھار پانی برسے مین جاؤنگی اور ضرور جاؤن گی۔ نہین۔ مین کرایہ کی گاڑی مین نہین جاؤنگی۔ یہ تو بتاؤ کرایہ کو دام کہان سے آئینگے۔ تم اپنی اوس کلب مین ایسی دون کی ہانکا کرو۔ کرایہ کی گاڑی! معقول! کم ازکم دو روپیہ کرایہ کو چاہیئے۔ ایکروپیہ جانیکا اور پھر ایکروپیہ لوٹکے آنیکا کیا خوب! کرایہ کی گاڑی۔ یہ تو بتاے کوئی کہ کرایہ کسکے گھر سے آئیگا۔ میرے پاس تو ہے نہین۔ اور خدا حافظ اگر تمہاری بھی یہی حالت رہی تو تم بھی کہان سے دوگے۔ آئے دن چھتری خریدا کرو۔ اپنی چیز برباد کیا کرو اور اولاد کے لیے کوڑی نہ چھوڑو۔

پانی برسنے کی آواز تمہارے کانون مین آتی ہے مسٹر کاڈل؟ بتاؤ! سنتے ہو یا نہین! اگر خیر اس سے کیا مطلب۔ مین اپنی مان کے ہان کل جاؤنگی اور ضرور جاؤنگی اور راستہ بھر پیدل جاؤن گی اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میری حالت کیا ہوگی۔ میرے مرنے مین کوئی کسر باقی نہ رہیگی۔ مجھے ایک بیوقوف عورت نہ کہو۔ بیوقوف تو ہو تم۔ تمہین معلوم ہے کہ مین لکڑی کا جوتہ نہین پہن سکتی۔ چھتری کے بدون اگر مین بارش سے بھیگی تو سردی ضرور لگ جائیگی۔ اور ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اُف۔ اگر سردی لگ بھی گئی تو تمہین کیا پروا۔ مین بیمار پڑون تمہاری بلا سے۔ اور بیمار پڑنے مین کوئی شک بھی ہے اور پھر ڈاکٹر کا لمبا چوڑا بل۔ بل آئے تو اچھا ہو۔ تمہین ذرا چھتری دیدینے کا مزہ تو معلوم ہو۔ تعجب نہین ہی سردی کا لگنا میری موت کا باعث ہو۔ جی ہان۔ اور اسی غرض سے تو چھتری دے ہی دی۔ یقیناً

ایسے موسم مین گھسٹتے ہوئے میرے کپڑون کی کیا گت ہوگی۔ میری گرن اور بانٹ کا تو ستیاناس ہی ہوگا۔ بالکل۔ تم یہ کہتے ہو کہ اونکے پہننے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ بیشک مسٹر کاڈل! مین ضرور پہنون گی۔ نہین نہین۔ مجھے کیا تمہارا یا کسی اور کا ڈر ہے کہ شل ایک پھوہڑ اور فضیس عورت کے جاؤن خدا گواہ ہے کہ مین شاذ و نادر ہی گھر کی دایئر نا گنتی ہونگی، سچ تو یہ ہے کہ مین ایک غلام سے بدتر ہون مگر یہ سمجھے رہنا مسٹر کاڈل! کہ جب گھر کے باہر قدم رکھونگی تو ایک شریف خاتون کی طرح۔ خدا کی پناہ

کھلا پانی گر رہا ہے۔ یہ تو کھڑکیون کو توڑ کے اندر گھس آئیگا۔

مجھے تو یہ خوف ہے کہ کل کیا نوبت ہوگی۔ مین حیران ہون کہ اپنی مان کے ہان کیسے جاؤنگی۔ موت کا سامنا ہے۔ مگر جاؤنگی ضرور۔ نہین میان نہین! مین کسی کی چھتری نہین مانگنے کی اور نہ تم نئی چھتری خریدے پاؤ گے۔ دیکھیے مسٹر کاڈل! یہ بات آپ اچھی طرح سُن لیجئے۔ اگر تم کوئی دوسری چھتری گھر مین لائے تو مین اوسے سڑک پر پھینک دونگی۔ اگر ہو تو میری خاص چھتری ہو ورنہ کچھ ضرورت نہین۔

ہائے! پچھلے ہفتہ ہی تو مین نے اُس چھتری مین نئی مونٹھ لگوائی تھی۔ کاش مجھے یہ خبر ہوتی کہ چھتری کا کیا حشر ہونیوالا ہے تو مین اوسے بلا موٹھ کے رہنے دیتی۔ نئی موٹھ مین دام خرچ کرین، اور لوگ ہمارا مضحکہ اڑائین۔ اجی تمہاری بلا سے۔ تم چین سے سوؤ۔ نہین اپنی بیچاری عورت اور پیارے بچون کا تو کچھ فکر ہے ہی نہین۔ نہین تو بس ایک فکر ہے کہ اوٹھائی اور چھتری دیدی!

درحقیقت مرد یہ سمجھتے ہین کہ ہم ساری خدائی کے مالک ہین۔ بھلے مالک ہین! جبکہ ایک چھتری کی داشت اون سے نہین ہو سکتی۔

بلا شک کل کا پیدل جانا اور آنا میری جان لیگا۔ مگر یہی تو تم چاہتے ہو۔ پھر تو خوشی سے اپنی کلب کو جانا اور جو جی مین آئے سو کرنا۔ لیکن میرے بیچارے بچون کی کیا گت ہوگی۔ خیر میان تم تو چین سے رہوگے۔ بہت باتین نہ بناؤ۔ مین خوب جانتی ہون تم بڑے چین سے رہوگے۔ یہ بات سنونی تو تم چھتری دیدیتے۔!

ہان نہین جمعرات کو جانا ہے وہ جو سمن آیا تھا۔ مگر تم جا کیسے سکتے ہو۔ بغیر چھتری کے تم جاؤگے کیسے، چاہے تمہارا مقدمہ خارج ہو جائے۔ بلا سے۔ تمہارے کپڑے خراب ہون۔ چاہے تمہارا فرضہ مارا جائے۔ جو لوگ اپنی چھتری دوسرون کو دیدیتے ہین وہ اسی لایق ہین کہ اونکا فرضہ مارا جائے۔

مجھے یہ تو بتلائیے کہ کل مین بغیر چھتری کے اپنی مان کے ہان کیسے جاؤنگی۔ ؟ تمہین اس سے کیا، کہ مین کہتی تھی، مین ضرور جاؤنگی"۔ یہ بات اور وہ بات اور۔ میری مان خیال کرے گی کہ مجھے اوسکی کچھ پروا نہین ہے۔ اور جو تھوڑا بہت روپیہ ہمکو وہان سے ملنے والا تھا وہ بھی گیا گذرا ہوا۔ اور کیون؟ بھلے! اس چھتری نہین ہے۔

اور رہے بیچارے بچے۔ غریب۔ وہ بھی شرابور ہونگے۔ گھر تو خالی بیٹھے رہنے والے نہین

انکے پڑھنے کا ہرج کیون ہو۔ اپنا ہی لکھا پڑھا کام آئے گا۔ اسکے سوا اور اُنکا باپ کیا چھوڑیگا۔ یقیناً! وہ مدرسے ضرور جاوینگے یہین اس سے کیا کہ مینے یہ کہا تھا کہ اب وہ نہ جائینگے، کاڈل! تم ناحق بات کا بتنگڑ بناتے ہو۔ تمہاری باتون سے ایک فرشتہ کا بھی مزاج بگڑ جائیگا۔ بچے مدرسہ ضرور جائینگے۔ خوب کان کھولکے سُن لو۔ اور اگر وہ سردی کے اثر سے مرے تو یہ میرا قصور نہین۔ مین نے تھوڑے ہی چھتری دی ہے)

(مسٹر کاڈل اپنی دستی تحریر مین لکھتے ہین کہ اس کے بعد اُنکو واقعی نیند آگئی اور اُنہون نے خواب مین دیکھا کہ تمام آسمان کا ایک سبز رنگ کا کپڑا بنگیا۔ جسمین وہیل مچھلی کی آنتون کی تانین لگی تھین اور درحقیقت تمام دنیا ایک بہت بڑی چھتری کے تلے گھوم رہی تھی۔)

(ترجمہ) **رادھارمن**

حیدرآباد مین ایک عجائب اور نادر کتب خانہ

حکیم سید محمد قاسم صاحب طبیب تمیات سرکار عالی کے قبضے مین ایک موروثی کتبخانہ ہے جو آپکے بزرگون کی ایک بیش بہا یادگار ہے، اس کتبخانہ مین عربی، فارسی، سنسکرت تلگی (وغیرہ) کی قدیم کتابین موجود ہین۔ تلنگی و سنسکرت کی بعض کتابین تاڑ کے پتون پر لکھی ہوئی ہین جس سے ان تصنیفات کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔ بعض کتابون کا موضوع نہایت حیرت انگیز ہے مثلاً مصر قدیم مین جن اجزا سے انسانی لاش کو اپنی اصلی حالت پر محفوظ رکھا جاتا تھا۔ ان کا مفصل بیان موجود ہے۔ اور زمین کے پوشیدہ خزائن و دفائن کا پتہ لگانے، پانی کی دھار بلندی پر لیجانے سرخ و سبز اور نیلے اور زرد رنگ پیدا کرنے کے اعلےٰ موضوع پر بھی کتابین موجود ہین۔

کتابین عموماً اُن کاغذون پر ہین جو اس زمانہ مین مستعمل تھے۔

یہ کتب خانہ پہلے قصبہ شاہنور مین تھا جو حکیم صاحب کا وطن مالوف ہے لیکن اب حکیم صاحب بسلسلۂ ملازمت حیدرآباد مین فروکش ہو گئے تو کتب خانہ کو بھی ساتھ لائے کتب خانۂ مذکور ابھی غیر مرتب حالت مین ہے، اور سچ یہ ہے کہ اسکی ترتیب ایک شخص کے بس کی بھی نہین، یورپ اور امریکہ کے اکثر علما، و فضلا نے کتب خانہ کا معائنہ کر چکے ہین حکیم صاحب کا بیان ہے کہ ایک امریکن فاضل نے اسکی قیمت پندرہ لاکھ روپئے تجویز کی تھی، خدا کرے باقاعدہ طور پر اسکی ترتیب و تنظیم ہو جائے۔

ہندو اور ہندو مسلم اتحاد

بس مضمون کو منشی پریم چند نے فروری کے زمانہ مین چھیڑا ہے، اسکی گہرائی اس امر کی مقتضی ہے کہ اسکے سارے پہلوؤن کو خوب غور کیا جائے ممدوح کو ہندوؤن کی خلاف کچھ شکایتین ہین اگر وہ شکایتین واقعی ٹھیک ہون تو ہندوؤن کے لیے نہایت شرم کا موقع ہوگا۔ ہم یہ قصہ چھیڑنا نہین چاہتے کہ اس معاملہ مین مسلمانون کے خلاف بھی انہین کچھ اکابران قوم ایسی ہی بلکہ اس سے بڑھی ہوئی شکایتین پیش کرتے ہین۔ بلکہ ہمارا مدعا صرف یہ ہے کہ منشی پریم چند کی غلط فہمی کے متعلق چند الفاظ مین اپنی راے کا اظہار کر دین؛

منشی پریم چند کی پہلی شکایت یہ ہے کہ ہندوؤن نے کبھی خلافت کی اہمیت ہی نہین سمجھی اور نہ سمجھنے کی کوشش کی نہ معلوم کیون آپ پچھلے سارے واقعات کو بھلا رہے ہین، جبوقت عارضی صلح کے برخلاف مہاتما گاندھی نے آواز بلند کی تھی تو کیا عارضی صلح کے جشن سے احتراز کرنے مین ہندو مسلمانون کے دوش بدوش نہین رہے! اسکے بعد جب چندہ وغیرہ دینے کا سوال آیا تو کیا ہندوؤن نے کبھی اپنا حصہ ادا کرنے سے گریز کیا، مولانا شوکت علی کی مشہور تقریر کی جو تفسیر آج منشی جی نے کی ہے شاید مولانا صاحب بھی اسکو ماننے سے ہچکچائین کیا خلافت کے لیے چندہ ضرورت سے کم ہوا ہے؟ اگر یہ ہوتا تو سیٹھ چھوٹانی کے سامان کا زخانہ جات کو آج انگورا بھیجنے کی ضرورت نہ پڑتی، کیا ایشیا کے سارے ملکون کو یکجا کرنے کا خیال مسٹر داس کے دماغ سے نہین نکلا۔ معاف فرمائے، کیا ہندو بیچارے ایسے ہی فرد ماغ ہین کہ وہ خلافت کے سوال کو سمجھ ہی نہین سکے۔ جن عصمت پاشا کی منشی جی اتنے دلدادہ ہین انکی بابت کیا کہا جائے، آج ٹرکی کی جمہوریت نے خلیفہ کے سلسلے کا خاتمہ کر دیا ہے، کیا ہندوستانی مسلمان اب ٹرکی کو دار الحرب قرار دیکر وہان حملہ کرنے کے لیے طیار بیٹھے ہین۔ مولانا محمد علی بھی ولایت کے ڈیپوٹیشن مین شامل ہوکر جزیرۃ العرب کو خلیفہ کے ماتحت رکھنے اور عربون کو آزادی دینے کے سوال کی

گئی کو نہ سلجھا سکے تھے۔ ہندوؤں کی تو یہ تنگ ظرفی کینہ دلی کی مثال تھی کہ وہ خلافت کے خیال کو نہ سمجھ سکے۔ اب ٹرکی کی جمہوریت کو آپ کس نام سے پکاریں گے۔ عصمت پاشا ہی کہہ رہے ہیں کہ لوگوں نے ہماری روسیلے کی کہ ہم خلافت کے تھے، نہ کہ خلیفہ کے محافظ، ہندو تو سیاسی بیدار مغزی کے وارث ہی نہیں بنے، اسکے مالک تو مسلمان ہی رہے جنہوں نے کھدر کا استعمال بہت کم کیا، جنہوں نے تلک سوراج فنڈ میں روپیہ بہت کم دیا۔ جن کے کانگریس کے ممبر نہ بننے کے بارے میں علی برادران کو بھی شکایت کرنی پڑی۔ بے وقوف تو ہندو ہی تھے جو کہ خواہ مخواہ سوراجیہ کے جھمیلے میں پڑے۔

آپ شکایتیں بھی عجیب طرح سے کرتے ہیں، ہندوؤں کے لیے تو نصیحت ہے کہ وہ کیوں خواہ مخواہ گئو ماتا کی تقدیس مسلمانوں سے منوانا چاہتے ہیں، لیکن اسکے ساتھ ہی آپ ان سے یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ مسجدوں کے سامنے باجے بجانے سے احتراز کرو، کیوں اس لیے کہ بعض مسلمانوں کے مذہب میں حرام ہے یا کبھی ان کی نمازیں اس سے خلل پڑنے کا امکان ہے۔ پر ماتما کا شکر ہے کہ اب ہندو ایسے دور رخے ناصحوں کی بات ماننے کے لیے کم تیار ہیں۔

مان لیا کہ ہندوؤں کو وقت عبادت باجا بند کرنا مذہبی تعظیم کے لحاظ سے ضروری ہے، تو کیا منشی صاحب کا یہ مطلب ہے کہ جہاں کہیں یہ جھگڑے ہوتے ہیں وہاں عبادت کے وقت ہی باجا بجانے پر جھگڑا ہوا ہے، معاف فرمائیں مسلمانوں کا تقاضا تو یہ رہا ہے کہ ہماری مسجدوں کے سامنے باجا بجایا ہی نہ جائے۔

منشی جی ہندوؤں کو اُدارتا کا اپدیش دیتے ہیں، یہ خواہ مخواہ کی زیادتی ہے، اُدارتا دان ہی دکھلائی جا سکتی ہے، جہاں دوسرا آدمی اُسکو اُدارتا سمجھنے کے لیے تیار بھی ہو۔ اور یوں بھی کمزور کے لیے اُدارتا کا اپدیش کیا؟ اُسکی اُدارتا تو اُسکی کمزوری کی مترادف سمجھی جاتی ہے۔ آپکو یقین ہے کہ مسلم لیڈران مسلمانوں کے غیر ذمہ دار طبقے کے موجودہ رویہ کو زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہنے دینگے۔ جھگڑا تو بین شروع ہوتا ہے۔ مسلم لیڈران نے کب اسبات کا یقین دلایا کہ وہ اسبات میں کچھ کرنے کے لیے طیار ہیں؟ حساب خوب ہے ہندوؤں کو تو آپ مسلمانوں کے مذہبی احساسات کے احترام کی تعلیم دے رہے ہیں، لیکن دوسری طرف مسلمانوں کے لیے گئو کشی کے معاملے

ہیں آپ کچھ کہنے کے لیے طیار نہیں اور ہندؤن کو کوستے ہیں، جناب من جھگڑے یوں طے ہونے سے رہے کھلے دل سے دونوں فریق اتحاد کی ضرورت کو سمجھ جائیں اور پھر ایک دوسرے کو مراعات دینے کے لیے طیار ہوں تب ہی تصفیہ نپٹ سکتا ہے، تبلیغ کے متعلق ہمیں خوشی ہے آپنے اپنے پرانے خیالات تبدیل کر لیے ہیں اور اُس میں آج آپ کم از کم ہندؤن کے سر کوئی خاص الزام تھوپنے کے لیے طیار نہیں ہیں۔

ایک بات صاف ہے دونوں مذہبوں کے پیرؤں کو دل اسبات کا یقین دلایا جانا چاہیے کہ اُن کے درمیان اتحاد ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے۔ اسکے لیے جبتک مسلمانوں کے دل سے یہ خیال دور نہیں ہوتا کہ ہمیں افغانستان کے مسلمان ہندوستان کے ہندوؤں سے زیادہ عزیز ہیں اُسوقت تک کسی بہتری کی امید رکھنا فضول ہے۔ جبتک مسلمانوں کی آشاؤں کا بڑا حصہ ہندوستان تک محدود نہیں ہوتا اسوقت تک وہ سنجیدگی سے اس سوال پر سوچنے کے لیے طیار نہ ہونگے اُنھیں ہندؤں سے کیسے برتاؤ کرنا چاہیے۔ یہ غیر ملکی۔ حب الملتی ہی سب جھگڑوں کی جڑ ہے، ایک اور خیال جو ان جھگڑوں کو نشو و نما پانے کا موقع دیتا ہے وہ ہندوؤں کی کمزوری ہے، افراداً ہندو اہل علم غبی نہیں ہیں تعلیمیافتہ بھی ہیں دولتمند بھی ہیں، شاید طاقتور بھی ہیں لیکن بحیثیت مجموعی وہ بالکل کمزور ہیں کمزور ہونا گناہ ہے اسکو منشی پریم چند اور انکے سارے ساتھی ملکی نکتہ نگاہ سے ماننے کے لیے تیار ہیں کمزور خواہ مخواہ غیروں کو اپنے اوپر جبر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ہندؤں کی یہ کمزوری ہی ہے۔ جو انھیں گاہے گاہے مسلمانی زیادتیوں کا تختہ مشق بنا دیتی ہے۔ ہندو سنگھٹن اسبات کی دوا ڈھونڈنا چاہتا ہے

ہندؤں کے لیے ایک مذہب کے پیروں کے حیثیت سے اکٹھا ہونے کا سوال ایسا ہے جسکے برخلاف کسی معقولیت پسند صاحب کو اعتراض نہیں ہوتا چاہیے۔ مسلمانوں کی مسلم لیگ ہے۔ خلافت کمیٹیاں ہیں جمعیتہ العلما ہے، اسکے سوا اور بھی کئی نظام ہیں۔ جسوقت یہ جماعتیں ملکی معاملات میں ہاتھ ڈالتی ہیں اُسوقت نہ منشی پریم چند اور نہ اُن کے ممدوح علی برادران اسبات کو بُرا سمجھتے ہیں۔ نہ معلوم ہندؤں کی ہندو سبھائیں کیوں اُنہیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ یا تو کہہ دو کہ سب فرقہ وارانہ جھگڑے جھمیلے ٹھیک نہیں۔ یا پھر یہ بتا دو کہ

ہندو مہاسبھا اور ہندو سنگھٹن کے سرسوار ہونے ہین کہان کی معقولیت ہے۔

ہم سمجھ سکتے ہین کہ ہندو سنگھٹن اسلیے منشی پریم چند اور ان کے چند ساتھیون کے لیے باعث عتاب بن رہا ہے کہ اسمین رئیس پارٹی بھی شامل ہے۔

لیکن کیا مسلمانون کی مختلف تحریکون مین حاکم اور محکوم رئیس اور غلام سب شامل نہین ہین۔ ہندو سنگھٹن مین ٹھوس کام کرنے والے نہین ہین اور نہ وہ شور و غوغا کرنے والے ہین عام لوگون کے جذبات کو بھڑکانے کا کام بھی وہ نہین کرتے۔ لیکن وہ لوگ یہ بھی کرنے کے لیے تیار نہین ہین کہ کسی ہندو کو اس لیے اس تحریک سے باہر رکھین کہ وہ کانگریس کی نگاہ مین کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اگر ہندون مین متحمل مزاج لیڈرون کی کمی ہوتی تو ۱۹۱۶ء کا لکھنو کا معاہدہ وجود مین نہ آتا۔ مسٹر داس کا بنگالی معاہدہ بن سکتا کسی انصاف پسند آدمی کو یہ کہنے کا موقع نہین مل سکتا کہ سوراجیہ کی جنگ مین مسلمانون کو داخل کرنے کے لیے ہندؤن نے موقع بموقع مسلمانون کو مختلف قسم کی مراعات نہین دین۔

منشی پریم چند ایسے ہندؤن کے لیے اپیل کرتے ہین جو کہ علی برادران کی طرح اپنا سب کچھ ہندو مسلم اتحاد کے لیے وقف کردین، ایسے آدمیون کا وجود مبارک ہوگا، لیکن ہندؤن کے لیے ایسے آدمیون کا وجود ان سے بھی مبارک ہے، جو کہ اُن کے مسئلون کے حل کرنے کے لیے اپنے آپکو وقف کردین شکر کا مقام ہے کہ ایسے آدمی ہندؤن مین پیدا ہو رہے ہین۔

سری رام شرما۔ ایم اے



تنقید کتب

رباعیات حکیم عمر خیام

یورپ نے حکیم عمر خیام کی اسدرجہ توقیر کی، کہ ایشیا مین بھی اسکی رباعیان خصوصیت سے ہر دلعزیز ہوگئین، عربی، فارسی، اردو رسالون مین توخیر اسکے کلام پر تبصرے ہوتے ہی رہتے ہین، مگر اب ہندی زبان بھی خیام کو عزت کی نظر سے دیکھ رہی ہے، اور ہندی رسالے رباعیات خیام کے ترجمے اور ان کی خیالی تصویرین شایع کر رہے ہین۔

اس سے پہلے لودھیانہ سے ایک صاحب نے خیام کی رباعیون کا منظوم ترجمہ اردو مین شایع کیا تھا مگر وہ ادبی نقطۂ خیال سے ناقابل التفات تھا، اسوقت جو ترجمہ رباعیات عمر خیام کا ہمارے سامنے ہے وہ البتہ قابل قدر ہے، اسکے مترجم، مولوی حافظ جلال احمد صاحب جعفری، الہ آبادی ہین اسمین ۱۰۹ رباعیان مع ترجمہ درج کی گئی ہین، کتاب کے ابتدائی صفحات، مین دیباچہ کی طور پر عمر خیام کے سوانحی حالات تحریر کیے گئے ہین، اور آخر مین اوسکی تصنیفات کا ذکر ہے، اس کے بعد جگونگی وزایج رباعی ومحاسن آن، کے تحت مین رباعی کی ایجاد اور اسکی خوبیون پر بحث کی گئی ہے اور اسی سلسلے مین رباعی کے مروجہ اوزان بھی تحریر کر دیئے گئے ہین، یہ مضمون بیشک دلچسپ اور مفید ہے مگر عنوان کی جگونگی نے محو حیرت بنا رکھا ہے۔ کاش مترجم صاحب بجائے فارسی کے کوئی اردو کا سیدھا سادہ فقرہ تحریر فرما دیتے۔

رباعی کے اوزان وتعریف کے بعد آپنے خیام کے معاصرین کا ذکر کیا ہے اور اسی مین اُن شعراء کا ذکر بھی کیا ہے جنہون نے خیام سے پہلے رباعیان کہی ہین، اور مثالاً ہر شاعر کی منتخب رباعیان

بھی تحریر کی ہین، رباعیون کو پڑھکے اندازہ ہوتا ہے کہ خیام کو جس میدان کا تنہا مرد میدان بتایا جاتا ہے، اوسمین پہلے بھی ایسے مردان کار گزر چکے ہین جنکے نقش پر چلکر خیام کو یہ درجۂ قبولیت نصیب ہوا، اسی سلسلے مین ابوالحسن خرقانی کی ایک رباعی ایسی بھی نظر آتی ہے جو خیام کی رباعیون مین شامل ہے، اور مزا یہ کہ باوجود علم کے حضرت مؤلف نے اس کا اظہار نہین کیا، رباعی یہ ہے،

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من ٭ وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من ٭
ہست از پس پردۂ گفتگوئے من و تو گر پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من ٭

صفحہ ۱۵ مین یہ رباعی ابوالحسن خرقانی کے نام سے لکھی ہے اور پھر صفحہ ۲۱۷، مین، یہی رباعی، عمر خیام کی رباعیون مین شامل کی گئی ہے، حضرت مؤلف کا فرض تھا کہ اس قسم کی تمام رباعیون کے متعلق کم سے کم اپنی رائے تو ضرور ظاہر کر دیتے، جو دوسرے شعرا کی ہین جنکی نسبت شبہہ ہے کہ یہ خیام کی نہین، مثلاً

گویند بہشت و حور عین خواہد بود وان جائے مے و انگبین خواہد بود
گر مائے و معشوق گزیدیم چہ باک چون عاقبت کار چنین خواہد بود

اس رباعی کے متعلق عام خیال ہے کہ حافظ شیرازی کی ہے، اور حافظ شیرازی کے دیوان مین موجود ہے، حضرت مؤلف کا فرض تھا کہ دیباچے مین ایک عنوان اس قسم کا بھی قائم کرتے جسکی تحت مین ان غلط فہمیون پر روشنی ڈالی جاتی،

جناب مؤلف نے اُن احسانات کا بھی ذکر کیا ہے، جو یورپ نے عمر خیام کی رباعیون پر کیے ہین اور ان مختلف تراجم کا حوالہ دیا ہے جو وہان شائع ہوئے ہین، لیکن موصوف نے اسکے متعلق جو کچھ کہا ہے، مولانا شبلی مرحوم کی زبان سے کہا ہے، یعنی شعر العجم کی تحریر نقل کر دی ہے، کاش آپنے یہ محنت بھی گوارا کی ہوتی، کہ مختلف تراجم کو سامنے رکھکر اُن غلط فہمیون کے اظہار کی کوشش کرتے جو یورپین تراجم مین موجود ہین، آپ نے خیام کی رباعیون پر تبصرہ بھی کیا ہے اور سچ یہ ہے کہ خوب کیا ہے، یعنی مختلف عنوانات کی تحت مین خیام کی منتخب رباعیان تحریر کی ہین، خمریات کی تحت مین لکھا ہے،

"اس سے کسکو انکار ہو سکتا ہے کہ خیام شراب نہین پیتا تھا، بیشک وہ شراب پیتا تھا، اور

شراب بھی یہی ظاہر، وہ مشرباً قلندر تھا،

ہمکو مؤلف کے اس قول سے پورا پورا اتفاق ہے، خیام کی اکثر رباعیان بتاتی ہین کہ وہ واقعتاً شراب پیتا تھا، لیکن ہم اسکو قلندر صرف اسی معنی مین تسلیم کرتے ہین کہ وہ قیود شرعی سے بڑی حد تک آزاد تھا، ورنہ قلندران معنی نشین، لکھدینے سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ واقعی قلندر تھا، اور نہ اصل قیود قلندری کا پابند تھا، یون تو غالب نے بھی دعوی کیا ہے،

عام دستور ہے کہ شراب کا نشہ خیالات مین ایک رنگینی اور بیان مین ایک دلاویزی پیدا کردیتا ہے اکثر بادہ پرستون کے دلمین ایسے خیالات آتے ہین جو صوفیاء کرام، کے لیے مخصوص ہین، لیکن ان نقوش ظاہری پر تاثرات باطنی کا اطلاق نہین ہوسکتا،

غالب، شراب پیتا تھا، اور اکثر نشہ کی ترنگ مین ایسے چٹے کی باتین کہ جاتا تھا، جنکا تعلق بوجہ حقیقت اور فلسفۂ کائنات سے ہے، ممکن ہے کہ اکثر حضرات کو اُن خیالات مین، انوار حقیقت کے جلوے نظر آتے، لیکن غالب نے خود نہایت آزادی سے اپنے متعلق اعلان کیا ہے،

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا،

مقصود اس بحث سے یہ ہے کہ، عمر خیام کی رباعیون، کے مستانہ مضامین سے متاثر ہوکر اُسے صوفی صافی تسلیم کرلینا، حقیقتاً درست نہوگا کیونکہ نشۂ شراب کی حکومت تمام قیود سے آزاد ہوتی ہے اگر کلام مین کوئی خاص اثر ہو تو یہ ضروری نہین کہ کہنے والے کے دلپر بھی وہی اثر قائم ہو۔ لیکن اس سے انکار بھی نہین ہوسکتا، کہ خیام کی رباعیان، اسرار حقیقت، فلسفۂ کائنات، کی معلم اور رموز ہستی اور بے ثباتیٔ دنیا کا آئینہ ہین، اور یہی چیزین ہین جن پر ہمکو نظر کرنی چاہیئے، خیام کی ذات سے بحث فضول ہے،

اکیاون صفحے، اس دلچسپ دیباچے ونکش اور تبصرے کے ختم ہوتے ہین، اسکے بعد صفحہ ۵۲ سے اصل رباعیان شروع ہوتی ہین،

ٹائٹل دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ حضرت مؤلف شاید رباعیون کے نکات کی شرح بھی بیان فرمائین گے، لیکن سرسری مطالعے کے بعد ہی نگاہین مایوس ہوگئین، رباعیون کے نیچے

صرف انکا ترجمہ لکھدیا گیا ہے، ہان کہین کہین ترجمے کے ساتھ، جناب مؤلف نے دو چار لفظ کا اضافہ فرادیا ہے، صفحہ ۶۶، ۲ مین چند رباعیان ایسی ہین جنکا ترجمہ مطلب کے عنوان سے لکھا گیا ہے، چاہے اسے ترجمہ سمجھئے یا شرح بہرحال جو کچھ بھی لکھا ہے اچھا لکھا ہے،

در ہر دشتے کہ لالہ زارے بود است — آن لالہ ز خون شہریارے بود است
ہر برگ بنفشہ کز زمین مے روید — خالے ست کہ بر رخ نگارے بود است

جس جنگل مین کہ کوئی لالہ زار ہے، وہ لالہ کسی بادشاہ کے خون سے ہے، ہر بنفشہ کی پتی جو زمین سے اُگتی ہے، وہ ایک خال ہے، جو کسی حسین کے چہرے پر تھا، (اس لیے وہ قابل توقیر ہے،)

ترجمے کی خوبیون سے انکار نہین، لیکن اسے شرح نہین کہہ سکتے خیام کہتا ہے، جس کسی جنگل مین بھی کوئی لالہ زار ہے، اسکا ہر پھول (یعنی لالہ) کسی بادشاہ کے خون سے پیدا ہوا ہے، بنفشہ کی جو پتی زمین سے اُگتی ہے وہ ایک خال ہے جو کسی حسینہ کے چہرے پر تھا،

اس اجمال کی تفصیل یا اس مسئلہ کی شرح یہ ہے، کہ خیام مناظر فطرت سے درس حقیقت لیتا ہے، اسے زندگی مین فنا کا جلوہ نظر آتا ہے، وہ کہتا ہے، اسے لالہ نہ سمجھو، ممکن ہے، اسمین کسی بادشاہ کا خون شریک ہو، اور یہ بنفشہ کی پتی ممکن ہے، کسی حسینہ کی، خال دلکش ہو یہ خیال اسلیئے پیدا ہوا کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے، ساری چیزین مٹ کر خاک ہوتی رہتی ہین اور ہر سال خاک سے گل بوٹے اُگتے رہتے ہین، اسلیئے حقیقت شناس خیام کو لالہ کی رنگت مین کسی بادشاہ کے خون کی جھلک نظر آتی ہے یعنی ممکن ہے کہ اجداد رہا رکس فرمانروا کی خاک سے اُگا ہو، بنفشہ کی پتی دیکھکر کسی حسین چہرے کے خال دلکش کی لطافت یاد آجاتی ہے، اور وہ دنیا کے سامنے یہ درس حقیقت پیش کرتا ہے، کہ دنیا فانی ہے ہر ہستی ایک دن مٹ کر خاک ہو جائیگی اور اس کی خاک سے مختلف قسم کے گل بوٹے اُگینگے

غالب نے بھی اسی خیال کو لفظون مین ادا کیا ہے۔

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین — خاک مین کیا صورتین ہونگی جو پنہان ہوگئین

ترجمہ اسقدر صاف اور سلیس ہے کہ حقیقتاً شرح کی ضرورت نہین، اور ترجمہ ہی سے مطلب

واضح ہوجاتا ہے، اسکے علاوہ کہین کہین الفاظ کی تشریح بھی کردی ہے، مثلاً

ساقی قدحے کہ نور بخشد ہمہ را — پرکن کہ وے حضور بخشد ہمہ را
خوش باش کہ ہم بہ بخشد آلایش ما — آن کس کہ مے طہور بخشد ہمہ را

آلایش آلودگی کنایہ ہے گناہ سے، مے طہور وہ شراب جو بہشت مین بہشتیون کو پینے کے لیے ملے گی۔ اے ساقی ایسا پیالہ بھردے جو سب کو نور عنایت کرے (یعنی سب کے دلکو منور کردے) تاکہ وہ ایک ہم سب کو حضور قلب کا مرتبہ عنایت کردے تو خوش رہ (اور فکر نہ کر) کیونکہ وہ ذات ہم سب کے گناہ معاف کردیگی اور سب کو شراب طہور عنایت کرے گی، (یعنی خدا گنہگار ہون کا بخشنے والا ہے وہ شراب طہور عنایت کرے گا فکر کی کیا بات ہے تو تو شراب سے پیالہ بھر کر دیدے)۔

بعض رباعیان ایسی بھی نظر آتی ہین، کہ (شرح تو شرح) انکے ترجمے مین بھی خامی ہے، مثلاً،

من مے رمضان ہمی خورم برلب کشت — گر زان کہ مراد وک کسان باید زشت
گوئی تو کہ ہر کہ مے خورد دوزخی است — کہ رفت بدوزخ و کہ آمد نہ بہشت

(اے زاہد) مین تو سبزہ زار کے کنارے شراب پیتا رہونگا، تو کہتا ہے کہ جو شراب پیئے گا وہ دوزخی ہے (تو مجھے یہ بتلا کہ) کون دوزخ مین گیا تھا، اور بہشت سے کون آیا ہے (جس نے یہ کہا ہے کہ شرابی دوزخ مین جاتا ہے اور جو شراب نہین پیتا وہ جنت مین جاتا ہے)

اس ترجمے مین دوسرے مصرعے کا پورا ترجمہ شامل نہین، گر زان کہ مراد وک کسان باید زشت خدا جانے کیون اس مصرعے کو حضرت مترجم نے ناقابل التفات سمجھا،

نہ لایق مسجدیم و نہ خورد بہشت — ایزد داند کل مرا از چہ سرشت
چون کافر و رندم و چون فجرہ رشت — نہ دین و نہ دنیا و نہ امید بہشت

خدایا تیرے مری مٹی کا خمیر کس چیز کا ہے کہ نہ مسجد کے لایق ہون اور نہ بہشت کے قابل، مین فقیر، کافر اور بدکار فجرہ کیطرح ہون، نہ مین دنیا کا نہ دین کا نہ مجھے دوزخ کی امید ہے نہ بہشت کی،

آخری فقرہ، نہ مجھے دوزخ کی امید ہے نہ بہشت کی، شاید جناب مترجم کی قلم سے بے اختیار لکل گیا ہے بہشت کے مقابلے مین مجبوراً دوزخ کی ضرورت لاحق ہوئی، خیام کو تقابل منظور

نہ تھا وہ تو دوزخ کو اپنے افعال کا لازمی نتیجہ قرار دیتا ہے، یعنی نہ ہیں دین کا ہون نہ دنیا کا، نہ بہشت کی امید ہے، وہ دوزخ کا ذکر ہی نہیں کرتا، کافر دروش اور قحبۂ زشت کی تشبیہ بھی قابل غور ہے، یعنی ہیں بظاہر فقیر ہون

مگر سیرت، اعمال و افعال کفر و ضلالت سے مملو ہیں، دنیا کے لائق اسلیئے نہیں کہ فقیر (بنوا) ہون اور دین سے اسواسطے الگ ہون کہ کافر ہون، قحبۂ زشت، کا ترجمہ بدکار قحبہ کرنا، تشبیہ کا خون کرنا ہے بلکہ ذلیل قحبہ مناسب ہے، اس طبقے کے ادنیٰ درجہ کی عورتیں (جو عرف عام میں ایک خاص لقب سے ملقب ہیں) عموماً مفلس رہتی ہیں، دولت پاس ہوتی نہیں کہ دنیا میں اچھی زندگی بسر کریں اور دین سے بلحاظ پیشہ پہلے ہی سے ہاتھ دھو چکی ہیں، اب یہ کہنا کہ یہ دونوں دوزخ کے قابل نہیں غلط ہے، کیونکہ دوزخ تو انکا بہترین ٹھکانا ہے، ہاں بہشت سے البتہ مناسبت نہیں،

ساقی نظرے بمن کن از لطف عمیم — بیمار مہل جان مرا ہمچو نسیم
آہو چشمی و شیر چشمی چہ کنم — جان من ازین امید و بیم است دو نیم

اے ساقی تو اپنی عام مہربانی سے مجھ پر ایک نظر کر تو نسیم کی طرح میری جان کو بیمار نہ چھوڑ تو آہو چشم اور شیر چشم ہے میں کیا کروں، میری جان امید و بیم سے دو ٹکڑے ہو رہی ہے،

اگرچہ رباعی کا ترجمہ ہوگیا، مگر وہ لطافتیں ظاہر نہ ہوسکیں جو خیام کے بیان میں پوشیدہ ہیں، پڑھنے والا اس ترجمے کو پڑھکر سمجھ نہیں سکتا کہ نسیم کی طرح بیمار چھوڑ تا کیا معنی، اور آہو چشم اور شیر چشم سے کیا مراد ہے، نسیم، اس دھیمی دھیمی ہوا کو کہتے ہیں جو صبح کے وقت گلشن میں چلتی ہے، اس کی آہستہ خرامی کے بنا پر خیام نے اپنی سانس کو (جو زندگی کا دارومدار ہے) اس سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ سانس کو روح سے ایک خاص نسبت ہے، پھر نسیم کی لطافت بھی ظاہر ہے خیام کی روح میں ساقی کی نظر سے ایک لطیف سنسنی پیدا ہوگئی ہے جسکو آہستہ خرامی سے تشبیہ دیتا ہے آہو چشم کہنے سے چشم معشوق کی اٹھلائی تعریف مدنظر ہے اور شیر چشم سے نگاہ گرم نیز مراد ہے، مشہور ہے کہ شیر کی آنکھوں میں ایک خاص کشش ہوتی ہے کہ اس سے آنکھ ملانا دشوار ہوتا ہے،

اب نفس مضمون پر غور کیجئے، خیام کہتا ہے، ساقی تری بالتفاتی نے میری جان کو بیمار کردیا ہے اگر اب میری جان میں نسیم کی طرح ایک خفیف سی سنسناہٹ باقی ہے، تو میری جان کو اس حال

مین: چھوڑ اور اپنے لطف عام سے میری طرف بھی اک نظر کر (تاکہ میری جان مین اک تڑپ پیدا ہو جائے) تیری آنکھین ہرن کیطرح خوبصورت، اور شیر کی طرح خشمگین اور شکاری ہین، آہو چشم میری جان کو مست کر دینی ہے، مگر شیر چشمی، مایوس و افسردہ، مین کیا کرون میری جان کے دو ٹکڑے ہو گئے ہین، جسمین ایکطرف امید (مستی) ہے اور دوسری طرف بیم (افسردگی)

اگرچہ اس تشریح مین، ترجمے کی طرح اختصار تو نہین رہا، مگر رباعی کی اصل لطافت سلامت آگئی، غالباً اس تنقید سے تنقیص مراد نہین بلکہ جناب مترجم کے کمال کا اعتراف مقصود ہے۔

ترجمے کی خوبیون سے بھی انکار نہین، لیکن یہ گذارش ضرور ہے کہ دوسرے اڈیشن مین، ترمیم و اضافہ کی بہت کچھ گنجایش ہے،

امید ہے کہ شائقین ادب اس کتاب کی قدر فرمائینگے، کیونکہ رباعیات عمر خیام، کی خوبیون مین مترجم کے ترجمے اور نبھرے نے چار چاند لگا دیئے ہین،

کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم ۲۷۵ صفحہ قیمت فی جلد عہ،

ملنے کا پتہ:- منیجر مطبع انوار احمدی الہ آباد

پیام امن

یہ کتاب، دراصل ترجمہ ہے، ٹوڈی نیشن کانگریس کے مشہور و معروف فلسفی افتتاحیہ دار مولانا عبدالماجد صاحب بی اے، نے اپنے دلچسپ طرز تحریر سے اور مفید اضافون سے اسمین تصنیف کا رنگ پیدا کر دیا ہے۔ دیباچہ مین مترجم موصوف اعلان کرتے ہین کہ یہ لفظی ترجمہ نہین۔ اقتباس ہے اور اسلیے وہ اس کتاب کو تالیف کہنا زیادہ مناسب سمجھتے ہین۔ لیکن سرورق پڑھ کر عبدالماجد بی اے دیکھکر دھوکا ہوتا ہے کہ آپ کی کوئی مستقل تصنیف ہے، بلاشبہہ ضمیمون کے اضافے نے، پیام امن کو بالاتر بنا دیا ہے۔

کتاب بہرصورت قابل قدر ہے، کاغذ نفیس، کتابت طباعت دیدہ زیب، حجم ۱۸۱ صفحہ

ملنے کا پتہ، دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ،

حضرت رشید،

سید آغا اشہر لکھنوی نے لکھنؤ کے مشہور شاعر و مرثیہ گو پیارے صاحب رشید کے حالات زندگی شایع کئے ہین، جسمین جناب رشید مرحوم کے خاندانی حالات اور خصوصیات شاعری کو خاص طور پر نمایان کیا ہے، سلسلۂ بیان مین جناب عشق، جناب انس، جناب مونس، اور جناب انیس وغیرہم کے حالات و واقعات بھی تحریر کردیئے ہین، اس سوانحعمری، کی ترتیب اور واقعات کے سلسلے مین بعض مشاہیر لکھنؤ، کے دلچسپ بیانات بھی قابل دید ہین،

رشید مرحوم کا شمار، لکھنؤ کی ان باکمال ہستیون مین تھا، جنکی ذات اردو کیلئے سرمایۂ ناز تھی، آپ اردو کو اردو بنانا چاہتے تھے اور فارسی ترکیبون کی غیر ضروری آمیزش کو اردو کا دشمن سمجھتے تھے، چنانچہ عزیز لکھنوی کا یہ شعر

شرح جنون سلسلہ جنبان کیے ہوئے
بیٹھا ہون چاک چاک گریبان کیے ہوئے

سُنکر فرمایا،

بھئی پہلا مصرعہ تو بالکل فارسی ہوگیا،

کاش اس روایت کو پڑھکے وہ حضرات اردو کی حال پر کرم فرماتے، جو اُردو کے راستے ہین رسی ترکیبون کے بڑے بڑے پتھر چن دینا اپنا ادبی فرض خیال کرتے ہین -

رشید، مرحوم باعتبار تغزل بھی عجیب و غریب شاعر تھے، سادگی مین ایسی رنگینی پیدا کردیتے ،، جو فارسی کی رنگین ترکیبون مین قطعی ممکن نہین، مثال کی طور پر چند شعر ملاحظہ ہون،

وہی حیات کا باعث ہے جس پہ مرتا ہون — وہی مرض ہے مرا اور وہی دوا میری

زندگی کہتے ہین کسکو موت کسکا نام ہے — مہربانی آپکی، نامہربانی آپ کی

ایسے مضطر چلے اس کوچے کیجانب وہ فون — گر پڑا مین کبھی رستے مین کبھی دل میرا

دونون عالم جسے کہتے ہین وہ یہ عالم ہین — صبح مرغان چمن، یا شام اسیران قفس

چمن مین تھین مجھے ساری اذیتین راحت، — بہشت تھا مرا اُجڑا ہوا نشیمن بھی

ہاتھ پہلو پر دھرا ہے کرتے ہین دلبر کی فکر — پوچھتے پھرتے ہین گلیون مین کسے دل چاہیے،

سوئے جب گور غریبان مین تکلف نہ رہا — دیکھئے پاؤن کیسکا ہے کسی کا سر ہے

گھرا ہے میکدے پر ابر شر ماکر نہ برسے گا — ذرا دم بھر نہ روئے منع کر دو اپنے گریان کو

دل جگر پڑھتے ہین کلمہ نوا ملک تن مین — ساری بستی مین یہ دو گھر ہین مسلمانون کے

ایک مدت کا ہے قصہ کسی جانب دل تھا، — اب نہین یاد یہ پہلو ہے کہ وہ پہلو ہے،

لطف نظارہ پہ موقوف ہی اپنی ہستی — منھ ادھر آپ نے پھیرا کہ ادھر ہم نہ رہے

بس ایسے حال مین عاشق کو آپ ہتی دین — حواس جا نہ سکین اور ہوش آ نہ سکے

کہتا ہے ہاتھ اٹھا کر سوئے شجر یہ گلچین — کیون بدنصیب تونے پھر آشیان بنایا

سینہ پہ جب کبھی کوئی آنسو ٹپک گیا — اس درجہ ناتوان ہون کلیجہ دھڑک گیا،

کیا جوڑتے ہین آپ دل پارہ پارہ کو — معلوم بھی ہے کون سے ٹکڑے کہانے کے ہین

وہیں وقتِ ذبح حسرت ہے کہ دیکھیں آپکو مرتے مرتے خیر جینے کی تمنا بھی سہی

کب ترے دامِ محبت سے رہا ہوتا ہے کوئی سو مرتبہ مرجائے تو کیا ہوتا ہے

اے جوشِ جنوں کیا ہنسی ہوتی ہے ہم پر ہم تو کبھی ہنستے نہ تھے وحشت پہ کسی کی

درحقیقت کہ رشید مرحوم اردو زبان کے بہترین شاعر تھے، مرثیہ گوئی آپکے نزدیک ایک مورونی فن تھا جسمیں آپنے خصوصیت سے نام پیدا کیا، آپ کی بہار یہ تمہید، قابل قدر ہوتی تھی جسے آپ ہر مرثیہ میں نئے رنگ سے کہتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہیں،

اے خوشا وقت کہ عالم میں ہے ساماں بہار سب مہیا ہیں وہ چیزیں جو ہیں شایانِ بہار
پھر سنواری گئی ہے زلف پریشانِ بہار صحن گلشن میں ہیں گل دست و گریبانِ بہار
پھول سب کھلنے لگے شاخ ہر اک پھلنے لگی
گرکے جب اوس تھمی سرد ہوا چلنے لگی،

کچھ عجب صورتیں غنچوں کی ہیں بھولی بھولی جو نقیر آگیا بھر لی زرگس سے جھولی
منع بلبل نے کیا چیز کسی نے جو لی بولی نرگس تجھے کیا بحث ہے تو کیوں بولی
بات جانی رہے یہ حسن بیاں کھل جائے
کہیں ایسا نہ ہو سوسن کی زباں کھل جائے

یہ سوانح عمری، جسمیں رشید مرحوم کی تصویر، اور کلام کا مختصر انتخاب بھی شامل ہے ۱۴۲ صفحوں پر ختم ہوئی، زبان و بیان کے متعلق صرف لکھنؤ کا انتساب کافی ہے، کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب، قیمت عدم

ملنے کا پتہ۔ جناب محشر عنایت، چاہ کنکر لکھنؤ،

اعظمی

دل سے باتین

آتنا تو بتا مجھکو، تو، اے دل دیوانہ — کیا ہو گئے وہ تیرے انداز قدیمانہ
بچپن سے ترا کل تک، مجھسے رہا یارانہ — کیون آج ہے برگشتہ، کیون آج ہے بیگانہ
تو کیون نہین قابو مین، کہنے کو ہے قابو مین
یون ہے مرے پہلو مین، گویا نہین پہلو مین

بجلی جسے کہتے ہین وہ خاصہ تیرا ہے — بیتاب ہے بیکل ہے مضطر ہے تڑپتا ہے
ہر دم تری رگ رگ سے اک درد سا پیدا ہے — کچھ کہہ تو سہی آخر۔ یہ تجکو ہوا کیا ہے
برباد نہ کر مجکو، اس درد نہانی سے
یہ سن ہے جوانی کا، یہ دن ہین جوانی کے

ہان اے دل وارفتہ، ہان اے دل سودائی — اب کیون نہین اگلی سی ہشیاری و دانائی
کچھ روز اگر یونہین تیری رہی خودرائی — ہو جائیگی بدنامی۔ ہو جائیگی رسوائی
کہنا ہی نہین سنتا۔ کس کس طرح سمجھاؤن!
کیونکر تجھے بہلاؤن۔ اب کیا کرون؟ مرجاؤن!

معلوم یہ ہوتا ہے، تو محو محبت ہے — تجھ پر یہ سب آنکھونکی، ڈھائی ہوئی آفت ہے
اس سوز شبہم کا، موجب غم فرقت ہے — جو تجکو ستاتی ہے۔ وہ دید کی حسرت ہے
یہ امر ہے لاحاصل۔ مجبور نہ کر مجکو
اے دل۔ مرے پیارے دل مجبور نہ کر مجکو

نا مرے کہنے سے، وہ آئین، تو کیا ہو گا — یا اپنے یہان مجکو بلوائین، تو کیا ہو گا
آنکھون سے اگر آنکھین لڑجائین تو کیا ہو گا — یہ سب سہی۔ وہ لیکن شرمائین تو کیا ہو گا

رہجاؤن گا مُنہ تک کے۔ چھاجائیگی خاموشی
لب تک بھی نہ آئیگی فریاد ستم کوشی

حالت شب فرقت کی، کون اُنکو سنائیگا — مین کہہ نہ سکون پھر کیا۔ تو آپ بتائیگا
ڈر ہے کہ فلک مجکو۔ یہ دن نہ دکھائیگا — سب کہنے کی باتین ہین۔ کون آئیگا۔ جائیگا

مجھ تک وہ چلے آئین۔ کیا ایسی غرض اُن کو
کیون مجکو وہ بلوائین۔ کیا ایسی غرض اُن کو

تو یاد مین مرتا ہے۔ وہ یاد نہین کرتے، — تو ہجر سے غمگین ہے۔ وہ شاد نہین کرتے
کر صبر کہ حال اتنا۔ برباد نہین کرتے — عشاق جو ہوتے ہین۔ فریاد نہین کرتے

یون ہوکے پریشان تو۔ مجکو نہ پریشان کر
گر وصل کی خواہش ہے۔ ضبط غم ہجران کر

محمد یٰسین قریشی تسکین (سوڈانی)

کلام اعلیحضرت شاہ دکن

اثر پیدا ہوا کسکی فغانین — تلاطم ہے زمین و آسمان مین
مین اُمید مسیحا پر ہون زندہ — وگرنہ کیا ہے جان ناتوان مین
حقیقت کھولکر اکدن رہینگے — وہ آنسو جو ہین چشم راز دان ہین
مزے ملتے ہین دونون کے صیاد — قفس بھی لاکے رکھدے آشیانین
جرس کے بھی جو اٹھکر ہوش کھودے — وہ نغمے ہین میرے ساز فغانین

رہ طیبہ مین گرتے پڑتے عثمان
چلا جاتا ہون گرد کاروان مین

گورو نانک دیو

از وتسہ پرشاد فدا

اے نانک قلب تھا صاف ترا، کیا وصف ہو تیرے سینے کا
کہتے ہین چراغ طور جسے، جوہر تھا اس آئینے کا
ہر تار نفس ترا پایہ تھا، معراج وفا کے زینے کا
تری بزم مین کس کو یارا تھا، مکر اور فریب اور کینے کا
دل مین جو لگن پوشیدہ تھی، وہی لب سے ہویدا ہوتی تھی
ناپید جو تھی ذہن پہلو مین، گفتار سے پیدا ہوتی تھی

رتبہ تھا سوا تراشا ہون سے، انداز فقیرون والا تھا
ہر سر کو سہی ترا شیدا تھا، اور والہ ہر گل لالہ تھا
تری معنی خیز نصیحت کا، طور اور طریق نرالا تھا
تاویل ترے ہر جذبے کی مرغان سحر کا نالا تھا
اک ساز سراپا وحدت کا، القصہ تیری ہستی تھی،
جس سے دل اہل دانش پر طاری محویت مستی تھی،

ملتی تھی صلا جب رندون کو، اے پیر ترے خمخانے سے
بو سوز عشق کی آتی تھی، ہر سوز بھرے پیمانے سے
یون شوق بجلی اٹھتا تھا، ہر محفل کے دیوانے سے
جس طرح چھلکتی پڑتی ہو، مے تاب بھرے پیمانے سے

دیدار کے طالب محفل مین، سرگرم تماشا رہتے تھے
خاموش مگر دل ہی دل مین، سرگرم تماشا رہتے تھے

مئے عرفان کا متوالا تھا، اور بزم الست کا ساقی بھی
تھا جام پیا پے گردش مین، اور دور کئی تھے باقی بھی
تری بیعت کا دم بھرتے تھے، ہندی بھی اور عراقی بھی
انداز مین ترے پنہان تھی، خلاقی بھی رزاقی بھی
تری ساقی گری کا شہرہ تھا، اِس عالم سے اُس عالم تک
ترے لطف و کرم کا چرچا تھا، اِس عالم سے اُس عالم تک

مُسلم تجھے مرشد کہتے تھے، ہندو اوتار سمجھتے تھے
وہ کلمہ گو، یہ نانک کو، اہل زنار سمجھتے تھے
وہ بندۂ سُبحان کہتے تھے، یہ خود کرتار سمجھتے تھے
اور صوفی اپنے مذہب کا تجھکو سردار سمجھتے تھے
ان سب شامل ہوتے بھی، ترا اپنا طور نرالا تھا
سب اپنی اپنی مت والے، تو عرفان کا متوالا تھا

تو درس حقیقت دیتا تھا، سب کو یہ سناتا تھا ہر سُو
جز اللہ سب ناپیدا ہے، ہر سمت ہے پیدا اللہ ہو
جو میرا ہے سب تیرا ہے، مین "مٹ مٹ کر ہو جائے" تو،
کاف تصغیر یہ کہتا ہے مین، ہیچ ہین سب کچھ واگورو
تو شاہ دلون کی بستی کا، اور واہ گورو کا پیارا ہے
اور نام ترا اس ہستی کے گلشن مین پھول نرالا ہے

عالم انتظار

از کلیم اعظم گڈھی

اُف یہ بیقراریان، لطف انتظار مین
ٹیس اُٹھ رہی ہے پھر قلب بیقرار مین

کب سے راہ تکتی ہون اسکی ان کو کیا خبر
دل تو انکا سخت ہے اسپہ ہوگا کیا اثر

اپنی شان دیکھتے گر نہین مرا خیال
پاس اپنے قول کا کچھ تو کرتے نند لعل

یہ سویرے کا سمان اور کنارۂ چمن
سبز سبز گھاس ہے ڈنڈ ہار رہا ہے بن

خاک لطف سیر کا دلمین جب ہو قرار
پھول مین مہک کہان انمین ہین بھرے شرار

عرعر سرخ پھول مین رنگ ہی کہ آگ ہی
کیون جلا رہے ہین دل کیون یہ مجھسے لاگ ہے

دھیمی دھیمی موج مین وہ کنول کا جھومنا
کالے کالے بھونرے کا منھ کو اُنکے چومنا

زخم دل ہرے ہوئے درپی کہان، کے شور سے
جانے کیون پپیہے آج چیختے ہین زور سے

مجکو کیون ستاتے ہین درپی کہان ہی، پی کہان
اِن سے کیا بتاؤن مین؟ دل کہان ہے جی کہان

چھیلتا ہے دلکو "آہ"، بول ہے کہ تیر ہے
دلمین آج سو جگہ خون بھری لکیر ہے

مین تو چھپکے رات مین گھر سے آج چل پڑی
کب سے راہ دیکھتی راستے مین ہون کھڑی

آہ وہ نہ آئے کیون؟ اسمین کوئی بات ہی
وہ نظر نہ آئین تو دن بھی مجکو رات ہے

بڑھ رہی ہے روشنی "آہ"، کوئی آنہ جائے
دیکھکر یہان مجھے دل کی بات پا نہ جائے

میری انتظار کو لوگ تاڑ جائین گے،
مجکو دیکھ دیکھ کر اُنگلیان اُٹھائین گے

اپنے منھ کو ہائے ہائے، مین کہان چھپاؤنگی
جنا جی تو پاس ہین اس مین ڈوب جاؤنگی

آتی ہین موشیان "اُجلی، پیلی، کالی، لال"
پیچھے پیچھے کھیلتے آتے گوال بال

بولیان وہ بولین گے دیکھکر مجھے یہان
شک کرینگے مجھپہ وہ ہائے مین چھپون کہان

خیر جان لینگے وہ پھول لانے آئی ہے
اُٹھ کے آج تڑکے ہی یہ نہانے آئی ہے

ہائے کیا غضب ہوا آگئین سہلیان
کیا نہانے آئی ہین ! آ نہ جائین سب یہان

ایشور مجھے بچا ! اُن کا سامنا نہو ،
ہین ادھر کو چھپ رہون کوئی دیکھتا نہو

کُنج مین دبک رہون جسم کو چھپاکے مین
اُنکو دیکھتی رہون یون نظر بچاکے مین

ٹھیک میرے سامنے گھاٹ پر وہ آگئین
پانی لیکئے ہاتھ مین وہ کھیلنے لگین

بول اُٹھی مالتی ہین نہین نہاؤنگی
بھیگ جاؤنگی

لو وہ کھینچ ہی لیا لالتا نے اس کا ہاتھ
جل مین وہ لپٹ پڑین گرکے دونون ساتھ ساتھ

لو وہ تیرنے لگین جسم کو سنبھال کے
پانی پھینکنے لگین ہر طرف اچھال کے

مین نے کچھ نہین سُنا مالتی نے کیا کہا
اسقدر تو سن لیا کہتی تھی وہ "راہ کا"

دیکھکر کہین مجھے اس نے یہ نہو کہا
روٹھکر یہان نہ آئین مالتی و لالتا ،

لو لگین نکلنے وہ ساڑیان سنبھال کر
جسم اپنا ڈھانپ کر خوب دیکھ بھال کر

ساڑیان بدلتی ہین گھاٹ پر نکل کے وہ
لو پھر اسطرف چلین ساڑیان بدل کے وہ

دل دھڑک رہا ہی کاش اسطرف نہ آئین وہ
جسطرف سے آئی ہین اسطرف کو جائین وہ

جا رہی ہین گھر کو وہ بھر کے جل سے جھاریان
سر پہ چند ریان دھرین ہاتھ مین ہین ساریان

باندھکر نظارہ وہ گھاٹ سے روان ہوئین
رفتہ رفتہ آنکھ سے وہ میری نہان ہوئین

اب کوئی نہین رہا مین ہون اور انتظار
آہ لب پہ آگئی اور دل ہے بیقرار

کیا خبر تھی وعدے کو یون وہ بھول جائینگے
راستہ بھٹک کے بھی اسطرف نہ آئین گے

ہوگئی کھڑے کھڑے مجھ کو پانچ چھ گھڑی
ہے قریب وہ گھڑی جب ہو دوپہر کھڑی

میری آہ گرم کا اِس قدر اثر ہوا
دھوپ تیز ہوگئی گرم ہوگئی ہوا ،

لیون وہ پوچھنے لگے میرے حال زار کو
جانتے ہین خوب ہی میرے انتظار کو

" این و کد ہر سے آئی ہی یہ صدائے جانفزا
روح تازہ ہوگئی گونجنے لگی فضا

اُن کی بانسری کی ہے یہ کدہر سے آگئی
جان بے قرار تھی سنکے چین پاگئی

رہون کے ساتھ ساتھ دیکھئے وہ آتے ہین
وہ ستانے کے لئے اُن کو ساتھ لاتے ہین

سامنے نجاؤنگی سامنے گر ہین بھی
مین نہ اُن سے بولون گی گر مجھے منائین بھی

جذبات فراق

اسی رخ سے ہوائے کوئے جانان ہم بھی بیٹھے ہین — دل افسردہ پر اپنے تری تاثیر دیکھین گے
نسیم صبح ہم تیرے نثار اس سمت بھی آنا — ذرا ہم بھی حرام ناز کی تصویر دیکھین گے
اُنھین شمع محمد کا جھلملانا کوئی دکھلا دے — وہ کہتے تھے اکھڑتی سانس کی تصویر دیکھین گے

بیان شکست طلسم جہان عدم مین کرون — کہ مرتے دم یہ فسانہ بہین سے چھوٹا تھا
تجھے خبر ہے تو ہی اے نگاہ ساقی کہ — کہ رات بزم مین کس کس کو ہوش کتنا تھا
نگاہ تین، وہ ترے حسن بے نیاز کی آہ — مین دلکو تھامے تری بزم سے جب اُٹھا تھا
وہ دل جو قطرۂ خون تھا اسکی لہرون سے — بہار باغ جہان تھی وجود دنیا تھا

اے دل کسیکی پہلی نگاہون کا ذکر، آہ — یاد آگیا تجھے مرے غفلت شعار کیا
بجھ بجھ کے داغ دل اُبھر آتے ہین ہمنشین — مجھ قیدی قفس کی خزان کیا بہار کیا
کچھ لڑکھڑائی چال ہے اسکی بھی ساقیا — آتا ہے میکدہ لیے ابر بہار کیا
تھا حال بے ثباتی دنیا کہ ذکر نزع — کہتی تھی رونے والے سے شمع مزار کیا

رگھوپت سہائے فراق

بزم سخن

نہایت خوشی کی بات ہے، کہ کالجون اور اسکولون مین بھی اب اُردو ادب کی ترقی کا خیال پیدا ہو چلا ہے۔ چنانچہ ۱۹ مارچ ۱۹۲۳ء کو پرتھی ناتھ ہائی اسکول مین ایک بزم سخن منعقد ہوئی تھی تین طرحون مین غزلین پڑھی گئی تھین ہم چند ادب دوست طلبا کی غزلون کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔ ایڈیٹر

جناب محمد افتخار حسین صاحب افتخار

دعا مانگتا ہون ذرا تم بھی کہدو — خدا تیری سن لے دعا کرنیوالے
مرے ساتھ مٹ جائے نقش وفا بھی — پشیمان تو ہون یہ جفا کرنے والے

جناب مرزا صمصام علی بیگ تاسف

مریض محبت کا اب ہے یہ عالم — دعا کر رہے ہین دوا کرنے والے
یہان تک بڑھی ہین جفائین تمہاری — کہ ملتے نہین اب وفا کرنے والے
مرے دل سے کہتی ہین اُنکی نگاہین — یہ ناوک نہین ہین خطا کرنے والے

جناب اولاد علیصاحب غرق

یہ شرمائی صورت یہ نیچی نگاہین — غضب ڈھا رہے ہین حیا کرنیوالے
تجھے زہر دیتے ہین مایوس ہوکر — مرے درد دل کی دوا کرنے والے

جناب ممتاز بریلوی

دعا کر رہے ہین وفا کرنے والے — سلامت رہین یہ جفا کرنے والے
رہے ہین کس کس طرح تیرے بسمل — ذرا دیکھ لے او جفا کرنیوالے

تصاویر

اس ۱۲ اپریل کو تمام ملک مین سری رامچندر جی کی سالگرہ کا تہوار منایا گیا۔ ہم اس سالگرہ مبارک کے پر اس پرچے مین رامائن کے متعلق دو دلکش تصویرین تذر ناظرین کرتے ہین۔ پہلی تصویر مین ستی، تری کی عصمت مآب انسویا بائی سیتا جی کو نئے کپڑے پہنا رہی ہین۔ رامچندر جی لکشمن جی اور سیتا جی سمیت بن باس کو تشریف لیگئے ہین تو اشٹاوکر رشی مہاراج کیلئے رشی مہاراج کی آشرم مین بھی ٹھہرے۔ انسویا مجسم پت برت دھرم ہین۔ ہندو خاتونون کی شوہر پرستی سے دنیا واقف ہے مگر دیویون مین بھی انسویا کا درجہ بہت ممتاز ہے چنانچہ روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے تری دیو کے تین دیوتا سے ناراض ہوکر انہین بدی کر صبح ہوتے ہوتے دنیا مین انکا نام و نشان نہ رہے گا جب اس عصمت مآب خاتون کو اس بددعا کا علم ہوا تو اسنے اپنے پت برت دھرم کی طاقت سے کامل چھ مہینے تک سویرا ہونے ہی نہ دیا۔ اور جبتک برہما وشنو نے اس بددعا کا لعدم کرنے کا وعدہ نہین کر لیا تب تک انسویا بائی کے محترم بالجرم مین فرق نہین آنے پایا۔

سیتا جی جب انسویا جی کے آشرم مین رونق افروز ہوئین تو انھون نے سیتا جی کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انھین کے عطیہ لباس و زیورات سے آراستہ کیا اور استری دھرم کے متعلق بہت سی باتین بتلائین انسویا جی نے فرمایا کہ عورت کو خدا، باپ، بھائی اور دوست بھی قابل قدر ہین لیکن شوہر ایک دولت نامتناہی ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کی پرستش کرتی کسی ستایش کی مستحق نہین ہے۔ ہمت، نیکی دوست اور عورت یہی چار چیزین مصیبت کے وقت کام آتی ہین جو عورت شوہر کی اطاعت کرتی ہے اسکی جگہ بہشت بریں مین ہے۔ سیتا جی تمہارا نام دنیا مین ہمیشہ نیکی سے یاد کیا جائیگا کیونکہ تم کو جان سے زیادہ چاہتی ہو۔

دوسری تصویر جس مین دو واقعہ کے متعلق ہے۔ بن باس کے سلسلہ مین جب شری رام لکشمن و سیتا جی گنگا جی کو کنارے پہنچے نے دریا عبور کرنے کے لیے ملاحون سے کشتی منگائی ملاحون کا چودہری گوجا بولا "ہمارا راج بہنے سنا ہے کہ تیری قاکپا آدمی بنا دیتی ہے کہ پتھر کی شلا آپ قدمبوس کرتی ہے تو وہ ایک خوبصورت عورت بنکلتی ہے لکڑی جو پتھر سے ملایم ہوتی ہے مجھے خوف ہوا کہ اگر آپ میری کشتی کو چھوئین گے تو کہین سے بھی کسی شی کی استری نکل آئے اور اسطرح میری اور میرے بال بچون کے گذارہ کا ذریعہ ہی مسدود ہو جائیگا اجازت دیجئے کہ مین پہلے آپکے چرن دھوہون اور پھر آپکو کشتی پر بٹھلون۔ بھگوان شری رام چندر کی بھگت بھری باتین سنکر مسکرا نے قدم لیے اور چرنامرت پینے کے بعد خوشی خوشی کشتی پر سوار کرا کے دریا عبور کر دیا۔

تلسی داس جی نے دونون واقعات کو اپنے بنفیشہ پیرایہ مین نظم کیا ہے۔ دونون مناظر سے سب ہی بخوبی واقف ہین

کارٹون



یورپ خانہ جنگوں کے تلاطم میں



ہندوستان اور گورنمنٹ ہند کا زیارم ایکٹ

برطانیہ وروس کی کانفرنس



خوب ہی جلیں گی مل بیٹھیں گے دیوانے دو



مزدوروں کے اور نئے طبقے کی بیداری



زمانہ

جلد ۴۲ مئی سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۵

مُلکی ترقی کا راز

کچھ عرصہ سے پولیٹیکل جد و جہد کا غلغلہ ہندوستان کے ہر حصہ اور تقریباً ہر گوشہ مین بلند ہے۔ عوام و خواص ملکی و سائل سے نسبتاً اب زیادہ دلچسپی لینے لگے ہین۔ تعلیم یافتہ گروہ کے وہ اصحاب جو سرکاری ملازمت کے علق و سلاسل سے آزاد ہین۔ فی زمانہ بجز سیاسی معاملات اور کسی مسئلہ پر کافی توجہ نہین کرتے۔ باوجود اس دل خوش کن اور غیر معمولی شوق و انہماک تعلیم یافتہ حضرات مین محض غالباً معدودے چند ایسے نفوس ہونگے جو سیاسی ترقی کے رموز و ذرائع پر غور و فکر کرتے ہون۔

اس مضمون پر ہم ان متین و سنجیدہ اصحاب کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہین جو تعلق مآل اندیشی کو فوری جوش و عارضی سرگرمی پر ترجیح دیتے ہین اور اپنی ذاتی رائے پر اعتماد رکھتے ہین۔ مہذب ممالک مین سیاسی ترقی کیونکر ہوئی اسکے مناراں کیا تھے۔ ان قومون کو منزل مقصود تک پہونچنے مین کیا کیا مصائب و مراحل طے کرنا پڑے جمہوریت و مساوات کے خیالات عوام و خواص کے دلون مین کیونکر جاگزین ہوئے اور اس کٹھن منزل تک کتنے عرصہ دراز کے بعد پہنچے یہ وہ مسائل ہین جن کا جواب یورپ کے مورخون نے ضخیم کتابون مین دے رکھا ہے اہل نظر ان سے ناواقف نہونگے۔

اس مسئلہ میں غالباً یہ لکھنا بیجا نہ ہوگا کہ جہاں تک ہمکو معلوم ہے ہندوستان کے پولیٹیکل نجات کا مسئلہ ایسا وقیع و پیچیدہ ہے کہ اب نرے مشرقی اصول سلطنت کی پیروی سے ہم کامیاب نہیں ہو سکتے ہمکو بادل ناخواستہ مغربی اصول طریق عمل پر کاربند ہونا پڑیگا۔ حقیقتاً ہمکو اس طرز عمل سے گریز نہ کرنا چاہیئے۔ اسلئے کہ ہماری موجودہ سیاسی زندگی کا محرک اوّل مغربی تعلیم کا اثر ہے۔ اگر آج ہم مغربی اقوام و ممالک کے جدید کارناموں سے اثر پذیر نہوئے ہوتے تو سلطنت خود انتظامی یا ہوم رول کا خواب نہ دیکھتے اور نہ دنیا کے ترقی یافتہ اقوام سے ہمسری کی خواہش کرتے ہم میں جسقدر احساس ملکی یا ملی پیدا ہو چلا ہے یہ سب از خود نہیں آیا ہندوستان ایک گونہ خوش قسمت تھا، تضاد قدرت نے ہماری اس میں بہبودی دیکھی ہوگی کہ یورپ کے ایک نہایت سربرآوردہ قوم کو ہمپر احکمران بنایا۔ اس باہمی مشارکت و محبت سے جو نتائج پیدا ہوئے یا آئندہ ہونگے انکا اعادہ و اظہار زبانِ قلم کے لیے مناسب نہیں ہمکو اس عظیم الشان واقعہ پر متاسف ہونا چاہیئے۔ ایشیائی ممالک کے اکثر اقوام اپنی موجودہ حالت کی خود اصلاح کر رہی ہیں اور مغربی اصول جد و جہد کی تقلید کو کسر شان نہیں سمجھتیں۔

جمہوری سلطنت اور نیابتی طرز عمل کی روشنی ہمکو انھیں ممالک سے ملتی ہے جنمیں رعایا کو عام صفت جبری تعلیم بلا لحاظ مذہب و ملت فرقہ و گروہ بندی دیجاتی ہے اور اعلےٰ تعلیم کا چرچا گھر گھر ہے۔ بلا امتیاز اعلےٰ و ادنےٰ ہر پڑھے لکھے شخص کو پولیٹیکل حقوق اس بنا پر دئے جاتے ہیں کہ وہ اس ملک و قوم کا ایک فرد ہے اسی نظام حکومت اور وضع قانون کے انصرام میں اسکی رائے کی شنوائی ہوتی ہے جبریہ و عام تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر متنفس خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو نہ صرف اپنے حفاظت حقوق کا متمنی بلکہ ان فرایض سے باخبر ہوتا ہے جو اسکے قوم و ملک سے تعلق رکھتے ہیں

اسی عام احساس ملکی کا اثر ہے کہ یہ لوگ جب اپنے ملک کو خطرہ میں دیکھتے ہیں۔ تو جان و مال نثار کر دینے میں دریغ نہیں کرتے آج سے بیس سال قبل جب روس اور جاپان میں جنگ ہوئی تھی تو کون کہہ سکتا تھا کہ ایشیا کی ایک غیر معروف

قوم اتنے بڑے سورمیر کو شکست فاش دیگی۔ وہ کونسا طلسم تھا جسنے ایک نئی قوم مین حیرت انگیز حرارت قومی پیدا کردی ایک جاپانی عورت کو کسی نے روتے ہوئے دیکھکر پوچھا تم کس مصیبت مین گرفتار ہو۔ بولی "کوئی ذاتی غم نہین صرف ایک صدمہ مین مبتلا ہون کہ کاش میرے ایک اور اولاد ہوتی تو ملک پر نثار کردیتی۔ جاپان کے موجودہ طریقہ رفتار سے اسوقت کون ناواقف ہوگا۔ ہمارے لیے غور و تامل کا موقع ہے۔ پچاس برس تک خاموشی کے ساتھ جاپان نے اپنی ملکی جسم کے ہر عضو کو توانا بنادیا یورپ و امریکا کے قومون سے انواع اقسام کے ہنر سیکھے صنعت و حرفت مین کمال حاصل کیا تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ملکی ترقی کو وابستہ سمجھا۔ اس طرح عزت کے آسمان پر منور تارہ بنکر چمکا۔

ہمارے ملکی معاملات جاپان سے زیادہ اہم و پیچیدہ ہین۔ ہم اقرار کرتے ہین کہ ہمکو وہ سہولتین نہین جو ان کو ملین تاہم یہ امر قابل غور و تقلید ہے۔ نہ صرف جاپان بلکہ کسی ترقی یافتہ قوم نے آج تک چشم زدن مین عروج کے مراحل کو نہین طے کیا۔ کافی عرصہ امید واری اور تیاری مین صرف کرنا پڑتا ہے۔ یکایک کوئی شے بغیر سلسل اور ان تھک محنت ممکن نہین کہ دستیاب ہو۔ اہل فرنگ کو خواہ ہم اپنا فاتح تصور کرین خواہ مصلح و رہبر خواہ رقیب و حریف بہرصورت ایک نہ ایک دن ہمکو ان کی ماتحتی اور محکومی سے سبکدوشی ضرور حاصل کرنا ہے۔ اس امید و اعتماد کے بنا پر پچاس برس سے چند دوراندیش فدایان قوم آئینی جدوجہد کرنے مین مصروف رہے ہین۔ دادا بھائی اور گوکھلے آنجہانی کو یقین کامل تھا کہ ہماری لگاتار سعی بیکار نہ جائیگی۔ وہ دن ضرور آئیگا جبکہ ہم اپنے محنت و جانفشانی کے ثمرہ سے بہرہ اندوز ہونگے۔

برٹش گورنمنٹ کو اگر ہم اپنا حریف و رقیب تصور کرین تو ہمکو ان سے زیادہ توقع مراعات نہ رکھنا چاہیئے ہم خود بحیثیت قوم جو کچھ اپنی اصلاح و بہبودی کے لیے کرسکتے ہون اس سے کسی حالت مین دریغ مناسب نہین حریف کے ہر داؤ پیچ سے واقفیت حاصل کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ جب تک ہم خالص حب الوطنی کے جوش سے پر اور مادہ ایثار سے سرشار نہونگے قومی بیڑے کو پار نہین لگا سکتے۔

اگر ہم سرکار دولت مدار کو اپنا فاتح و مصلح سمجھکر اس کے مراحم خسروانہ سے مستفید ہونا چاہتے ہون تو اس حالت مین بھی ہمارا فرض ہے کہ اپنی سرگرمی ذاتی جوہر و قابلیت و اتحاد ایثار، جانبازی کا اسقدر ثبوت دین کہ وہ ہماری استعداد و قابلیت کا لوہا مان جائے عام قاعدہ ہے کہ جب تک باپ اپنے بیٹے کو کم شعور و کمزور سمجھتا ہے۔ اس سے تحکمانہ برتاؤ کرتا ہے جسوقت یہی لڑکا سن شعور کو پہونچ جاتا ہے۔ اور اس کا ہمسر ہو جاتا ہے تو باپ اُسکے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرتا ہے۔ جو اصحاب سوراج کے آرزومند ہین انھون نے غالباً اس مسئلہ پر غور نہین کیا کہ اگر ہمکو عنقریب سوراج مل بھی جائے تو بغیر بہترین طریقۂ تعلیم و تربیت ہماری قوم موجودہ حالت مین ہمسایہ اقوام کا جو ترقی کے میدان مین ہم سے منزلون آگے بڑھے ہوئے ہین کیونکر مقابلہ کر سکتی ہے۔ اور اپنے قومی وقار کو کس طرح قائم رکھ سکتی ہے، اسلئے قبل اسکے کہ ہم عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لین۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ قوم کے منتشر اجزا کو مجتمع کرین۔ اور ان مین جدید طریقہ تعلیم و سیاسات اور اسکے گوناگون شائبون سے ایک روح پھونکدین جو ان کے پولیٹیکل قالب کو بالکل بدل دے۔ ورنہ ہم خفیف ہونگے اور ہمکو نیچا دیکھنا پڑے گا۔ اگر ہم نجات ہند کے دلی آرزومند ہین تو ہمکو چاہیے کہ قومی فنڈ کھولین ہونہار نوجوانون کو یورپ و امریکہ حرفتی و صنعتی اقتصادی تعلیم کے لیے بھیجین تاکہ واپس آکر وہ ان چیزون کا اپنے ملک مین رواج دین۔ فی الحال ہم مجبور ہین۔ بجز تعلیم قعر مذلت سے ہمکو نکالنے والی کوئی اور شے نہین

بلا امداد غیرے جسقدر ہم سے ممکن ہو سکے ہمکو چاہیے کہ سلطنت خود انتظامی کے حصول کی کوشش مین کوئی دقیقہ اٹھا رکھین بذریعہ تحریر و تقریر اور تعلیم عامہ عوام الناس مین سیاسی حس پیدا کرین۔

ہر قریہ اور شہر مین مادر ہند کے پیغام کو پہنچائین۔ کیا ارباب نرم و گرم نے اس طرف توجہ کی؟

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پولیٹیکل خیالات کی اشاعت مین ضرور کوتاہی کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم مین خالص حب الوطنی کا جوش ابھی تک پیدا نہین ہوا۔

اور لگاتار جد و جہد کی صلاحیت نظر آتی ہے۔

ہم اب تک اس بیّن اصول سے ناواقف ہین کہ جزو کل کی ہستی ایک دوسرے پر منحصر ہے انفرادی ملی اور مجموعی زندگی کے باہمی اثرات اور حسیات سے ہم اب تک بے بہرہ و بے خبر ہین اس نکتہ کو ہم ابتک نہین سمجھے کہ مغربی اقوام اس راز کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہین انہین یہ استثنائے چند معتد بہ تعداد ایسے جانبازون کی ہے کہ جو نہایت آمادگی اور خوشی سے اپنے ملک کی آزادی حاصل کرنے مین کوشان کیون نہ رہتے ہین۔ اسلئے کہ وہ بخوبی جانتے ہین کہ ہماری انفرادی ہستی و ذاتی وقار کا تحفظ و ثبات مجموعی ہستی (جسکو سوسائٹی یا قوم کہتے ہین) پر منحصر ہے۔ اسلئے ایثار سے دریغ نہین کرتے۔

شکست کا ہولناک منظر غلامی محکومیت کا سمان ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ ان مین ہر شخص باخبر ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ فتح و شکست کے ساتھ ہماری آیندہ نسلون کی آزادی اور وقار قومی وابستہ ہین۔ قوم کے ہر متنفس کا بالکل فنا ہوجانا ذلت و خواری کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ وہ اپنے ملک اور قوم کو مہیب خطرہ مین گھرا ہوا دیکھکر سراپا ایثار بن جاتے ہین۔ گذشتہ زمانہ مین بھی بہت سی لڑائیان ملکی مقاصد کے حصول کے خاطر ہوئین مگر یہ حیرت انگیز اور بے نظیر جانبازی اور سرفروشی ان مین بہ حیثیت مجموعی ناپید تھی۔ آخر اسکا سبب کیا ہے۔ وہی نظام تعلیم جس سے اقوام مین اخوت مساوات۔ جمہوریت اور حب الوطنی کے جذبات پیدا ہوئے ہین۔

اگر ہم دنیا مین اپنی ہستی کو قائم رکھنا چاہتے ہین اور آزادی و عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہین تو ملکی آزادی کے حصول مین جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ جرمن و روس سے سخت تر حریف کا ہمکو مقابلہ کرنا ہے وہ دشمن سخت گیر ہماری جہالت علمی پستی غلامی اور نفاق ہین۔ ان کے مقابلہ کے لیے ہمین اسقدر تندہی ایثار ہمتی سے کام لینا پڑے گا۔ جس درجہ آج یورپ کے اقوام اپنے ملکی تحفظ کے لیے کر رہے ہین،

مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

انھلستان کی تعلیمی حالت گو یورپ کے دیگر اقوام سے کم درجہ ہے۔ مگر ہم ست وہ بدرجہا

ترقی یافتہ ہین۔ سسٹر فشر پریسیڈنٹ ایجوکیشن بورڈ نے انگلستان کی تعلیمی اضلاع کابل۔ پارلیمنٹ مین پیش کرتے ہوئے کہا کہ "ہم کو کافی فراخدلی سے تعلیمی اصلاح پر روپیہ صرف کرنا چاہیئے ورنہ آیندہ نسلین ہمارے قدیم وقار کو قائم نہ رکھ سکین گی۔ جو قوم بہترین تعلیم اپنی اپنی نسلون کو نہین دیتی وہ زندگی کے کشمکش مین ہمیشہ پیچھے رہے گی۔

از ابتدا تا انتہا پولیٹکل ترقی کی بنیاد تعلیم پر منحصر ہے۔ اور یہی سیاسی ترقی کا راز ہے۔

ہندوستان مین جا بجا پولیٹکل انجمنین قائم ہین جس مین کم و بیش جد و جہد کیجاتی مگر پولیٹکل حقوق کے حصون کا اصلی و یقینی ذریعہ تعلیم ہے۔ اس سے ہمارے پیشوایان قوم بہت غافل ہین جسقدر وقت و سرمایہ ہم پولیٹکل معاملات کے سلجھانے اور سیاسی حقوق کے حاصل کرنے مین کرتے ہین اس سے کم وقت و سرمایہ تعلیم پر صرف کرتے ہین۔ حق تو یہ ہے کہ جو قومین تعلیم سے بے اعتنائی نہین کرتین انہین ملکی حقوق سہولت کے ساتھ ملجاتے ہین جس طرح ہم گورنمنٹ کے نافذ کردہ ٹکسون کو ادا کرتے ہین۔ ہمکو تعلیمی ٹکس بخوشی دینا چاہیئے اس فنڈ کا انتظام ہمارے ہاتھون مین رہنا چاہیئے۔

ہر شہر قصبہ اور صوبہ مین تعلیمی درس گاہین قائم کرنا ضروری ہے۔ اس ذریعہ سے ہم قومی تعلیم کی اشاعت تھوڑے عرصہ مین اور جلد کر سکتے ہین۔ جب تک ہم خود اپنی مدد آپ کرنہ سکین گے خدا ہماری ہرگز مدد نہ کرے گا۔ مبارک ہین وہ لوگ جو قوم و ملک کی خدمت کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد سمجھتے ہین۔

من نہ می گویم سمندر باش یا پروانہ باش
گر بہ فکر سوختن باشی بردمردانہ باش

تعلیم عام کا اشد ضرورت کا تازہ ثبوت ہندوستان کے مختلف صوبون مین انتخاب کونسل کے موقع پر بہت کافی مل چکا ہے۔ ووٹ حاصل کرنے کے خاطر منچلے لیڈرون نے اپنے حریفون کے خلاف سب و شتم لونت ولایم بہتان افترا اور غلط بیانی کا کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا۔ عوام الناس مین بوجہ شدید جہالت کہرے اور کھوٹے کے پرکھنے کی تمیز نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات کا جادو ان سادہ لوحون پر خوب چلا۔

اس سے بڑھکر ہمارے ملک کی بدقسمتی اور قومی ناعاقبت اندیشی کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وہ بزرگان قوم جنہوں نے ملک کی بے ریا خدمت کرنے میں اپنے جان و مال کا بھی خیال نہیں کیا۔ اور عمر عزیز کا بیش بہا حصہ قوم کے نذر کر دیا جنکے بے نظیر ایثار شہرۂ آفاق سیاست دانی انشاء پردازی علم و فضل کا لوہا دوست دشمن تقریباً سب نے مان لیا ہے۔ گذشتہ انتخاب کونسل کے موقع پر دشمن ملک بناکر پس پشت ڈال دیئے گئے۔

اگر رائے دہندگان میں تیس چالیس فیصدی اصحاب بھی ایسے ہوتے جو بلا خارجی اثر خود رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تو مختلف کونسلوں میں نمایندگی کا سہرا ملک کے تجربہ کار اور قابل ترین حضرات ہی کے سر باندھا جاتا۔

سوراج یا سلطنت خود انتظامی صحیح معنوں میں ہمیں اسوقت حاصل ہوسکے گی اور ہم اسکے حقیقی مستحق بنینگے جبکہ ملک کے آبادی کا معتد بہ حصہ عام تعلیم کے نعمت سے بہرہ اندوز ہوگا۔

جن ممالک میں فی زمانہ جمہوری سلطنتیں قایم ہیں۔ وہاں کے تقریباً ۹۵ فیصدی باشندے لکھ پڑھ سکتے ہیں ڈیڑھ دو سو سال کی حکومت کے بعد بھی برٹش گورنمنٹ نے جبری و لازمی تعلیم کی اشاعت میں غیر معمولی کوتاہی کی ہے اسوجہ سے ہندوستان کی آبادی کا بیشتر حصہ قعر جہالت میں پڑا ہوا ہے۔ گورنمنٹ ہند کو فوجی ضروریات اسباب کی اجازت نہیں دیتیں کہ وہ اسی فراخدلی اور ملکی ہمدردی کے بنا پر جس سے کہ یورپ و امریکہ کے اکثر ممالک متاثر ہوئے ملک کے ہر گوشہ و قریہ میں تعلیم کی عام اشاعت کے لیے روپیہ صرف کرے۔

ایسی حالت میں رہبران قوم، و رفدایان ملک کا فرض ہے کہ ملکی ترقی کے اصلی راز کو ذہن نشین کریں اور قومی تعلیم کے ضبط و انصرام میں کوشش بلیغ سے دریغ نہ کریں۔ بغیر عام تعلیم افراد قوم اپنے ملکی اور ملی فرایض کو بخوبی انجام دینے کے ہرگز قابل نہ ہونگے۔ اور نہ حصول سوراج کے لایق بن سکینگے۔

شیلی

کیٹس اور شیلی دونون ایک ہی عہد زرین کے آفتاب و ماہتاب تھے، دونون نے ایک ہی آب و ہوا مین زندگی بسر کی اور ایک ہی سیاسی اور معاشرتی اثرات اور واقعات سے متاثر ہوئے لہذا یہ قرین مصلحت ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کے حالات قلمبند کئے جائین تاکہ اُس دور ادبی کا صحیح مرقعہ پیش نظر ہوجائے اور یہ بھی ظاہر ہوجائے کہ دو دماغ ایک ہی ماحول اور ایک ہی سوسائٹی مین رہکر ایک دوسرے سے کسقدر مختلف ہو سکتے ہین۔

عہد طفلی | شیلی ۴ اگست ۱۷۹۲ء کو فیلڈ پلیس FIELD PLACE واقع سسک SUSSEX مین پیدا ہوا، وہ ایک متمول اور اعلےٰ خاندان کا ممبر تھا جسکے افراد نے بارہا میدان کارزار مین شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھائے تھے اور بادشاہ انگلستان کو اپنی وفاداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیا تھا چنانچہ اس خاندان کو دربار خسروی سے جاگیر اور خطاب عطا ہوا جسپر شیلی کی اولاد اب تک قابض اور متصرف ہے۔ شیلی کی نشو و نما ملک کی ایسی سوسائٹی مین ہوئی جو اُس زمانہ مین دیرینہ عقائد اور کورانہ رسم و رواج کی پابندیون مین ایک مجرم غلام کی طرح جکڑی ہوئی تھی۔ اور جسکی زہریلی آب و ہوا مین جدت پسندی اور ندرت آفرینی کی بجائے عہد قدیم کی روایات کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسیوجہ سے یہ الفاظ۔

"غلامون کی ملکہ اور
اندھی و مردہ رسم کے پردار فرشتے"

بار بار شیلی کی زبا پر آتے ہین، اور اُسکی آتش غضب اور زیادہ مشتعل ہوجاتی ہے۔

غرض اس خاندان مین جہان دولت نے ہر ممکن معمول آرام و آسائش کا سامان مہیا کر رکھا تھا شیلی نے اپنی عمر کے اولین آٹھ برس بسر کئے یہ برس کی عمر مین اسکو پادری اڈورڈ کی

شاعرانہ کا فخر حاصل ہوا اور اپنی بہنوں کے ہمراہ درس و تدریس میں گرفتار ہو گیا وہ ایک بلند حوصلہ غمگسار اور ہمدرد بھائی تھا۔ اور اوایل عمری سے اُسنے اپنی بہنوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ وہ اپنی بہنوں کو کہانیاں سُناتا۔ بھوت پریت اور جن و پری کے قصوں سے انکی فرصت کا وقت بسر سناتا ان کے کھیل کود میں شریک ہوتا اور اُنکے ساتھ سیر و تفریح کے واسطے باغوں میں جایا کرتا اس زمانہ میں بھی اُسکی حرکات و سکنات میں ایک قسم کی وحشت اور بے خبر مستانہ پن پایا جاتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک خاص فکر میں مبتلا ہے۔ مناظر فطرت کے مشاہدے سے شبلی کا دل کبھی نہ بھرتا اور وہ ان کو دیکھکر کچھ مبہوت سا ہو جاتا۔ اسی وجہ سے اُسکے بھولی اُسکو ایک عجیب الخلقت انسان ایک سلوب لحواس سا تھی سمجھتے تھے۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ اپنی بہنوں کو کوئی قصہ سناتے سناتے یکایک اُسکی نگاہ ایک درخت کی جانب اُٹھگئی جسکو فصل بہار نے اپنی رنگین فیاضیوں سے دولہا بنا رکھا ہے اور وہ فوراً اُس درخت کے قریب جاکر پھولوں کے مشاہدے میں منہمک ہو گیا۔ اسکی معنی خیز نگاہوں کے اشارے بتلانے لگے کہ گویا کتاب فطرت کے اوراق اُسکی نگاہ کے سامنے موجود ہیں اور وہ اسرار حقیقت کے مطالعے میں مصروف ہے۔

دیکھنے والے شبلی کی اس حرکت کو وحشت اور سراسیمگی سے تعبیر کرتے اور اُسپر نفرین کرتے ان کو کیا علم ہو سکتا تھا کہ ایک دن یہی دیوانہ اپنی معجز کلامی اور نازک خیالی سے وہ شہرت حاصل کریگا جو اُسکے نام کو زندہ جاوید بنا دے گی۔

شبلی نے خود اپنی چند نظموں میں اپنے نامہربان ہمجولیوں کی شکایت کی ہے اور اپنی اس ابتدائی غنودگی کو عبادت الٰہی کے نام سے یاد کیا ہے۔

"جب میں محض ایک بچہ تھا میں نے بھونوں کو تلاش کیا
اور بہت سے گوش برآواز کرموں، غاروں اور کھنڈروں میں چکر لگائے۔
اور ستاروں سے روشن صحراؤں میں خوفزدہ قافلوں سے چھپا
اس امید میں کہ میں آزاد شدہ روحوں سے مکالمہ کر سکوں
پئے ان زہرآلود ناموں کو پکارا جو ہماری جوانی کی غذا ہیں
کسی نے نہ سنا ——— میں نے ان کو نہ پایا۔

مین زندگی کے انجام کو نہایت غور و خوض سے سوچ رہا تھا اُس شیرین وقت مین
جب آدمی سیان جاتی ہین اور ہر جاندار شے پرندون اور غنچون کی خوشخبری سننے کے لیے
بیدار ہوتی ہے۔

شبلی کسیقدر کشیدہ قامت اور لاغر اندام تھا، اُسکی بڑی اور سیاہ آنکھین ایک غیر معمولی جاذب
نظر دلکشی کا مخزن تھین اُسکے چہرہ پر سادگی اور معصومیت کے نہایت گہرے آثار موجود تھے۔ لیکن وہ
فطرتاً کم سخن تھا۔ جب کبھی وہ جور و ظلم کی کوئی داستان سن لیتا تو جسم غیض و غضب بن جاتا اور
اُسکی شعلہ بار آنکھین خوفناک ہو جاتین۔

باقاعدہ تعلیم سنہ ۱۸۷۴ء مین شبلی انگلستان کے مشہور و معروف اسکول اُیمن مین داخل ہوا۔
لیکن یہان اُسکی زندگی خوشگوار نہ گذری، شبلی فطرتاً سختی اور پابندی کا دشمن تھا اور دنیا کی کوئی
زبردست سے زبردست طاقت اُسکو کسی نظام عمل کا غلام اور دستور کا بندہ نہ بنا سکتی تھی اسکے برخلاف
اُس زمانہ مین درسگاہین ایک تبلیغانہ تھین۔ جہان کھانے پینے، پڑھنے، لکھنے، کھیلنے، کودنے کے لیے
اوقات مقرر تھے۔ اسلیے شبلی کی آزاد منش طبیعت اس کو برداشت نہ کر سکی اُسکی حالت زار ایک
نوگرفتار قفس کی سی تھی جسکی آزادی سلب کر لی گئی ہو۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شبلی درسگاہ کے معمولون
سے برسر پیکار ہو گیا۔ اور یہ بدمزگی کبھی دور نہ ہو سکی۔ افسوس یہ ہے کہ لڑکون مین بھی شبلی ہر دلعزیزی حاصل
نہ کر سکا، وہ ایک رند مشرب لاابالی لڑکا تھا جسکی محبت و نفرت کے جذبات نہایت قوی تھے۔ اور طبیعت
مین مستانہ پن ہونے کی وجہ سے کبھی خنداں اور کبھی نالان رہتا تھا۔ وہ بندۂ محبت تھا پیار اُسکو
رام کر سکتا تھا۔ لیکن درشتی سے اُسکی کوئی اصلاح ممکن نہ تھی۔ اُسکے مزاج مین وحشت کے آثار نمایان
طور سے موجود تھے اور اسلیے اُسکے ساتھی اُسکی محبت سے خوش نہ ہو سکتے تھے۔ اُسکی فہم و فراست بہت
بڑھی ہوئی تھی اور اُسکا تخیل نہایت قوی تھا۔ اسلئے بچون کے کھیل کود مین اُسکو مطلق لطف نہ آتا تھا
لیکن اصطرح الگ تھلگ رہنے کیوجہ سے اُسکے ساتھی اُسپر تنفرت کی نظرین ڈالتے اور اُسکو مشک و حیرت
کی نگاہون سے دیکھتے۔

وہ سائنس کا نہایت دلدادہ تھا اور عمل طبیعات مین پہونچکر اُن عملیات مین غرق ہو جاتا
جو علم کیمیا اور بجلی سے متعلق ہوتے تھے وہ ہمیشہ اُلٹے سیدھے طریقہ کار پر عمل پیرا ہوتا اور یہ محض اتفاق

ہے کہ کسی زہریلی گھاس نے اسکا کام تمام نہ کیا،

اکثر اُسکے ہاتھ گندے کپڑے میلے اور کمرہ ناصاف ہوتا تھا کتابین اور کاپیان ہر پر ادھر اودھر پڑی ہوتین کپڑے کرسیون کے نیچے ایک گٹھری کی صورت مین جمع ہوتے۔ کھانے کے برتن الٹے سیدھے فرش پر گرے ہوتے کمرہ مین داخل ہونیوالا اندر قدم رکھتے ہی یقین کرلیتا کہ مین اُس سرزمین مین پہونچ گیا ہون کہ جہان سلیقہ اور ترتیب معدوم ہین اور جسکا رہنے والا تہذیب اور تمدن سے ناواقف ہے۔ کی [illegible]

اٹین کے دوران قیام مین شبلی کو صرف ایک ایسا دوست اور مربی ملسکا جسکی عظمت اور شرافت کے دلمین بہ اگزین تھی اور جو شبلی کی بالغ نظری اور پوشیدہ اوصاف سے بخوبی واقف تھا۔ اس بزرگ ہستی نے شبلی کو بارہا تسلی وتشفی دی، اور ضرورت کے وقت حوصلہ فزائی بھی کی شبلی ہی اپنے دوست DR LLOYD سے نہایت محبت کرتا، اُسکے مکان پر گھنٹون بیٹھا رہتا۔ اور فلسفہ وسائنس مین درس لیتا اس اتحاد نے ایک دیرپا اور مستحکم صورت اختیار کرلی، اور رفتہ رفتہ ڈاکٹر موصوف شبلی کا معتمد اور رازدار بنگیا شبلی نے بھی اپنے محسن کو آسمان پر چڑھا دیا، اور LOAN AND CYTHNA کی نظم مین اُسکی ذات کو غیر فانی خلعت سے مزین کردیا

اس اثنا مین شبلی ایک دلدوز گرفتار پیچ مخمصہ مین گرفتار ہوگیا اور اُسے ایک ایسے نازک معاملہ سے دوچار ہونا پڑا جسنے اُسکو وصل کی راحت اور فراق کی کلفت سے آشنا کردیا، یعنی وہ ہیریٹ گرو اپنی چچازاد بہن کے دام محبت مین پھنس گیا، گو شبلی کی عمر کم تھی پھر بھی اُسکے جذبات مکمل اور خیالات پختہ اور احساسات نزکی الحس ہو چلے تھے۔ اسکا دل حسن وعشق کے جذبات سے آشنا ہو چکا تھا۔ عرصہ یہ محبت رنگ لائی اور کچھ عرصہ بعد دونون ایک دوسرے کے عاشق زار بنگئے اور اُمید تھی کہ دونون کی شادی جلد ہوجائیگی لیکن شبلی کی حدت طرازیان رجبار ہا اسکی دشمنی کرچکی تھین۔ یہان بھی دشمن نابت ہوین اور جب اس دوشیزہ کو شبلی کے عجیب وغریب خیالات وعقائد کا اندازہ ہوا تو اُسنے اپنے والدین کے مشورے سے اس اتحاد کو ختم کردیا اور شبلی کی محبت کو دل سے نکالدیا۔ اس واقعہ نے شبلی کے دل پر ایک خاص اثر کیا اور وہ مدتون اس حادثہ جانکاہ پر ماتم کرتا رہا کیونکہ ہیریٹ کی محبت کے سہارے اسکے ارمانون کی دنیا آباد تھی۔

شیلی کے عقائد عجیب وغریب تھے۔ اس معاملہ مین وہ اکثر اپنے باپ سے اختلاف کرتا تھا دونون کے خیالات مین زمین وآسمان کا فرق تھا۔ شیلی رحمدل، نیک مزاج اور رسومات کی پابندیون کا دشمن تھا۔ وہ انگلستان کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیون کو دیکھکر مضطرب ہوجاتا اور شب وروز اسی دھن مین لگا رہتا کہ کسی طریقہ سے ملک کا اخلاقی معیار بلند کیا جائے اور سوسائٹی کے دیوتا کو جسکی شبانہ روز پرستش ہوتی تھی شکست دیجائے۔ وہ خدا کو بھی نہ مانتا تھا اور ہر قسم کی دستور العمل سے خواہ مذہبی ہو یا ملکی وہ اپنی ذات کو بلند تر تصور کرتا تھا۔ لیکن اُسکا باپ دقیانوسی خیالات کا پابند تھا وہ اپنے بیٹے کے خیالات اور عقائد سنکر غضبناک ہوجاتا تھا چنانچہ باپ بیٹون مین ہمیشہ اختلاف رہا اور مرتے وقت تک دونون کے تعلقات نہایت کشیدہ رہے۔

شیلی کے زمانہ مین انگلستان کے چپہ چپہ پر حکومت، استبداد اور خود پرستی کا زور شور تھا اور گھر گھر سفاہت مراتب کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ اسلئے زمانہ کے خلاف صرف شیلی ہی ایک ایسا فرد تھا جسنے آزادی کی بنیاد ڈالی اور دنیا کو بتایا کہ ہر طبقہ ہر سوسائٹی اور ہر حیثیت کے افراد ایک ہی حقوق اور ایک ہی پوزیشن کے مالک ہین اور صرف متمول حلقہ ہی انعامات واکرامات کا مستحق نہین ہے! یہ ضرور ہے کہ شیلی کو ان خیالات کی بدولت تمام عمر والدین کی ناراضی مول لینا پڑا اور کئی برس فلاس بھاگتا رہنا پڑے انہین عقائد کیوجہ سے وہ آکسفورڈ سے شہر بدر کیا گیا جہان وہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا لیکن شدید سی شدید تکلیف کی وقت بھی اُسکی پیشانی پر کبھی بل نہین پڑا اور وہ ہمیشہ شاداں وفرحان اپنی مضبوط ضمیر کی تائید مین سرگرم رہا۔

آکسفورڈ کی مردم خیز سرزمین مین شیلی مشکل سے ایک سال رہا ہوگا لیکن وہ کچھ زیادہ خوش نہ تھا اور سوائے ہاگ کے وہ کسی سے بے تکلف نہو سکا جسکے ہمراہ ملکتا پڑھتا۔ سیر وتفریح کرتا اور گفتگو کرتا اس زمانہ مین شیلی فلسفہ کی جانب راغب ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ مین اُسنے یونان اور انگلستان کے نامور فلسفیون کی تصانیف پر عبور حاصل کرلیا بالخصوص افلاطون، بیرکلے لاک۔ ہوم کی تصانیف کو وہ بہت ذوق وشوق سے پڑھتا جنکے مستحکم اثرات اسکے دماغ پر ہمیشہ کیلئے نقش ہوگئے شیلی نہایت محنتی اور جفاکش تھا اور پڑھنے کا بیحد شایق تھا۔ اُسکے

دوست ہاگ کا تو یہ بیان ہے کہ مین نے اپنی عمر مین کسی طالبعلم کو اُس سے زیادہ پڑھتے نہین دیکھا اُسکے ہاتھ سے کتاب کبھی نہ چھوتی۔ بستر پر کھانے کے کمرہ مین سیر کرتے وقت وہ پڑھتا رہتا حتی کہ اُسکے ملنے والے اسکے مطالعہ سے عاجز آجاتے اور اُسپر نفرین کرنے لگتے،

PLATO کی تصانیف اُسنے اوّلاً تراجم کے ذریعہ سے مطالعہ کی تھین لیکن اُسکی دقت پسند طبیعت سیر نہوئی چنانچہ چند سال تک جبتک اصلی زبان مین نہ پڑھ لین اُسے چین نہ آیا۔

کیریکٹر آکسفورڈ مین آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ شبلی نے جوش و خروش کی حالت مین ایک باغیانہ رسالہ لکھ مارا جسکی ایک کاپی بدقسمتی سے دارالعلوم کے اساتذہ کے پاس پہونچ گئی، اور چوبیس گھنٹہ کے اندر وہ دونون دوست ہاگ اور شبلی حدود کالج سے باہر نکالدیئے گئے۔ شبلی کو یہ علم نہ تھا کہ اس رسالے کا یہ اثر ہوگا اور اُسکی آئندہ لٹریری ترقی کو معرض خطر مین ڈالدیگا ورنہ شاید وہ اسکو شائع نہ کرتا۔ بہرحال شبلی کو آکسفورڈ چھوڑنے کا بہت صدمہ ہوا کیونکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ کالج کی پابندیون کے باوجود وہ اپنی پرائیویٹ تعلیم مین خاطرخواہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اپنے دماغ کو اُن علوم و فنون سے مالامال کر رہا ہے جو اور کسی جگہ اس آسانی سے مہیا نہین ہوسکتے۔ اس حادثہ نے اسکی حیات مین ایک اچانک انقلاب پیدا کر دیا اور اُسکے باپ کو ہمیشہ کے لیے اُس سے ناراض کر دیا۔ افسوس ہے کہ شبلی کو اسکے بعد پھر تعلیم حاصل کرنے کا موقع نصیب نہوا۔

پہلی شادی بے یار و بے مددگار یہ دونون دوست لندن مین آکر آباد ہوئے اور پولینڈ اسٹریٹ مین کمرے کرایہ پر لیکر مقیم ہوئے۔ شبلی پر آکسفورڈ چھوڑنے کا گہرا اثر تھا جس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اُس دارالعلوم مین خاطرخواہ ترقی کر رہا تھا۔ لیکن قضا و قدر کے زبردست ہاتھون نے اُسکو وہان سے آن واحد مین نکالکر لندن مین پھینکدیا اور اُسکے ہمدم دیرینہ ہاگ کو بھی جدا کردیا کیونکہ وہ قانونی تعلیم کے لیے بارک چلا گیا۔

شبلی اپنے نئے مکان سے خوش تھا اور کہتا تھا کہ یہ کمرے ہمیشہ کے لیے مین نے منتخب کرلئے ہین۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ اس عزم بالجزم کے باوجود اُسکو صدہا مرتبہ اپنی جائے قیام تبدیل کرنا پڑی اور نئے دانے اور نئے پانی سے دوچار ہونا پڑا تو ہمکو اُسکی غیر مستقل زندگی اور کم مائیگی پر افسوس کرنا پڑتا ہے۔

والدین سے اُسکے تعلقات کبھی صاف نہین ہوئے اور اسی باعث اُسکی حیات مین ایک بیحساب وار بیقراری موجود ہے۔ لیکن شبلی نے زمانہ کی صعوبات خوشی خوشی برداشت کئے اور کبھی لب شکایت وا نہونے دیا ہمکو یہ خیال کرنے کے لیے کافی وجوہ ہین کہ شبلی اپنے باپ سے محض اسلیے ناراض تھا کہ ایک مرتبہ بخار کی شدت مین اُسکو خیال گذرا کہ اُسکا باپ اُسکی سرسامی حالت کی وجہ سے اُسکو پاگل خانے بھیجنے والا ہے حالانکہ اسکی کوئی اصلیت نہ تھی لیکن شبلی کی زبردست تخیل نے اس خیال کو اُسکی نظرون مین عجیب وغریب رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا اور امتداد وقت کے ساتھ ساتھ اسمین پختگی پیدا ہوتی گئی اور دنیا کی کوئی قوت اس خیال باطل کو شبلی کے دماغ سے دُور نہ کرسکی، علاوہ ازین شبلی کے خیالات مین آزادی بدرجہ اتم موجود تھی، اور اُسکی ذات تسلم شدہ حکومت واسارت، رسم ورواج غرض اُن تمام اُمور کی مہلک دشمن تھی جو اُسکے باپ کے ایوان زرین مین خاص وقعت ونظمت کی نگاہون سے دیکھے جاتے تھے کیونکہ وہ خود ایک اعلے خطاب یافتہ رئیس تھا اور دربار شاہی کا ایک نامور اور ممتاز ممبر، شبلی کے خیالات مین شدت اور حدت موجود تھی پھر کوئی صورت نہ تھی کہ باپ بیٹے مین ایک مستقل مصالحت پیدا ہوسکتی، اور آئے دن کی شکر رنجی ہمیشہ کے لیے رفع ہوجاتی۔ اسکا اثر شبلی پر پڑا اور وہ ایک عرصہ تک فقر وفاقہ مین زندگی بسر کرتا رہا چنانچہ آکسفورڈ سے نکالے جانے کے بعد بھی اُسکی آمدنی بند ہوگئی۔ اور اُسکو اپنی بہنون کی نیاضی پر قناعت کرنا پڑی جو اُس زمانہ مین CLAPHAM COMMON مین تعلیم پاتی تھین اور جنکے پاس شبلی اکثر جایا کرتا تھا۔

اسی زمانہ اسکول مین شبلی کی ملاقات ایک سولہ سالہ دوشیزہ سے ہوگئی جو اپنے حسن وجمال مین یکتا شمار کیجاتی تھی اور جو اولین محبوبہ ودلنواز کی ہمنام تھی جس سے وہ محض اپنے پیرانہ خیالات کیوجہ سے شادی نکرسکا تھا اس نازک بدن کا فراد کا نام HARRIET WESTBROOK تھا اور اُسکا سرخ وسفید رنگ، بھوری زلفین، شیرین آواز اور نرم مزاجی شہرہ آفاق تھی، شبلی اکثر اُن سے اسکول مین ملتا اور اُسکے گھر بھی جاتا جہان اُسکی خوب خاطر وتواضع ہوا کرتی تھی۔ اور ہیرئیٹ کی بہن بالخصوص اُسکی آؤبھگت مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتی۔ اس دائرہ مین شبلی نے اپنے نئے خیالات اور عقائد نہایت فصاحت وبلاغت سے بیان کئے اور رفتہ رفتہ ہیرئیٹ کو اپنے

دام مین گرفتار کر لیا، لیکن ایک نئے مذہب کے تازہ ترین پیرو کی طرح اُس بیچاری پر بھی سختی ہونے لگی، اور اُسکے اعزا نے شدید کوشش کی کہ وہ ان مکروہات متعدی سے باز آئے۔ لیکن وہ پختہ کار ثابت ہوئی اور شدائد و مظالم سے مضطرب ہو کر اپنے ہادی و راہبر شبلی کے پاس جا پہونچی جسنے اُسکی رام کہانی سنی اور کمال شفقت و ہمدردی سے آغوش الفت مین لے لیا۔ حالانکہ شبلی شادی کرنے کے لیے طیار نہ تھا، نہ اُسکو ہیریٹ سے بہت زیادہ محبت تھی لیکن محض اس خیال سے کہ وہ ستم رسیدہ ہے مظلوم و بیکس ہے اُسنے اس نازنین کو اپنا شریک زندگی بنالیا۔ اس نا شائستہ حرکت نے شبلی کے باپ کو اور زیادہ برافروختہ کر دیا کیونکہ اُسکی نظرون مین اس سے زیادہ سنگین گناہ کوئی نہ ہو سکتا تھا کہ ایک اعلےٰ سوسائٹی کا نبیرا ایک ارذل عورت کو اپنی بیوی بنائے لیکن شبلی نے اسکی بھی مطلق پروا نہ کی، اور چند ماہ کے بعد اُسکی آمدنی چار سو پونڈ سالانہ کی ہو گئی لیکن اس آمدنی مین بڑا جنجال یہ تھا کہ اُسکا باپ جب چاہتا بند کر دیتا، اسلیے شبلی کو اطمینان اور فارغ البالی کبھی نصیب نہ ہوئی۔

چند روز تردد و تفکرات کے بعد دونون میان بیوی خوش و خرم جاج اسٹریٹ مین اقامت پذیر ہوئے اور شبلی کو آزار محبت کے مزے آنے لگے۔ وہان اُسکا دیرینہ رفیق ہاگ بھی آموجود ہوا جس نے اُنکی خانگی زندگی کی تصویر کھینچی ہے۔ ان کا زیادہ حصہ بہ آواز بلند پڑھنے مین صرف ہوتا تھا اور یہ خوشگوار فرض ہیریٹ کے سپرد تھا۔ کیونکہ اُسکی آواز دلنواز اور اُسکے پھیپھڑے مضبوط تھے۔ اور وہ کبھی خوش نہ ہوتی اگر اُسکو پڑھنے اور اُسپر مباحثہ کرنیکی اجازت نہ دی جاتی تھی۔ شبلی نے اپنی بیوی کو لاطینی زبان پڑھانا شروع کی اور ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ اُسکے سپرد کیا۔ یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دونون زن و شوہر آپسمین نہایت خوش و مسرور رہتے۔ اور اُنکی متحدہ زندگی اور ادبی جدوجہد نہایت قابل رشک تھی۔ ہیریٹ کے مزاج مین صلاحیت سادگی اور شیرینی کل اوصاف موجود تھے۔ اور وہ اپنی ذہنی اور دماغی کمی کے باوجود بھی اپنے نامور شوہر کو خوش کرنے اور تسلی دینے مین کامیاب ہوئی زندگی خوب گذر رہی تھی۔ شبلی اپنی قسمت پر نازان اور مسرور تھا اور ہر ہیریٹ اپنے بخت کو مسعود اور مبارک تصور کرتی تھی۔ اور کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی جو ان کے جام حیات کو زہر آلود کرے۔

اس اثنا مین دو واقعات ایسے رونما ہوے جنسے خوش نصیب شبلی کو نہایت غمگین اور پژمردہ کر دیا اول تو ہاگ نے بداخلاقی پر کمر باندھی اور اُسنے قابل اعتراض حد تک ہیرئیٹ سے بے تکلفی اور نسبت بڑھائی دوم اُسکی بیوی کی بہن آکر خاندان مین شریک ہوگئی حالانکہ اُسکے مزاج مین بدگمانی بدرشمی اور بداطواری کے نمایان آثار موجود تھے!

ان واقعات نے شبلی کے جام مسرت کو زہر غم سے لبریز کر دیا اور وہی فطرت کا پرستار شاعر جو مسرت و طرب کا منشا اور شادمانی و کامرانی کا مولد تھا ہمہ وقت غمگین اور افسردہ نظر آنے لگا۔ یہان ہمکو ولیم گڈون WILLIAM GODWIN کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جسکی ایک سیاہی تصنیف نے شبلی کو ہمیشہ کے لیے اُسکا والہ و شیدا بنالیا چنانچہ آخر الذکر نے ایک طویل خط مین اس تصنیف کی مدح و ستائش کی اور اس نامور ادیب نے درخواست کی کہ آپ میرے سیاسی راہنما اور پیر طریقت بن جائین۔ دوسرے خط مین جو طویل اور مفصل تھا شبلی نے اپنی سیاسی جد و جہد اور خیالات و عقائد قلمبند کئے اور اُس رسالہ کا بھی حوالہ دیا جسنے اس شاعر کو دار العلوم کی مقدس سرزمین مین رسوا کیا اور کشاں کشاں نکال باہر کیا شبلی کے دل مین جوش و خروش۔ قوم کا درد اور درد مین تاثر موجود تھا۔ اُسکا انداز بیان سادہ دلکش اور دل لبھانے والا تھا۔ چنانچہ گاڈون بھی متاثر ہوے بغیر نہ رہ سکا حالانکہ وہ ایک پختہ کار سخت مزاج اور اصول کا پابند ادیب تھا۔ اُس نے شبلی کی درخواست خوشی خوشی قبول کی اور اس ہونہار شاعر سے خط کتابت کرنے لگا۔ اسکے بعد شبلی کا وقت آئرلینڈ کے واقعات اور حالات کے مطالعہ مین صرف ہوا۔ اُسنے چند رسائل اور خطبے بھی لکھے۔ خود بھی ڈبلن گیا اور تقریرین کین لیکن اُسکو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہین ہوئی اسلیے بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا۔

اسکے بعد شبلی کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ وہ دور جو شاعرانہ ترقی کے لحاظ سے قابل یادگار ہے۔ لیکن جو مہ جبین ہیرئیٹ کی طلعت ریزیون سے معرا نظر آتا ہے۔ ہیرئیٹ اب تک شبلی کی جزو زندگی بنی رہی۔ وہ شبلی کے دلکا آرام اُسکی آنکھون کا نور، اور اُسکے قلب کا سرور تھی۔ یہ وہی لیلیٰ وش نازنین تھی جسکے متعلق شبلی ایک غیر فانی نظم مین یون کہتا ہے۔

"وہ کس کی محبت ہے جسکی روشنی دنیا مین
عقارت کے زہر آلود تیرون کو دوست رکھتی ہے؟

وہ کسکی گرما گرم گرمنا کافی ستایش ہے

جسکو ہم صداقت کا شیرین ترین انعام کہہ سکتے ہین؟

کسکی نگاہون کی، اثر سے میری نا امید روح

حسن و خوبی مین کمل ہوتی ہے؟

مین کسکی آنکھون کو فرط محبت سے ٹکٹکی باندھکر دیکھا ہے!

اور بنی نوع انسان سے اور زیادہ محبت کرنے لگا ہون؟

ہیریٹ تیری آنکھین —— تو میرا پاک و صاف دماغ ہے:

تو میرے نغمون کا الہام ہے!!

تیرے ہی یہ حسین پھول ہین

جنکا مین نے گجرا تیار کیا ہے!!!

یہ اُن متعدد نظمون مین سے صرف ایک ہے جنمین شیلی نے اپنی محبت و الفت، عقیدت و انسیت کا اظہار کیا ہے، لیکن فطرت کی یہ ستم ظریفی ایک قابل یادگار کارنامہ ہے کہ دونون جدا ہوتے ہین۔ اور لطف یہ ہے کہ واقعات اسدرجہ پیچیدہ ہوتے چلے گئے۔ کہ مصالحت کی امیدین بعید از قیاس نظر آنے لگین۔ اس مین سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ شیلی کو ہیریٹ کے چال و چلن اور عفت و عصمت مین شک و شبہ ہونے لگا، ادہر یہ ستم رسیدہ نازنین اس غلط فہمی مین مبتلا ہوئی کہ اُسکا شوہر کسی اور کا فرداکے نفاگرہ گیر مین پھنس کر اُسکے ہاتھون سے جاتا رہا۔ چنانچہ ان اوہام باطلہ نے دونون کو جدا کر دیا

شیلی کی بیرخی نے ہیریٹ کے مزاج مین ایک انقلاب پیدا کر دیا، پڑھنا لکھنا اُسنے بند کر دیا۔ علمی مباحث ختم کر دیئے فلسفیانہ مناظرے سے نفرت ہوگئی شیلی کی بے التفاتی نے اسے دل شکستہ بنا دیا تھا لیکن شیلی ایک دوسرے آستان ناز پر سر نیاز جھکانے کی طیاری کر رہا تھا۔

اسے گاڈون کے بکان کو اپنی آرزؤن کا مرکز بنالیا اور اُسکی لڑکیان اور اُنکی سہیلیان اُس آزاد منش شاعر کی ہم جلیس و رفیق بنگین ان تمام واقعات کو اُسنے ایک خط مین یون تحریر کیا ہے۔

مین گذشتہ ماہ سے سنربی ..... کے ہمراہ مقیم ہون مین تنہائی کی کلفت سے

بجکر اُس محبت مین پہونچگیا ہون جہان فلسفہ اور محبت کا اجتماع ہے، اُنہون نے میری خاموش شمع حیات کو از سر نو زندہ کردیا ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ گویا مین بہشت مین ہون جہان کوئی فانی شے نہین۔ میرا دل اُس ناگزیر ضرورت کی خیال سے دردمند ہوجاتا ہے جسکی وجہ سے مجھے اس خوشگوار گھر کے سکوت دامن کو ترک کرنا ہوگا۔

شیلی نے اس امر کی بھی کوشش کی کہ ہیریٹ جو اُس سے جدا ہوکر باتھ Bath مین آباد ہوگئی تھی واپس آجائے لیکن اُسکی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اُس نے خطوط لکھے۔ پیام بھیجے، روپیہ روانہ کیا لیکن ہیریٹ نے کسی صورت سے مراجعت کرنا منظور نہ کی۔ شیلی لندن مین پریشان و سرگردان پھر رہا تھا، اور اُسکی بیوی باتھ مین زندگی کے دن گذار رہی تھی۔ ہم یہ بتا دینا چاہتے ہین کہ شیلی کا رقیق دل اس حادثہ سے بہت متاثر ہوا۔ وہ خوب محسوس کر رہا تھا کہ ہیریٹ نے اپنی زندگی میری ہی وجہ سے معرض خطر مین ڈالی اپنا گھر بار چھوڑا، اعزا و اقربا کو خیرباد کہا اور میرے خیالات و عقائد اختیار کرکے دنیا سے جدا ہوئی۔ بار بار اُسنے چاہا کہ اُسکی بیوی معہ بچے کے واپس آجائے اور اُسکے کلبۂ احزان کو منور و شاداب بنائے لیکن ہیریٹ محسوس کر چکی تھی کہ گاڈوِن کی سترہ سالہ دختر میری نے شیلی کے مملکت دل پر قبضہ کرنا شروع کردیا ہے اور سفر و حضر مین ہمہ وقت اُسکی رفیق و شفیق بنگئی ہے۔ شیلی نے آہ! اپنی بے اعتنائیون سے ہیریٹ کے شیشہ دل کو چور چور کردیا تھا۔ پھر بھی اُس نے ہمیشہ ہیریٹ کے آرام و آسایش کو اپنا فرض جانا اور میری کی محبت کے ساتھ ساتھ وہ ہمیشہ اس نازنین کو یاد کرتا رہا تاہم عمر بھر شیلی اور ہیریٹ مین صفائی نہوئی، اور صفائی ہوتی تو کیونکر ہوتی شیلی کا دل تو میری کا ہو چکا تھا، اور میری ہمیشہ کیلئے شیلی کی شریک حیات بن چکی تھی

انکی کا سفر: ہم پیشتر عرض کر چکے ہین کہ شیلی کی مالی حالت اچھی نہ تھی وہ تمام عمر اپنے باپ کا دست نگر رہا جسنے جب چاہا اُسکی مدد کی، اور جب چاہا ہاتھ روک لیا دونون کے خیالات مین زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اسلیے باہمی تعلقات تقریباً ہمیشہ کشیدہ رہے۔ اور اکثر شیلی کو مالی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسکے علاوہ اسکی داد و دہش کی کوئی حد نہ تھی نہ صرف غربا کو بلکہ اُسکے احباب تک اُسکے مرہون کرم تھے اور وہ ہر شخص کی مدد کو بلا تکلف تیار ہوجاتا تھا۔ فی الحال اُسکی

آمدنی ایکہزار پونڈ سالانہ تھی جنمین سے دو سو اسکی اولاد کی تعلیم و تربیت کی غرض سے علیحدہ کر لیے جاتے تھے - بہرحال لندن اور اسکی آب و ہوا سے اُسکی طبیعت سیر ہو چکی تھی - والدین اور گھر سے اُسکو کبھی رغبت نہ ہوئی ہیرئیٹ کی خودکشی نے اُسکو از حد سراسیمہ کر دیا اُسکی یہ خواہش کہ اُسکی اولاد اُسکو واپس ملجائے عدالت نے مسترد کر دی اُسکی صحت بھی خراب ہونے لگی اور مرض دق کے آثار نمایاں ہونے لگے جو اب تک دبے ہوئے تھے ان ناکامیون کے بعد وہ دل برداشتہ ہو کر عازم سفر ہوا اور پیاری میری کو لیکر اٹلی کی جانب چلدیا اور پھر کبھی اُسکو ساحل انگلستان پر گامزن ہونے کی عزت حاصل نہوئی -

دونون میان بی بی سیدھے میلن پہنچے اور کوما، پیاوا دیگر جھیلون کے فطرفریب مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پلیس مین قیام پذیر ہوئے - اس سفر نے شیلی کے حق مین مسیحائی کی نہ صرف اُسکو جسمانی فائدہ پہنچا بلکہ اُسکے خفتہ احساسات شاعرانہ کو بیدار کر دیا اور اُسکے قلب حزین کو ان نمون سے معمور کر دیا جو انگریزی لٹریچر کی جان اور انگلستان کا بہترین خزانہ ہین - ابتک اسنے محض سیاسی تحریرین قلمبند کی تھین اور ایک دو غیر معروف نظمین بھی کہی تھین لیکن اٹلی کے دوران قیام مین اُسنے جو کچھ کہا وہ اختراع فائقہ کا درجہ رکھتا ہے - اور خاص قدر و منزلت کا مستحق ہے - وسط اگست مین شیلی اپنی بیوی کو خیرباد کہکر لارڈ بائرن سے ملنے وینس گیا - لیکن راستہ مین ایک سخت طوفان نے اُسے گھیر لیا - بہرحال افتان و خیزان وہ بائرن کے پاس پہونچا راہ مین یہ بلند پایہ نظم کہی، جسکے چند بند ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہین

غروب آفتاب کسقدر حسین و دلکش ہے کہ آسمان کی ضیا

تیری ارض مطہر پر گرتی ہے :

اٹلی ! تو جلاد طنن کی بہشت ہے

تیرے پہاڑ تیرے سمندر، تیری انگور کی بیلین اور بلند برج

جو شہرون کو محیط کئے ہوئے ہین ! ہمارا کام یہ ہے

کہ ہم کھڑے ہو کر ان کا مطالعہ کرین !

تبھی اتنکہ روشنی دھیمی ہو

میرے ساتھی نے کہا" مین تمکو اس سے بہتر مقام دکھاؤن گا۔

پس بلندی پر ہم چڑھے، اور وہان سے مین جھکا

مین نے ایک شہر دیکھا اور اندازہ کر سکا

کہ شام کی روشنی مین بہت سے جزائر سے کلیسا اور عمارتین (محلات)

ایک سحر آمیز دام معلوم ہوتی ہین، جو آسمان تک بلند ہو گیا ہے

دونون شاعر ایک دوسرے سے اکثر ملے لیکن افسوس ہے کہ دونون مین دوستانہ اتحاد قائم نہو سکا دونون کے عقائد تقریبًا مشابہ تھے اور خیالات عامہ کے منافی، دونون وطن سے فرار ہو کر ایک غیر ملک مین امن و آسایش کی زندگی بسر کرنے آئے تھے، لیکن بائرن کے تباہ کن خیال بربادی پر کمربستہ تھے اور وہ چاہتا تھا کہ سوسائٹی کی رسومات کو آن واحد مین بیخ و بن سے اکھاڑ دے وہ خود غرض، مغرور، خود سر اور سخت مزاج تھا۔ اسکے برخلاف شیلی کے دلمین رحم و کرم کی قوی لہر موجود تھی وہ لوگون کی دماغی اور اخلاقی پستی پر کف افسوس ملتا لیکن نا امید نہ ہوتا وہ جانتا تھا کہ بیری فضاحت و بلاغت ایک بڑی حد تک دنیا کو زیر و زبر کر سکتی ہے حالانکہ آئرلینڈ کی جد و جہد مین اسنے دماغی ناکامی اٹھائی پھر بھی اسکے مزاج مین سادگی، اصلاحیت اور نرمی موجود تھی، اسنے بائرن کی شاعری کو پڑھا اور نقائص کے باوجود خوب دل کھولکر اسکی مدح و ستایش کی اور ہر ممکن طریقہ سے اس فخر گو شاعر کی حوصلہ افزائی کرنا اپنا فرض جانا جسکا اثر یہ ہوا کہ بائرن کے کلام مین بلندی اور صفائی ظاہر ہونے لگی، اس دوران مین شیلی برابر اپنے احباب بالخصوص پی کاک کو خطوط لکھتا رہا اور سرزمین مقدس کے دلفریب مناظر کے نقشے کھینچتا رہا اسکا انداز بیان نہایت بے تکلف اور روان ہے اور وہ خطوط انگریزی نثر کا الگ گرانمایہ خزانہ تصور کئے جاتے ہین۔ ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑون کی بلندی۔ وادیون کی گہرائی مین اور جھیلون کے کنارے وہ شب و روز گھومتا اور فرط مسرت سے باغ باغ ہو جاتا۔ میری اسکے ہمراہ تھی اور کائنات کی کوئی ایسی مرغوب شے نہ تھی جو اسے میسر نہو۔ یعنی غنچہ دہن معشوق، مئے ناب جوئے آب، مرغزار، اور پہاڑون کی بلندی، ایسے ماحول مین رہ کر ایک غیر شاعر شاعر بن سکتا ہے اور اگر فطرت ہی نے کسیکو شاعری کے لیے تخلیق کیا ہو تو اسکی بلند پروازی حیرت انگیز ہوگی!

ذیل مین دو نظمین شبلی کی درج کیجاتی ہین جن سے اُسکی بلند پروازی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

"رات"

اے روحِ شب!
مغربی سمندر پر جلد چلی جا
مشرقی تاریک غار سے باہر —
جہان تمام دن تو تنہا بیٹھکر
خوشی اور خوف کے خواب تیار کرتی ہے
جسکی وجہ سے تو خوفناک بھی سمجھی جاتی ہے، اور عزیز بھی۔
کاش تیری پرواز تیز تر ہو!

اپنے جسم کو ایک سفید لبادے مین لپیٹ لے
جسمین ستارے ٹکے ہون
اپنی زلفون سے دن کی آنکھین تاریک کردے،
اور اُسکو اسقدر پیار کرکہ وہ تھک جائے
بعد ازان شہر سمندر اور ملک پر چہل قدمی کر
اور ہر شے کو اپنی طلسمی لکڑی سے مس کرتی جا
آ! اے مرکزِ جنبو!!

جب مین بیدار ہوا، اور مین نے نورِ سحر دیکھا، مینے تیرے فراق مین آہ وزاری کی
جب روشنی زیادہ پھیلی، اور شبنم خشک ہوگئی
اور درختون اور پھولون پر دوپہر کا بار گران آپہونچا
اور تھکا ہوا دن آرام کیلئے چلا
ایک ناخواندہ مہمان کی طرح پھرتا ہوا
مین نے تیری وجہ سے آہ وزاری کی!

ایڈونس

خاموش! خاموش!! وہ موت نہیں ہوا، نہ وہ سویا،
وہ صرف خواب زیست سے بیدار ہوا ہے!
ہم ہی تو طوفان خیز تصورات میں گمراہ ہو کر
توہمات سے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ قائم کر لیتے ہیں!
اور وحشت و سراسیمگی کی حالت میں اپنے روح کے خنجر سے
اُن اشیا کو مجروح کرتے ہیں جو زخم پذیر نہیں ہیں
ہم ایک تہ خانہ کی نقش کی طرح تباہ ہونے لگتے ہیں
خوف اور رنج ہمکو برباد کرتے ہیں، اور ہم روز بروز فنا ہوتے جاتے ہیں
اور سرد اُمیدوں کیڑوں کی طرح ہماری جاندار گل پر قابض ہو جاتی ہیں

وہ زندہ ہے۔ وہ جاگ رہا ہے، اُسکو موت نہیں آئی بلکہ خود موت فنا ہو چکی،
ایڈونس کے لیے ماتم نہ کرو۔ . . . تو چھوٹے شجر!
اپنی تمام شبنم شان و شوکت میں تبدیلی کر دے
کیونکہ وہ روح جسکا تو ماتم دار ہے تجھ سے جدا نہیں ہوئی ہے!
تم جنگلو، غارو! آہ و زاری بند کرو۔
پھولوں اور فواروں کو آہ و بکا ختم کر دینا چاہیے۔
اور تو ہوا! جسنے غمزدہ دنیا پر ایک ماتم کی چادر بچھا دی ہے
اب اُسے اُٹھا لے،
ہشاش بشاش سناٹے بھی اُسکے پاس پر خندہ زن ہیں

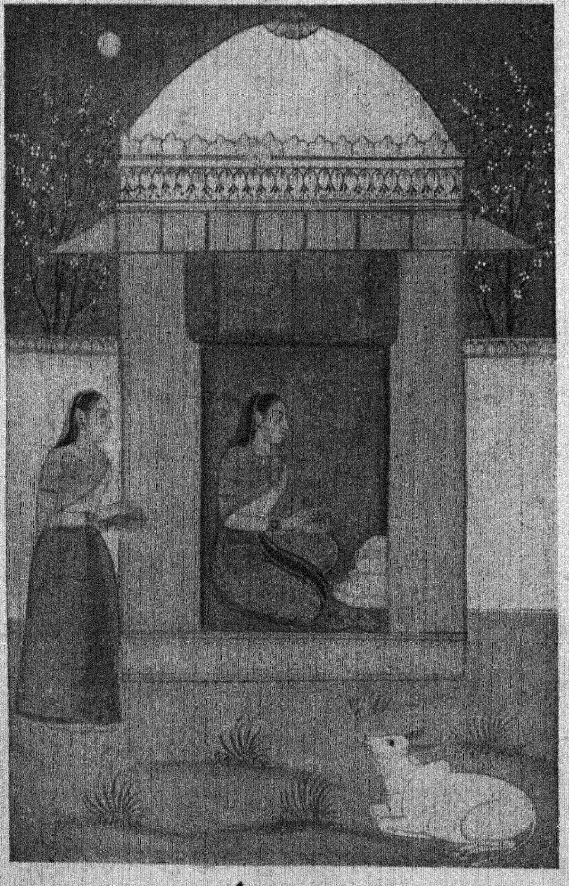
وہ فطرت میں جذب ہو گیا ہے، اور اُسکی آواز
فطرت کی ہر سانس میں سنائی دیتی ہے،

بجلی کی گرج سے لیکر رات کے شیرین پرند کے نغمہ تک —
اُسکی موجودگی محسوس کیجا سکتی ہے، اور شناخت کی جا سکتی ہے
تاریکی مین، روشنی مین، جڑی بوٹی اور پتھر سے
جو چاروں طرف پھیلے ہوئے ہین یہان اُسس
طاقت کا دائرہ عمل ہے اور جسنے اُسکے وجود کو
اپنی ذات مین جذب کر لیا ہے —
جو دنیا مین نہ تھکنے والی محبت بھسلاتا ہے۔
اور نیچے سے تقویت پہونچاتا ہے، اور اوپر سے روشنی دیتا ہے

اٹلی مین شبلی کے احباب کا دائرہ نہایت مختصر تھا، اسلئے اُسنے اپنا وقت مطالعہ مین صرف کرنا شروع کر دیا، اُسنے اٹلی کے نامور شعرا کی تصانیف بغور پڑھین تھین اسلیے شخص کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا لیکن اسکے ساتھ ساتھ وہ یونانی لٹریچر کا بھی مطالعہ کرتا رہا۔ ہومر کی شاعری نے اسے مخمور کر دیا وہ الیڈ کو وہ بار بار پڑھتا اور پھر بھی تشنہ کام رہتا اُسنے ہسپانوی زبان بھی سیکھی اور اُس سرزمین مین نامور شعرا اور ادبا کے کلام سے بہرہ اندوز ہوا۔

لیکن ان تمام امور کے باوجود وہ اس غلط فہمی مین مبتلا تھا کہ اُسکا دماغ فلسفہ اور سیاست کے لیے زیادہ موزون ہے اس قسم کے جسقدر مضامین شبلی نے لکھے وہ ہمارے سامنے موجود ہین جنمین اکثر و بیشتر ناتمام اور غیر مکمل ہین اور اُنمین کوئی علامت موجود نہین جس سے یہ خیال ہو سکے کہ شبلی شاعری کے لئے نہین پیدا کیا گیا تھا۔ بلکہ غلطی سے وہ اس وادی مین داخل ہو گیا، ۲۶ جولائی ۱۸۹۹ء کو اُسنے ایک خط اپنے دوست پی کاک کو لکھا۔ جسمین وہ کہتا ہے "مین اپنی شاعری کو اخلاقی اور سیاسی علوم سے بہت کمتر سمجھتا ہون۔ اگر مین اچھا ہوتا تو آخر الذکر موضوع کی جانب متوجہ ہوتا۔ مین ایک ایسی تصنیف دنیا کے روبرو پیش کرتا جسمین تمام زمانہ کے انکشافات تلمبند ہوتے اور اُن مذاہب کا ایک ایسا خوشگوار مجموعہ ہوتا جو ابتک دنیا پر حکمران رہے ہین"

۱۸۱۹ء کے موسم بہار مین شیلی روم مین مقیم ہوا اور PROMETHEUS UNBOUND کی تصنیف مین مشغول ہوگیا وہ صبح کو آبادی سے دور چلا جاتا اور کسی گھنے درخت کے سایہ مین بانکھنڈ مین پہونچکر مصروف کار ہوجاتا لیکن افسوس ہے کہ روم کی آب وہوا راس نہ آئی، شیلی کا لڑکا ولیم جو اپنے والدین کے لیے تنہا ذریعہ مسرت وشادمانی تھا، اور جسکی وجہ سے وہ اس کے مکان مین چہل پہل رہتی تھی فوت ہوگیا۔ شیلی اُس سے بہت محبت کرتا تھا اور اُسکی دوامی جدائی کا صدمہ اُسکا نازک دل نہ اُٹھا سکا چنانچہ روم سے یہ دونون میان بیوی چلے گئے اور لیگ ہارن مین آکر مقیم ہوئے تبادلۂ مناظر کے باوجود شیلی نہایت مغموم اور پریشان رہتا تھا۔ اسلئے اُس نے ایک نظم لکھنا شروع کردی" THE CENCI " جو اپنی نوعیت مین نہایت ممتاز اور قابل قدر ہے۔ یہ نظم بھی گو یا عطیۂ فطرت ہے یہان بھی شیلی کا جی نہ بہلا اسلیے اسکو فلورنس مین آکر آباد ہونا پڑا اور اسی مقام پر اُسکا لڑکا پیدا ہوا، جو موروثی جائداد اور خطابات کا مالک ہو۔ شیلی کا بہترین دبی کارنامہ جو اُسکی عالمگیر شہرت کا سبب ہوا یہی نظم PROMETHEUS UNBOUND تھی جو فلورنس مین حد تکمیل کو پہونچی اور بعد ازان دنیا کے سامنے پیش کیگئی۔ شیلی کے شاعرانہ جذبات مشتعل ہوچکے تھے۔ اُسکے لطیف محسوسات مین ارتعاش پیدا ہوگیا تھا۔ اسلئے شاعری کے اس دور مین شیلی نے صدہا نظمین لکھین۔ اور مستند نقادان سخن سے تعریف وتوصیف کے صدہا پھول حاصل کئے، THE CENCI اور PROMETHEUS UNBOUND کو ایک ہی سلسلہ اور ایک ہی سال مین لکھنا شیلی کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ یہ دونون نظمین نہایت بلند پایہ اور نہایت پُر مغز ہین بلکہ اس سبب سے کہ دونون ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہین اور دونون کا میدان بالکل جُدا جُدا ہے شیلی کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا ان سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر" PROMETHEUS مین نیکی وبدی، آزادی، جفاکاری کا ذکر ہے تو CENCI مین صبر وقناعت اور جسم پر وباری کا بیج تیار کیا ہے اگر اول الذکر مین شاعری کا ایک زبردست نقشہ طیار کرکر شاندار صورتین بنائی گئی ہین تو آخر الذکر مین اخلاقیات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور ایک ڈرامے کی صورت مین ہیرس کی دلآویز کہانی پیش کی گئی ہے۔



بھیرویں راگنی

موت | شبلی کا آخری مستقل قیام پٹیا میں ہوا تھا جسکی خوشگوار آب وہوا نے اس عزیز فانی شاعر کے دماغ میں روشنی پیدا کر دی تھی، اور جہاں وہ خوش خوش زندگی کے دن گذار رہا تھا لیکن ماہ اپریل میں موسم گرما کی ناقابل برداشت گرمی شروع ہوئی تو مجبوراً اس جائے قیام کو ترک کرنا پڑا۔ سمندر کے کنارہ پر ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا گیا جو ایک زمانہ میں گودام تھا لیکن جس میں اب دنیا کا ایک زبردست شاعر اپنے چند مخصوص اور عزیز دوستوں کے ساتھ رہتا۔ طرز معاشرت نہایت سادہ تھا اور اس امر کی کوشش کیگئی تھی کہ جسقدر ممکن ہو سکے مختصر سامان مہیا کیا جائے شبلی یہاں یکم مئی کو آیا اور ۲۰ جولائی تک رہکر ملک جاودانی کو سدھارا، لیکن یہ مختصر عرصہ اُسکی زندگی کا بہترین دور ہیں، اسی زمانہ میں وہ تفکرات اور تردوات سے دور رہا اور اُس مسرت انگیز ایام کا مالک تھا جو مسرت وشادمانی سے لبریز اور فرحت وکامرانی سے مملو تھے۔ بچپن سے وہ سمندر کا ایک سچا عاشق تھا۔ اور یہ اُسکی انتہائی مسرت تھی کہ یہ مکان ساحل پر واقع تھا۔ اور شبلی جب چاہتا اور جس عنوان سے چاہتا اس سمندر سے لطف اندوز ہو سکتا۔ وہ دنیا کی مکروہات سے بہت دور تھا۔ اُس کا حسین ماحول اپنی دلکشی اور دلربائی میں اپنی خود آپ نظیر تھا۔ وہ ایسی آبادی میں ہو جو تھا جو فطرت سے نزدیک اور تہذیب سے دور تھی، اُسکے احباب خندہ رو اور خوش مزاج تھے۔ وہ ان اُمور پر قادر تھا۔ اور دنیا کے بڑے سے بڑے خزانہ کے عوض وہ اس زندگی کو فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن چند ہی روز میں آسمان نے ایک خوفناک صورت اختیار کرلی۔ خوف اور پریشانی کی سیاہ گھٹائیں افق پر نمودار ہونے لگیں، اور چاروں طرف سے ناامیدی کی ہی بڑھنے لگی۔ شبلی اس قابل نہ تھا کہ وہ اعلیٰ کی شدت گرما برداشت کر سکتا اُسکا دماغ پریشان رہنے لگا، اور قلب متوحش رہتا۔ نیند بھی بہت کم آتی تھی۔ اُسکے دو دوستوں پر بھی کچھ ناقابل فہم پژمردگی طاری ہونے لگی۔ اور ہر دفعہ مکھوپادھیائے موت کی تصویر بھرنے لگی، ایکدن شبلی اور وحید دونوں کی ہنٹ سے ملکر واپس ہوئے اور اپنی مختصر سی کشتی میں بیٹھکر دہانے چل پڑے راستہ میں دن چھپا اور ایک سخت طوفان کے ساتھ رات کا دور دورہ شروع ہوا آخر موت کے آہنی ہاتھوں نے ان دونوں دوستوں کو بستر مرگ پر لٹا دیا۔ بہت تلاش اور جستجو کے بعد دونوں لاشیں تہ آب سے برآمد ہوئیں

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ | تماشائی - بی۔ اے علیگ

بھاشا اور اُسکے نورتن

(۴)

(کیشوداس)

بھاشا شاعری کے مسلم الثبوت اُستاد دن مین سوُرداس اور تلسی داس کے بعد کیشوداس کا درجہ ہے، انکا سال ولادت بھی غیر محقق ہے، مصنف ہندی نورتن کا قیاس ہے کہ یہ ۱۵۵۲ء مین پیدا ہوے لیکن کثرت آرا کا فتوے ہے کہ کیشوداس کی پیدائش ۱۵۵۵ء مین ہوئی انہون نے عمر بھر مین صرف پانچ کتابین تصنیف کی ہین جس سے پتہ چلتا ہے کہ میدان تصنیف مین انکی رفتار سست تھی سب سے پہلے انھون نے ۱۵۹۲ء مین۔ رسک پریا تصنیف کی۔ ان کے خاندانی حالات کا بہت کچھ پتہ "کوی پریا" سے چلتا ہے، جو انہین کی تصنیف کردہ ہے،

ان کے والد کا نام کاشی ناتھ اور وطن اور چھا ہے لڑکپن ہی سے ذہین اور طباع تھے سنسکرت پر ان کو پورا عبور حاصل تھا اندرجیت سنگھ والی اورچھا کے یہان انکی بڑی قدر و منزلت تھی "رسک پریا" کی تصنیف اندرجیت سنگھ کی فرمائش سے ہوئی اس تصنیف سے انکی عزت مین اور چار چاند لگ گئے۔

اندرجیت سنگھ کے دربار مین رائے پروین نامی ایک طوائف تھی اسکی خوبصورتی اور گانے کی تعریف سنکر شہنشاہ اکبر نے اسکو بلوا بھیجا مگر رائے پروین نے اندرجیت سے منت و سماجت کی کہ وہ نہ بھیجی جائے اندرجیت سنگھ نے جو اسپر خود فریفتہ تھا اسکو نہ جانے دیا۔ اکبر کو یہ بات ناگوار گذری اور اندرجیت سنگھ پر ایک کروڑ روپیہ جرمانہ کر دیا۔ اندرجیت سنگھ بہت پریشان ہوا۔ اور کیشوداس سے کہا کہ کسی صورت سے جرمانہ معاف ہو جائے تو اچھا ہے، چنانچہ کیشوداس بیربل کے یہان گئے اور یہ چھند پڑھا۔

पावक पंछी पसू नर मंदी नद लोक रचे दस चारी
پاوک پنچھی پسو نر ندی ندلوک رچے دس چاری

केसव देव अदेव रचे मद देव रचे रचना न निवारी
کیشو دیو ادیو رچے رچنا نہ واری

के वर बीर बली वर को सुभयो कृतकृत्य भई व्रत धारी
کے ور بیر بلی ور کو سوبھیو کرت کرتیہ بھانی وربت دھاری

दै करतापन आपन ताहि दियो करतार दुखे करतारी
دے کرتا پن آپن تا ہی دیو کرتا ردوکھ کرتا ری

یعنے برہما نے آگ چڑیا، جانور، آدمی سمندر چودہ لوک کی کشش دیوتا، راجا غرض تمام دنیا کی چیزین بنائین مگر آسودگی نہوئی اسلیے اُس نے بیربل کو سب سے بہادر بنایا اور اُسکو اپنا کرتا پن دیکر آسودہ ہوا اور مارے خوشی کے تالیان بجا دین۔

اس چھند کو سنکر بیربل اتنا زیادہ خوش ہوا کہ ایک کروڑ کا جرمانہ ہی معاف نہین کرایا بلکہ لاکھ روپے کی ہنڈی جو جیب مین پڑی تھی دے ڈالا۔ کیشو داس نے برجستہ شکریہ مین حسب ذیل چھند پڑھا۔

केसव दास के भाल लिख्यो बिधि रंक को अंक बनाय सँवारयो
کیشو داس کے بھال لکھیو بدھ انک کو انک بنائے سنواریو

छोड़े छुट्यो नहिं धोये धुयो बहु तीरथ के जल जाय पखारयो
چھوڑے چھوٹیو نہین دھوئے دھویو بہو تیرتھ کے جل جائے پکھاریو

है गयो रंक ते राव नहीं जब बीर बली बल ओर निहारयो
ہے گیو رنگ تے راو نہین جب بیربلی بل سیر نہاریو

भूलि गयो जग की रचना चतुरानन नाथ रह्यो सुख चाखो
بھول گیو جگ کی رچنا چترانن ناتھ رہیو سکھ چاکھو

یعنی کیشو داس کی تقدیر مین برہما نے فلاکت کو اچھے حرفون مین لکھا تھا جو نہ چھڑانے سے چھٹ سکتا تھا نہ تیرتھ کے پانی سے دھونے سے دھل سکتا تھا۔ کیشو داس اُسیوقت فقیر سے راجا ہوگئے جبکہ

بہادر بیربل نے نگاہ کرم کی برسوا اس تعجب کی بات کو دیکھکر ایسی حیرت مین پڑے کہ دنیا کے بنانے کو بھول گئے۔

اس چھند پر بیربل اور زیادہ خوش ہوا اور کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو مانگو کیشو داس نے بیربل کے دربار مین بلا روک ٹوک آنے کی درخواست کی جو منظور کرلی گئی۔

جرمانہ کی معافی کے بعد راجہ اندرجیت سنگھ کے دربار مین کیشو داس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ اور چند مواضعات جاگیر مین دیئے گئے ایک مرتبہ اندرجیت سنگھ نے گنگا مین کھڑے ہوکر یہ کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو مانگو مگر انہون نے محض اسی قدر مانگا کہ آپ ہمارے ساتھ ایک ہی طرح تباہ دیجئے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ انکو طبع زر نہین تھی وہ اندرجیت سنگھ اور بیربل اور امر سنگھ کی بہت مداح تھے۔ بڑھاپے مین بھی طبیعت کی اُمنگ نہین گئی تھی ایک موقع پر اپنے سفید بالون پر افسوس کرتے ہین۔

केसव केसन असकरी जस अरिहूँ न कराहिं — کیسو کیس اُس کری جس آپ ہوی نہ کراہین
चन्द्र बदन मृग लोचनी बाबा कहि २ जाहिं — چندر بدن مرگ لوچنی بابا کہہ کہہ جائین

کیشو داس نے فرماتے ہین کہ ہمارے بالون نے سفید ہوکر ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے جیسا دشمن بھی نہین کرسکتے کیا یہ قابل برداشت بات ہے کہ ماہتاب ایسا چہرہ رکھنے والی اور ہرن کی سی آنکھ رکھنے والی حسین عورتین بابا کہہ کر چلی جاتی ہین۔

آپ کی تصنیفات مین "کوی پریا" "رام چندرکا" "بگیان گیتا" "نورس برن" زیادہ مشہور ہین آپ نے سمت ۱۶۶۴ مین اس جہان فانی عالم جاودانی کی راہ لی۔

کلام پر ایک نظر جس طرح تلسی داس نے چرتر مانس (رامائن) لکھی ہے اُسیطرح آپنے بھی رامچندر کا لکھی ہے فرق یہ ہے کہ انہون نے لڑکپن کا حال بالکل نہین لکھا ہے۔

تلسی داس یا اور رامچندر جی کا حال لکھنے والون نے بھیکن کی بڑی تعریف کین ہین مگر اُن کے نقص کیطرف کسی نے بھی خیال نہین دوڑایا اسکو کیشو داس نے "کو" کی زبان سے یون ادا کرادیا ہے،

ज्यों विभीषण रण दूषणा ÷ एक तुही कुल का कुरुक भूषणा
او بھیکن تو رن دوشن ÷ ایک تو ہی کُل کو کُل بھوشن

जुधि जुरे जे भले भये जीके शत्रुहि आय मिले तुम नीके
جو جہ جُورے جے بھلے بھئے جی کے : شترو ہی آئے سے تم نیکے

देव अचू जबहीं हरि लायो : क्यों तबहीं तजि ताहि न आयो
دیو بدھو جب ہی ہر لایو : کیون تبہی تجے تا ہی نہ آیو

यों अपने जिय के उर आयो छुद्र सबै कुल छिद्र बताये
یون اپنے جی کے اُر آئے : چھودر سبے کل چھدر بتائے

जेठो भैया अन्नदा राजा पिता समान
جیٹھو بھیا انّ دا راجا پتا سمان

ताको तैं पतिनी करी पति नी मात समान
تاکو تے پتنی کری پتنی مات سمان

को जानै के बारतू कहि न है है माय
کو جانے کے بار تو کہی نہ ہوے ہے مائے

सोतैने पतिनी करी सुनु पापिन के राय
سوتے نے پتنی کری سن پاپن کے رائے

یہ اُسوقت کا تذکرہ ہے جب جگ کا گھوڑا باندھ لینے پر رامچندر جی کی فوج اور لوا در کش سے مقابلہ ہوا تھا تمام فوج ہار چکی ہے اب بھیکن مقابلہ کے لئے آئے ہین ہاتھون مین تیر اُٹھائے ہوئے سامنے دیکھکر کہتے ہین آؤ بھیکن مقابلہ کرو مگر میری دانست مین تو لڑائی کے لیے باعث ننگ ہے تیرا کیا کہنا ہے تو اپنے خاندان کا زیور یعنی سب سے افضل ہے جو لوگ تیرے خاندان کے لڑائی مین مرکر گئے ان کو دیکھکر تو خوش ہوا کیونکہ تو اپنے بھائی (راون) کے دشمن رامچندر سے آکر ملگیا۔ اگر تو اس خیال سے ملا کہ تیرے بھائی نے سیتا جی کے دینے سے انکار کیا ہے اور چُرا کر لے آیا ہے، تو تو اسی وقت کیون نہ چلا آیا جب راون لے گیا تھا۔ ارے نکما تیری طبیعت مین جو کچھ آیا کیا حقیقت یہ ہے کہ تو خود بڑا رذیل خصلت ہے۔ تو نے بڑے بھائی کی بیوی سے شادی کر لی ہے "آہ" اے ظالم کیا تجھے نہین معلوم کہ بڑا بھائی واجب الملک باپ کے سب برابر درجہ رکھتے ہین نہین معلوم تو نے کتنی دفعہ اسکو مان کہا ہوگا مگر افسوس اس سے شادی کرنے مین تجھے شرم نہ آئی۔

حقیقت یہ ہے کہ کیشو داس نے اس موقع پر بڑی جسارت اور انصاف سے کام لیا ہے اور رامائن لکھنے والون نے محض بھگتی کا تذکرہ کرتے ہوئے بھیکن کو آسمان پر پہنچا دیا ہے مگر ایک نقاد اور مصنف کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونون پہلوؤن کو روشن کرے یہ نقص تقریباً ہر رامائن

لکھنے والوں میں موجود ہے مگر ہم اس نقص سے "رام چندر کا" کو الگ پاتے ہیں۔

منظوم افسانہ نویسی کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ چوپائی اور دوہے کے ذریعہ سے بیان کیا جاتا ہے جیسا تلسی داس نے رامائن میں کیا ہے مگر کیشو داس نے مختلف چھندوں کے ذریعہ سے ادائے مطلب کیا ہے اسطریقہ کا مخترع آپ ہی کو کہنا چاہیئے۔

عکاسی فطرت اور جذبات کے لحاظ سے تلسی داس اور کیشو داس دونوں برابر ہیں فرق اتنا ہی ہے کہ تلسی داس بھگت بھی تھے اور یہ صرف شاعر تلسی داس کی نظم میں آمد ہے تو۔ ان کی نظم میں آورد۔ محاسن شاعری میں کیشو داس کا نمبر کچھ زیادہ پیچھے نہیں ہے پر ان کی زبان برج بھاشا ہے مگر بندیلکھنڈی زبان کے اثر سے غیر محفوظ نہیں سنسکرت کے الفاظ بمقابلہ تلسی داس جی کے زیادہ پائے جاتے ہیں؛ سلاست بیان میں تلسی جی کا نمبر کہیں بڑھا ہوا ہے کیشو داس کی شاعری مشکل ہے بعض بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہیں کہ مطالب سمجھنے میں دقت پیش آجاتی ہے تلسی داس اور کیشو داس کے مقابلہ میں مصنف ہندی نورتن کا فیصلہ مان لینے کے قابل ہے کہ اگر تلسی داس جی بھاشا کے شکسپیر ہیں تو کیشو داس ملٹن اس مختصر گزارش کے بعد ہم ناظرین کے تفنن طبع کے لیے نمونہ کلام پیش کرتے ہیں۔

نمونہ کلام دھنش بھنگ کے موقع پر رامچندر جی کی موجودگی سے جو خوبصورتی پیدا ہو گئی ہے اسکو رام چندر کا میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

शोभित मंचन श्री अवली गजदंत मई छवि उज्वलताई
दीप मनोहर सुधा में सुधारि सुधा धर मंडल मंडि जोन्हाई
तामें कोसव दास विराजत राज कुमार सबै सुखदाई
देवन सों जनु देव सभा सुभ सोभ स्वयम्बर देखन आई

شوبھت منچن شری اوالی گج دنت مئی چھبی اوجل جھائی
دیپ منوہر سدھا میں سدھارے سدھا دھر منڈل منڈی جونہائی
تامیں کیشو داس براجت راجکمار سبے سکھدائی
دیون سون جنو دیو سبھا شبھ سوبھ سوئمبر دیکھن آئی

ہاتھی دانت کی سفید سفید چوکیوں سے تمام اُجالا چھایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایشور نے زمین ہی میں چاندنی سے سان کر چند منڈل بنایا ہے کیشو داس کہتے ہیں کہ اُس منڈل میں ہر قسم کے آرام دینے والے راجکمار اسطرح خوبصورتی پیدا کر رہے ہیں جیسے دیوتاؤں کی سبھا سیتا جی کا سوئمبر دیکھنے آئی ہو۔ اسی موقع پر کٹھ پتلی کے ناچ کا اسطرح خاکہ کھینچتے ہیں۔

नवति मंच पंचालिका कर संकलित अपार

ناچت ہے جنو نرپت کی چت برت سوکمار
کٹھ پتلیان چوکیون کے اُوپر طرح طرح کے اشارے کرکے اسطرح ناچتی ہین کہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح راجہ جنک کے دل کے نازک جذبات ناچتے ہون۔
جسوقت دھنش کسی سے نہ اُٹھا اور سبکے سب خفیف ہوکر رہ گئے اُس موقع پر فرماتے ہین۔

दिक पालन की भुव पालन की लोक पालन हू की नमातु गद्यै
دکپالن کی بھوپالن کی لوک پالن ہو کی نہ ات گئی چوڑے

भांड भये उठि आपनते कहि केशव शंभु शरासन को है
بھانڈ بھئے اٹھی آپن تے کہی کیشو شمبھو شراسن کو ہوئے

काहु चढ़ायो न काहु नवायो न काहु उठायो न अंगुर हू है
کاہو چڑھایو نا کاہو نوایو نہ کاہو اُٹھایو نہ انگر ہو دوئے

स्वारथ भो न भयो परमारथ आये हैं फिरि गये नेनता है
سوارتھ ہو نہ بھیو پرمارتھ آئے ہوئے پھر گئے نیتا ہوئے

یعنی دکپال بھوپال اور لوک پال کی ماتاؤن کے حل کیون نہ گر پڑے اپنے اپنے جگہون سے اُٹھکر اور مہادیو جی کے دھنش کو چھوکر شراسے گئے کسی نے نہ تو جھکایا نہ چڑھایا اور نہ دو انگل بھی اُٹھایا۔ نہ تو اپنا مطلب ہی پورا ہوا کہ اُٹھاکر سیتا جی سے شادی کرین نہ پرمارتھ ہی بنا ڈالا کہ سیتا جی کو تمام دنیا کی مان سمجھکر شادی اور دھنش اُٹھانے سے انکار کرین بہادر بنکر اس جگ مین آئے تھے اور عورت بنکر چلے گئے۔

خدا کیا ہے؟ اس مسئلے کو گیتا مین یون ادا کرتے ہین۔

अजन्मा है अमृत्यु है। अशोष अच्छेद्य है
اجنم ہے امرتیو ہے اشیش اچھید سروپ ہے

अनादि अनन्त हीनु है। जुनि न्यू नवीन है
انادی انت ہین ہے۔ جونی نہ ہی نوین ہے

अरूप है अमेय है- अमाप है अमेय है
اَروپ ہے اپے ہے۔ اماپ ہے میے ہے

निरीह निर्विकार है - सुअध्यक्ष सार है
نریہہ نرویکار ہے۔ سوادھیکش وچار ہے

अकृत है अखंडित है - अशोष जीव मंडित है
اکرت ہے اکھنڈت ہے۔ اشیش جیو منڈت ہے

समस्त शक्ति युक्ति है सुदेव देव मुक्त है — سمست شکت جگت ہے سو دیو دیوکت ہے
ताको पूजा करहु ऋषि कृत्रिम देवन छांडि — ناکی پوجا کرو رشی کرتم دیون چھانڈ
मनसा वाचा कर्मना निपट कपट को खांडे — منسا واچا کرمنا نپٹ کپٹ کو کھانڈ

خدا نہ مخلوق ہے نہ فانی ہے اسکا شروع اور آخر نہین ہے وہ ہمیشہ نیا بنا رہتا ہے نہ اسکی کوئی شکل ہے نہ اسمین کچھ مخلوط ہے نہ اسکی کوئی پیدایش ہے نہ اُسمین کوئی بھید ہے نہ اسمین کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے نہ اسمین تبادلہ ہوتا ہے وہ غیر مصنوع ہے اور اسکے ٹکڑے نہین ہو سکتے روحون کو عالم شہود مین لانے والا ہے تمام طاقتون سے بھرا ہوا اور سب دیوتاؤن سے الگ ہے اسلیے اے رشیو تم تمام بناوٹی دیاؤن کو چھوڑ کر اپنے تمام افعال ارادی سے برائیون کو توڑتے ہوئے اُسی کی دل سے عبادت کرو۔

کیشو داس رہبانیت کے مخالف تھے اہل وعیال کے ساتھ عبادت کو پسند کرتے تھے دہاتے ہین

निसि बासर वस्तु विचारि देके ÷ मुख सांचु हिये करुना धनु है
نس باسر بستو بچاری کے ÷ مکھ ساچ ہیے کرونا دھن ہے

अघ निग्रह संग्रह धर्म कथन ÷ परिग्रह सा धुनि को गनु है
اگھ نگرہ سنگرہ دھرم کتھن ÷ پری گرہ سادھن کو گنو ہے

कहि केसव भीतर जोग जये ÷ अति बाहेर भोगनि सो तनु है
کہے کیشو بھیتر جوگ بھلے ÷ اتی باہر بھوگن سون تنو ہے

मन हाथ सदा जिनके तिनको ÷ बनही घर है घरही बनु है
من ہاتھ سدا جنکے تنکو ÷ بن ہی گھر ہے گھر ہی بن ہے

وہ لوگ جو تمام باتون کو سوچ سمجھکر ہمیشہ سچ بولے ہین دل مین رحم اور گناہون سے بچکر نرم کے اچھے اچھے کام کرتے ہین اور سادھوؤن کی خدمت کرتے ہین کیشو داس کہتے ہین کہ ایسے جنکے اندر شمع معرفت جلتی ہے اور اور جسم دنیا مین لگا ہوا ہے ان لوگون کے لیے بن ہی گھر ہے اور گھر ہی بن ہے کیونکہ ان نظرون مین ہر جگہ اُسی کا جلوہ موجود ہے۔

ہمارے دیوتا کے فلسفہ پر آپنے کس انداز سے اپنا شبہ ظاہر کیا ہے۔

دیوادوپ ایسا ہے کہ نزدیک پرکاس — देव अरूप अमेय है ÷ कहे मिसि है प्रकास
سورج جو منڈت کہو ، کیسے کیشو داس — सूर्य जो मण्डित कहो कैसे केशौ दास
جیون اکاس گھٹ گھس ہین ، پورن لین نہ ہوئے — ज्यों अकास घट घटिनमें पूरण कीन न होय
یون پورن سندھیا ہین ، رہے کہے سنی لوگ — यों पूरण संदेह में रहे कहे मुनिलोग

جب خدا بے شکل غیر مخلوط اور بے خواہش ہے تو اے کیشو داس ہر اجسام مین ملا ہوا کیسے کہتے ہین۔ جسطرح کہ اکاش (خلا) ہر اشیاے خلا مین موجود رہتا ہے مگر اُسمین بالکل مل نہین جاتا اسیطرح منی لوگ ایسی مشتبہ صورت مین خدا کو ہر شے مین بتاتے ہین۔

تقسیم خیرات کے متعلق کہتے ہین

پہلے نج برتن دیہو اپنے — पहिले निज वर्तन देवमबै
پھر پاچھے ناگر لوگ سبے — फिर पाछें नागर लोग सबै
پھر دیو سبے نج دیسن کو — फिर देव सबै निज देशन को
اوبرے دھن دیہو بدیسن کو — उबरे धन देहु विदेशिन को

مگر تمہارے پاس کافی روپیہ ہے اور خیرات کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے خاندان والون کو دو پھر اگر اس سے بچے تو گاؤن کے حاجت مندون کو دو اور اگر اس سے بھی فاضل ہو تو اپنے دیش والون کو دو اس سے اگر فاضل بچے تو بدیشیون کو دو۔

رنگ تغزل مین بھی کیشو داس کا رنگ نرالا اور بے مثل ہے استعارات ایسے ایسے بالتع استعمال کرتے ہین کہ کلام مین جان پڑجاتی ہے ملاحظہ ہو۔

नेरि तनी टक टोरि कपोलनि जोरि रहे कर त्यौं न रहौं गी
توری تنی ٹکوٹر کپولن جور رہے کر تیون نہ رہون گی

पान खवाय सुधा धर पान जो पायहै तस हौं न गहौं गी
پان کھوائی سدھا دھر پین کے پائے گے تس ہون نہ گہونگی

केसव चूक सबै सहिहौं मुख चूमि चले यह तो न सहौं गी
کیسو چوک سبے سہیون مکھ چوم چلے یہ تو نہ سہونگی

के सुख चूमन देकि मोहि के आपन धाय से जाय क हौं गी
کے کھ چومن دے جسہ موہن کے آپن دھائے جائے کہونگی

کرشن جی سے ایک گوپی ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی ہے کہ تم نے جو پہلے میرے رخسارون کو چوس لیا تھا ویسے اب نہین کرنے دونگی پان کھلا کر میرے آب حیات کے مانند ہونٹون کو چوم لیا تھا اب مین اسطرح نہین کرنے دونگی ہمیشہ داس جی کہتے ہین کہ ساری خطائین معاف کرسکتی ہون مگر تم میرا منہ چوم کر چلدیے ہو ایسا نہین کرنے دونگی تم اپنا منھ بھی چوستے دو ورنہ یہ سب شراتین جاکر مین اپنی ماں سے کہدونگی۔

ملاحظہ ہو گوپیون کی فطری حالتین اور انکی دھمکیان نیز جذبات عشق کی بیخودی۔

کلام مین غالبیت اسقدر ہے کہ عام فہم کیا خاص فہم بھی نہین کہہ سکتے بھاشا کے شعرا انکو شکل شاعری کا پریت کہتے ہین یہ سچ ہے لہ

منظور الحق کلیم

(۲) بساوتا بہت نام ہے دور اندیشی کا مگر اکثر اوقات دور اندیشی بزدلی کا پردہ بن جاتی ہے۔

(۳) خلاف فطرت پرورش اور رکھ رکھاؤ سے اعضا اور تناسب اعضا مین جو بات پیدا ہوتی ہے اُسکا شاعرانہ نام نزاکت ہے۔

(۴) جو پبلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر کے ساتھ تند اور تیز الفاظ مین اپنے اجتہادی یا تقلیدی یا سیاسی خیالات کے اظہار کرنے کی ہمت رکھتا ہے وہ اکثر میدان مین گرم کہلاتا ہے اور جو اتنی ہمت نہین رکھتا وہ نرم کہلاتا ہے یعنی نقطۂ افتراق دل و دماغ نہین بلکہ زبان و قلم ہے۔

(جاوید) اسکاٹ لینڈ

نوٹ! اس مضمون کے لکھنے مین "ہندی نوٹس" سے زیادہ مدد لی گئی ہے۔

وفا کی دیوی

پانچ برس گذرے ذلیا کے شوہر نے لوگون کو دھوکا دیکر چار ہزار روپیہ ہڑپ کرلیا۔ کاؤس جی شاپورجی کے نام جعلسازی کرنیکے بنا پر وارنٹ جاری ہوا اور پھر اُسی رنج مین فوت ہوگیا۔ یہ خبر ذلیا کو اسکے خسر سے ملی۔ اسوقت سے بیچاری نے محلہ کی لڑکیون کو دستکاری سکھاکر کسی طرح اپنا پیٹ پالا۔ اسکے سر اسکی ضعیف مان اور بچہ کا بھی خرچ پڑا۔ دو سال گذرے جب اسکے والد کے دوست جمشید جی کی معرفت اسکو ایک خط ملا جسمین بھیجنے والے نے اس سے شادی کی درخواست کی تھی، اور ایکہزار روپیہ کے بنک نوٹ بھیجے تھے، کچھ عرصہ کے بعد پھر ایک خط اور بنک نوٹ ملے۔ ذلیا عرصہ تک تنہا مصیبتون کا سامنا کرتی رہی تھی۔ وہ واقف تھی کہ اسکی عمر کا بہترین حصہ گذر چکا ہے۔ اب تیسری بار پھر اجنبی کا خط شادی کے متعلق ملا وہ عجیب تذبذب مین تھی نہ منظور ہی کرسکتی تھی اور نہ انکار ممکن تھا۔

جب جمشید جی تیسرا خط لیکر آئے جسمین علاوہ درخواست شادی کے ایکہزار روپیہ کے نوٹ بھی تھے تو ذلیا نے ان سے اجنبی کی بابت پوچھا۔

جمشید جی بولے نہین بٹین ذلیا مین اسکا نام کسی طرح نہین بتا سکتا تمہین روپیہ کی ضرورت ہے؟

اس سوال کو سنکر ذلیا کے لبون پر غمگین مسکراہٹ آگئی۔ وہ بدقت روپیا خرچ چلا سکتی تھی کیونکہ لڑکیان تعداد مین کم تھین، اور پھر ملازم پیشہ کی یہ لوگ تنخواہ کی جلد ادائیگی کے سوال پر چین بہ جبین ہوجاتے تھے۔

ذلیا" ہان مجھے روپیہ کیضرورت ہے۔ اور مین جانتی ہون کہ اسکا روپیہ لیکر مین نے بدنامی کا ٹیکہ اپنے سر لگایا ہے۔ لیکن مین مجبور تھی۔

جمشید جی۔ تمکو تین ہزار روپیہ ملا ہے؟

ذلیا - لیکن یہ بھی تو آپ کو معلوم ہے - کہ دو خرچ کس طرح ہوا ہے - یہ کہکر اُسنے اپنا سر پھیر لیا - مگر انہون نے اسکی ڈبڈبائی ہوئی آنکھین دیکھ لین تھین

وہ بولے - مجھے معلوم ہے کہ تمنے اسکو اپنے بدمعاش شوہر کے قرض کی ادائیگی مین صرف کیا - وہ شخص کہ جسکو نہ تو شوہر ہونے کی ذمہ داری کا خیال اور نہ جسکے دل مین محبت پدری نے گدگدایا -

ذلیا - آپ بھول گئے کہ آپ مردہ کی بابت گفتگو کر رہے ہین -

جمشید جی نے ترشرو ہو کر کہا - مجھے، سب کچھ یاد ہے - اور اگر مین اسکے بھولنے کی کوشش بھی کرتا تو اسکے والد کی فضول خرچی اور بدچلنی مجھکو فوراً یاد دلا دیتی - دیکھو! (ایک عالیشان عمارت کی طرف اشارہ کرکے کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اسکے اکلوتے لڑکے کو مرے ہوئے صرف تین سال ہوئے ہیں وہ افلاس مین دن گذارے اور اسکے یہان قمار باز جمع ہو کر مانا پختیان اُڑائین - تم متوفی کے قرض کی ادائیگی کے باعث اپنے کو کیون تکلیف دیتی ہو -

وہ سکون سے بولی ' اگر مین اس قرضہ کو ادا نہ کرونگی ' تو میرے لڑکے کو ادا کرنا پڑیگا -

جمشید جی - اچھا اس پیغام کا کچھ جواب دیتی ہو ؟

ذلیا نے سر ہلا کر کہا - کچھ نہین - سوا اسکے کہ ' ممکن ہے کہ مین دوبارہ شادی کرلون کیونکہ عورت کے دلمین محبت کا پودا صرف ایکمرتبہ نشو ونما پاتا ہے -

جمشید جی - لیکن ذلیا مصیبت کے باعث مشغول نہ ہو - تمہاری قدر کرنیوالے اب بھی موجود ہین - میرے خیال مین یہ شخص بھی تمہارے دام محبت مین گرفتار ہے - تمام دنیا مین اسکا نہ کوئی مونس ہے نہ غمخوار اسنے اپنی دست بازو کی مشقت سے بہت روپیہ کمایا ہے اور میری معرفت بہت لوگون کی دستگیری بھی کی ہے - اسکا چہرہ دیکھو - یہ کہکر اسنے ذلیا کے ہاتھ مین ایک تصویر دیدی - وہ شخص ایک ہوٹل کے زینہ پر بیٹھا تھا اور اسکی ڈاڑھی گھنی تھی - کندھے چوڑے تھے اور پیشانی کشادہ -

یہ پہلا موقع تھا کہ ذلیا نے اپنے محسن کی تصویر دیکھی - اسکو دیکھکر ذلیا کا چہرہ دمک اُٹھا - اجنبی کا پچھلا خط کلکتہ سے آیا تھا پہلے خط سری نگر اور لاہور سے بھیجے گئے تھے پچھلے خط مین لکھا تھا کہ مین عنقریب بمبئی آنیوالا ہون وہان آکر مین بذات خود تم سے شادی کی درخواست کرونگا - مین دنیا مین تنہا ہون - مجھے بمبئی کرانیکل سے تمہاری پُرغم داستان معلوم ہوئی - واقعی تمنے بڑی بہادری

کا کام کیا۔ میں نے خود کل روپیہ بھیجدیا ہوتا۔ مگر میرے دل میں کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ اس قسم کی عورت نہیں کہ وہ روپیہ لے۔ صرف ایک ہی طریقہ ہے جس سے یہ خیال رفع ہو سکتا ہے۔ کہ ہم دونوں شریک زندگی بن جائیں۔

اس خط پر سیٹھ جی کے دستخط تھے مگر اس سے ذلیا کو کچھ پتہ نہ چلا۔ جمشید جی کے جاتے ہی ڈاکیہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اسے تین خط دیئے۔ تینوں میں لکھا تھا کہ اسکے چال چلن کے متعلق چند افواہیں اڑی ہیں جسکے باعث لوگ اپنی لڑکیوں کو اسکے یہاں پڑھنے نہ بھیجینگے۔

وہ غم سے نڈھال ہو گیا۔ مگر پھر بھی ضبط سے کام لیا۔

(۲)

دوسرے دن صبح کو وہ اپنے لڑکے کو کپڑے پہنا رہی تھی کہ اسکے خسر صاحب تشریف لائے اپنے فرزند کے وفات کی خبر انے کے بعد آج یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے سبز قدم یہاں آئے تھے۔

وہ بولے۔ تم کتنے عرصے میں دوسری جگہ رہنے کا انتظام کر سکو گی۔ غالباً تین معلوم ہو گا کہ یہ جو پٹرا میرا ہے۔

ذلیا نے جواب دیا۔ کہ مجھے معلوم نہ تھا۔ اور نہ کرایہ ہی میں تمہارے گماشتہ کو دیتی ہوں۔

اسنے درشتی سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا اگر تم جانتی ہوتیں تو اسبات کی کوشش کرتیں کہ بغیر کرایہ ہی اس میں رہو۔ اب تو تمکو یہاں سے جانا ہی پڑیگا۔ میں اسکو مسمار کرنیوالا ہوں۔ کیا تم دو روز میں اسکو خالی کر دوگی۔؟

ذلیا کے رخسار سفید ہو گئے تھے لبوں کو جنبش ہوئی مگر آنکھیں غرور سے چمکتی رہیں۔

اسنے آہستہ سے جواب دیا۔ مجھے نہیں معلوم۔

بوڑھا شاپور جی سختی سے بولا۔ تو جلدی یہاں سے بوریا بدھنا کھسکاؤ اور بہتر تو یہ ہوگا کہ تم ضلع ہی کو چھوڑ دو کیونکہ میری بدنامی ہوتی ہے۔

وہ بغیر کچھ کہے دروازہ تک گئی اور کواڑ کھولدیئے۔

پھر سرد مہری سے بولی۔ ایک ہفتہ تک تو اسپر میرا قبضہ ہے۔ اب بہتر ہے کہ آپ تشریف لیجائیے۔

بوڑھے شاہ پور نے کھڑے ہو کر کہا۔ میں نے تمہیں سمجھا دیا اب ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے۔

اگر یہان سے نہ جاؤگی تو ایک بھی لڑکی تمہین پڑھانے کو نہ ملیگی۔

ذلیا تلخی سے گویا ہوئی۔ اب معلوم ہوا کہ تم ہی میرے متعلق اِدھر اُدھر افواہین مشہور کر رہے ہو تاکہ مین کوئی کوڑی کو محتاج ہو جاؤن

بڈھا منھ بنا کر بولا۔ افواہین! ارے ہوش کے ناخن لو یہ افواہین نہین ہین ان کی اصلیت بھی ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ لوگ اپنی لڑکیون کو ایسی عورت کے پاس بھیجین گی جس کا شوہر دہات مین نوکر ہے

ذلیا نے بھرائی ہوئی آواز مین کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔

بڈھے نے قہقہہ لگایا اور کہا کیا تمہارا خیال تھا کہ وہ گیا مین بھی یہی سمجھے تھا۔ حیف وہ زندہ ہے اور کل شام کو میرے گھر آیا تھا۔ تمہاری بابت دریافت کر رہا تھا۔ اگر کہین مین بتا دیتا تو وہ چشم زدن مین یہان پہونچ جاتا۔

ذلیا کا دم پھولنے لگا۔ بدقت اسکے منھ سے نکلا۔ کاؤس جی زندہ۔

بڈھے نے طنز آ کہا۔ کیا تم خوش نہین ہو مُن۔ وہ اتنے عرصہ کے بعد مردون مین سے آیا ہے اور آ شنائی اور بڑھ چلن ہے جتنا کہ ——۔

ذلیا نے تلخی سے جملہ پورا کر دیا "جتنا کہ اسکا والد"

بڈھا طنز کی ہنسی سے بولا۔ اس کو ایک بار دیکھ لو تب تم کو افسوس ہوگا کہ کیون تم نے میرے کہنے پر عمل نہین کیا۔

ذلیا نے دروازہ کی طرف اشارہ کر کے کہا مین جب تیار ہونگی تب ہی جاؤن گی۔

بوڑھا یہ کہکر چلدیا۔ مین رات کو تمہارا ارادہ معلوم کرنے آؤنگا۔

وہ افسردہ ہو گئی اسکا دم اُلجھنے لگا۔ اتنے مین کسی نے ایک ننھا سا ہاتھ اسکے ہاتھ مین دیا اسنے نیچے دیکھا تو اسکا لڑکا کھڑا تھا۔

لڑکا بولا۔ جب مین بڑا ہو جاؤنگا اماں۔

ذلیا نے جھک کر لڑکے کی جبین پر بوسہ دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی۔ اس کے تمام تفکر دور ہو گئے۔

(۳۱)

جیسا کہ ذلیا کا خیال تھا کاؤس جی جب پہنچے شام کو آیا۔ تاریکی کے باعث وہ اسکا چہرہ نہین دیکھ سکی۔

کاؤس جی بولا مجھے لوگون نے یہ کہکر دھوکا دیا کہ تم یہان سے چلی گئی ہو۔ مگر آخر مین نے پتہ لگا ہی لیا۔ لمپ کیون روشن نہین کرتین۔

ذلیا نے اُٹھکر لمپ جلایا۔ جب کمرہ مین روشنی ہوگئی۔ ذلیا کاؤس جی کا پُرغم چہرہ دیکھکر چونک پڑی۔

وہ غصہ سے بولا۔ تم بولتی کیون نہین؟ کیا مجھے جھوٹ سمجھ رکھا ہے؟

اسنے بیٹھی ہوئی آواز مین کہا۔ لوگون نے مجھے تمہاری وفات کی خبر دی تھی۔

کاؤس جی نے طنز کہا۔ واقعی تمنے میرا ماتم کیا ہوگا۔ چی گراد مین نہین چاہتا کہ کسیکو میرے یہان آنیکا پتہ چلے۔ تمہین میرے مرجانے سے کوئی تکلیف نہین ہوئی۔ شاید بڈھے نے خرچ دیا ہوگا۔

ذلیا نے دھیمی آواز مین جوابدیا۔ تمہارے مرنے کے بعد وہ آج ہی یہان آیا تھا۔ اسی سے تمہاری بابت مجھے معلوم ہوا۔ وہ مجھے یہانسے نکالنا چاہتا ہے۔ اور رات کو پھر آئیگا۔

کاؤس جی۔ اور تمہارا کیا ارادہ ہے۔

وہ رنج سے اپنا سر ہلاکر بولی۔ ابھی کچھ نہین ابھی تو یہ سب خواب و خیال معلوم ہوتا ہے۔

کاؤس جی نے ترشروئی سے کہا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو تمکو تو میرے مرنے سے خوشی ہوئی ہوگی۔

ذلیا افسردگی سے گویا ہوئی۔ مین اب بھی تمہاری بیوی ہون۔

کاؤس جی بول اُٹھا۔ تب تو تم ضرور میری مدد کروگی۔ مجھے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ کل بڈھے سے مین نے روپیہ مانگا۔ مگر اس نے پولیس کے حوالہ کردینے کی دھمکی دی۔ مین اس جگہ کو فوراً چھوڑدینا چاہتا ہون۔

ذلیا نے ڈرتے ہوئے پوچھا تمنے کیا کیا ہے؟

اسنے غصہ سے جوابدیا "تمسے مروے کیون کہا" ڑتی ہو۔ وہی پانچ برس والا قصہ۔

ذلیا - اب اس سے تم بالکل مت ڈرو -

یہ سنکر کاؤس جی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور غور سے ذلیا کے چہرہ کو دیکھنے لگا -

وہ - ذلیا اسوقت تو مجھے کتنا روپیہ دے سکتی ہو -

ذلیا - مین نے بہت سا ادا کر دیا باقی کل ادا کرنے کا ارادہ ہے -

وہ - چار ہزار روپیہ ؟

ذلیا - ہان تین ہزار روپیہ تو ادا کر چکی ہون -

اسکے قریب بڑھتے ہوئے کاؤس جی نے پوچھا - اتنا روپیہ تمکو کہان سے ملا -

یہ سنکر وہ جلگئی - ناگن کیطرح بل کھا کے بولی - تمکو یہ دریافت کرنے کا کوئی حق نہین ہے -

یہی غنیمت سمجھو کہ قرض ادا ہو گیا - اور اب تم آزاد ہو -

کاؤس جی - نہین یہ کافی نہین ہے - تم کو سب بے کم و کاست بتانا ہوگا -

ذلیا مین سب بتا چکی -

اسنے بدلے ہوئے لہجہ مین کہا - ذلیا تم کہتی ہو، کہ تمنے میرے لیے بہت کیا - مین چاہتا ہون کہ تم مجھے اور مدد دو - مجھے روپیہ کی اشد ضرورت ہے - ایکہزار سے میرا کام بن جائیگا -

ذلیا - ایکہزار روپیہ ! یہ کہکر وہ میز کے قریب بڑھی، تمہارے قرض کی یہ آخری قسط تھی !

وہ نخوت انہ انداز سے بولا - یہ روپیہ مجھے دیدو

ذلیا - ہان مین ایک شرط پر یہ روپیہ دیدونگی - تم وعدہ کرو کہ آج سے اپنے کو سدھارو گے -

ذلیا دراز کھول لی تھی اور خط اسکے ہاتھ مین تھا یہ کہکر کہ وہ خط مت کہو کاؤس نے لفافہ چین کر نوٹوں کو جیب مین رکھ لیا - اور جب وہ خط چھینے کو لپکی تو اسنے دور ہٹا دیا -

کاؤس جی ملعنہ زن ہوا اب بھی میری بیوی ! تم یہ کہنے کی جرات رکھتی ہو اور یہ خط -

ذلیا - اسکے سامنے تنکر کھڑی ہوگئی اور اسکی آنکھون سے چنگاریان نکل رہی تہین - وہ بولی خاموش مگر ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو مین تمکو قتل کر دونگی -

کاؤس جی نے خط دکھا کر کہا - مین اسکا حال سن چکا تھا - بڑے وکیل جمشید جی کے ایک محرر نے مجھے سمجھا مین تبلا دین - قسم ہے آتش پاک کی ہم اسکو خوب الو بنائین گے - کیون کیا رائے ہے ؟

اسے اور روپیہ کے لیے لکھو تمہین پتہ تو معلوم ہی ہے

یہ سنکر ذلیا کا رنگ فق ہوگیا اور وہ پیکر بیجان کی طرح کھڑی رہی۔

کاؤس جی طنزیہ ہنسکر بولا۔ ہم اس سے خوب روپیہ اینٹھین گے۔ مین جاکر نفیس کپڑے خریدون گا۔

وہ جیسے ہی دروازہ کے قریب پہنچا تھا کہ بچے کے رونے کی آواز آئی۔ اسنے مڑکر ذلیا کیطرف دیکھا

ذلیا آہستہ سے بولی۔ ہان یہ تمہارا لڑکا ہے مین اسے پکارتی ہون۔ تاکہ وہ تمہین دیکھ لے تمہارے

لیے یہی سزا کافی ہے۔

لیکن قبل اسکے کہ وہ لڑکے کو پکارے۔ کاؤس جی وہان سے چلدیا۔

(۴)

تھوڑی دیر کے بعد بڈھا شاپور جی آیا۔ اسکے لبون پر مسکراہٹ تھی۔ اور آنکھین شرارت سے چمک

رہی تھین۔

ذلیا کرسی کے پیچھے آکر بولا۔ مین اسکی بابت سوچ رہا تھا۔

ذلیا کچھ ترش کلامی کرنا چاہتی تھی کہ باہر پیر کی چاپ سنائی پڑی کسی نے دروازہ کھولکر پوچھا

کیا شاہ پور جی کی بیوی یہان رہتی ہین۔ اجنبی کے ڈاڑھی تھی اور غم کے باعث اسکی آواز

بہت ملائم تھی۔ میرا نام ۔

بڈھے نے فقرہ سے قطع کلام کیا۔ پیسٹن جی ہے۔ اندر آیئے جناب، ہمکو سب معلوم ہے۔ کاش کہ آپ

ایک شب پہلے میرے مکان پر آئے ہوتے تو ان کے شوہر سے بھی ملاقات ہوجاتی۔

ذلیا بید کی طرح لرز رہی تھی اسکی آنکھین اجنبی پر جمی تھین۔

بڈھا بولا۔ آپ کو میرے یہان موجود ہونے کی توقع نہ تھی کیون؟ مجھے کچا چٹھا معلوم ہے۔

نووارد نے نفرت کی نگاہ سے بڈھے کو دیکھا۔ اور اسنے اپنے ہاتھ ذلیا کے کندھے پر رکھدیئے۔

اجنبی بولا۔ ذلیا میری طرف دیکھو۔ یہ کہکر اسنے جلدی سے ڈاڑھی علیحدہ کرلی ڈاڑھی ہٹتے ہی وہ

کاؤس جی ہوگیا۔

پیار کے لہجہ مین وہ بولا۔ ذلیا، ذلیا کیا تم نہین سمجھتین۔

انداز حیرت سے اسنے پوچھا۔ کاؤس جی کیا تم ہی پیسٹن جی ہو۔

وہ ۔ ہان اور تمہین ذرا شبہہ نہوا ۔ ضعیف وکیل کی نصیحت سے مین پانچ سال سے محنت کر رہا ہون اور مین نے کافی روپیہ کما لیا ہے ۔ اب مین وہ کام نہین رہا ۔ والد مین رات کو تمہارے پاس اؤن گا ۔ مجھے تم سے بہت سی باتین کرنی ہین ۔

جب بڈھا چلا گیا وہ بولا ۔ ہرے خدا نے لیا لڑکے کو جلد دیا ۔

جی پی ۔ بھٹناگر

مسئلہ کینیا

پنڈت کشن پرشاد صاحب کول نے اس کتاب مین مسئلہ کینیا پر تفصیلی بحث کی ہے، اور برطانوی مشرقی (کینیا) پر ایک غائر نظر ڈالی ہے ۔ جغرافی حیثیت سے نقطون مین اسکا نقشہ کھینچا ہے، اور وہان کی اصلی باشندون اور باہر سے آئی ہوئی قومون کے مشرح حالات لکھے ہین، اس سلسلے مین انگریزون کی فرمانروائی کی شان حکومت اور امتیاز قومی کی بھی داستان بیان کی ہے غرض یہ کتاب ان لوگون کے لیے بہت مفید ہے جو مسئلہ کینیا سے دلچسپی رکھتے ہین ۔

کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب حجم ۳۲ صفحہ جناب مصنف (امین آباد لکھنؤ) سے ملسکتی ہے ۔

شراب اور افیون کے نقصانات

اس رسالہ مین ڈاکٹر محمد عبدالغفور صاحب بسمل نے، مسٹر سی ایف اینڈریوز کے ان انگریزی مضامین کا ترجمہ پیش کیا ہے جو شراب اور افیون کے نقصانات سے متعلق ہین، حضرت بسمل گو ایک رنگین مزاج انشاپرداز ہین مگر اس مختصر رسالہ مین اُس انشاپردازی کی کوئی شان نظر نہین آتی تاہم یہ رسالہ بلحاظ نفس مضمون بہت مفید ہے تقطع چھوٹی حجم ۲۳ صفحہ،

ملنے کا پتہ "ڈاکٹر محمد عبدالغفور، آنریری جنرل سکریٹری" دائرہ خدام صفا" روہیلکھنڈ

جواہرات عالم

(۷)

شاہی مالا

سرزمین انگلستان پر ایڈورڈ سوم نہایت شجاع اور دلیر بادشاہ گذرا ہے۔ اسکو سپاہیانہ زندگی بیحد پسند تھی اور معرکہ کارزار مین نفیس نفیس وہ شجاعت دیکھا کرتا تھا جب ۱۳۴۶ء مین شہر کیلے سالانت انگلستان مین شامل ہوگیا تو اسی بادشاہ نے وہان کے باشندون کے ساتھ ملکہ PHILLIPA کے سفارش پر نہایت اچھا برتاؤ کیا اور ۱۳۵۰ء مین اس شہر کو گورنر SIR AMERY OF PAVIA سرآمری پیوپاکی نگرانی مین چھوڑکے انگلستان واپس آگیا، یہ گورنر پردہ فرانسیسون کا حامی تھا اسنے فرانسیسون سے کیلے کی واپسی کے لیے ایک خوفناک سازش کی۔

پہلے تو شاہ انگلستان کو اسپر کامل اعتماد تھا لیکن جب اسکی بے وفائی کا حال معلوم ہوا تو اسکو بہت غصہ آیا اور اس خفیہ کارروائی کی روک تھام کے لیے خود فوج لیکر گیا، اسنے یہ انتظام کرلیا تھا کہ جب ان افواج فرانس وس شہر پر قبضہ کرنے آئین اسی دن شہر پناہ کے نیچے معرکہ کارزار گرم ہو، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک دستہ ایک شہور جنرل[1] کی سرداری مین مقابلہ کے واسطے بھیجدیا گیا اور خود بہ تبدیل لباس ایک معمولی سپاہی کی طرح اسمین شامل ہوگیا یہ روانگی خفیہ طور سے ہوئی انگریزی فوج راتون رات سمندر پار کرکے شب کی تاریکی مین ساحل پر اُتر پڑی اور کیلے کے قریب جاکر چھپ رہی لیکن اس کارروائی کی خبر فرانسیسی یا سرآمری کو مطلق نہوئی۔

صبح کو فرانسیسی فوج خوشی کے باجے بجاتی ہوئی شہر بناڈنکرک پہونچی سرآمری شہر کا پھاٹک کھولنے والا ہی تھا کہ دفعتاً انگریزی فوج نے حملہ کردیا زیر دیوار سخت جنگ ہوئی۔ شہر پناہ سے کیلے کے باشندے تماشا دیکھ رہے تھے اور اس غیر متوقع جنگ پر حیران تھے۔ باشندون مین زیادہ تر فرانسیسی تھے اور انگریزون کی تعداد برائے نام تھی۔

---

[1] SIR WALTER NANNY سر والٹر نینی

فرانسیسی فوج کی کمان SIR EUSTACEDE RILIOMONT کے ہاتھ مین تھی۔ یہ ایک قوی ہیکل اور خوبصورت سپاہی تھا جو فرانسیسی فوج مین اپنی بہادری کیوجہ سے فرد ماناجاتا تھا۔ لیکن آج اسے مقابلہ خیال نہ تھا اسلیے ان غیبی دشمنون کے اچانک حملہ سے گھبرا گیا جسطرح ایڈورڈ سوم نمولی سپاہیہ حیثیت سے انگریزی فوج مین ایک خاص شخصیت کا آدمی معلوم ہوتا تھا اسیطرح فرانسیسی فوج مین جنرل ریامنٹ بادشاہ فرانسیسی فوجون کو دیاتا ہوا اس جنرل پر حملہ آور ہوا اور دونون کا دست بدست مقابلہ ہوگیا لڑائی مین دونون کے گھوڑے کام آگئے اور دونون پیدل ہوکر شمشیر زنی کرنے لگے جب تلوارین ٹوٹ گئیں تو کشتی کی نوبت پہونچی اور باہم زور آزمائی کرنے لگے۔ اس کشتی مین شاہ ایڈورڈ کی موتیونکی مالا لباس کے باہر نکل آئی اور ریامنٹ کی گرفت مین آکر ٹوٹ گئی مگر مالا بادشاہ کے ہاتھ مین رہگئی صرف اسکی لچھی فرانسیسی جنرل کے ہاتھ مین آگئی۔ اب شاہ انگلستان کو بہت غصہ آیا آخر اسنے اپنی قوت بازو سے فرانسیسی جنرل کو زیر کرلیا بزیست خود۔ وہ جنرل کی جان اب بادشاہ کے ہاتھ مین تھی شاہ نے اسکی ٹوپی اوتار لی۔ اب رواج کے مطابق قتل کا موقع آگیا تھا۔ لیکن بادشاہ نے اس سے کہا کہ جو لچھی موتیون کی تیرے پاس ہے وہ مجھکو دیدے تو تیری جان بخشی ہوسکتی ہے جنرل نے لچھی دیدی اور انگریزی سپاہی کے ساتھ ہوگیا فرانسیسی فوج کو کامل شکست ہوئی اور بقیۃ السیف فوج اسیر کرکے قلعے مین لائی گئی۔

شام تک شہر مین یہ خبر مشہور ہوگئی کہ شاہ انگلستان پہلے سے کمینگاہ مین چھپا تھا رات کو کل قیدی شاہی دسترخوان پر مدعو کئے گئے ان کو شاہی توشہ خانہ سے پوشاک دی گئی اور مہمانون کی سی خاطر کیگئی شاہ شہزادہ دیس اور دیگر ارکین بھی اسی دسترخوان پر تھے۔ اسوقت بادشاہ کے جسم پر مخملی لباس زیب تن تھا۔ اور وہی موتیون کی مالا اسکے بانہ مین لپٹی تھی۔

SIR DE RELOMENT کی نگاہ جب موتیون کے ہار پر پڑی تو یہ راز ظاہر ہوگیا کہ جنگ مین اسکا حریف شاہ انگلستان تھا اس خیال نے اسپر حیرت طاری کردی یہانتک کہ وہ نوالہ اٹھا اسکا اسکے ساتھی سمجھے کہ یہ شاہی رعب وداب سے مرعوب ہوگیا۔

کھانے کے بعد بادشاہ خود ایک ایک قیدی کے پاس جاکر معمولی سپاہی کیطرح مہربانی اور خوش اخلاقی کے ساتھ گفتگو کرتا رہا جس سے کل فرانسیسی فوج اسکی مطیع اور دلدادہ ہوگئی اب بادشاہ اُس محوِ حیرت جنرل کے پاس آیا اور ہنسکر کہنے لگا۔

تم بیشک بہادر ہو مجھکو آجتک کوئی ایسا سپاہی اپنے مقابلے کا نہ ملا تھا جو فن سپہگری سے اتنا واقف ہو مجھے تمہارے مقابلے سے بہت مسرت ہوئی تمنے میری بھی میدان جنگ مین جیت لی تھی اگرچہ بعد کو مینے اسکو تمہاری جان سے بدل لیا مگر مین اب تمہین بطور انعام کے تمہاری بہادری کے صلے مین دیتا ہون تم نازینیان فرانس سے فخریہ بیان کرنا کہ یہ شاہی عطیہ ہے اسی کے ساتھ مین تمکو آزاد کرتا ہون تمہارا جہان جی چاہے چلے جاؤ یہ کہکر شاہ نے بیش بہا موتیون کی مالا اتاری اور اس شکست خوردہ جنرل کے گلے مین ڈالدی"

ریامنٹ بادشاہ کے قدمون پر گر پڑا اور ایک ادائے انکسار کے ساتھ مسرت کے لہجہ مین بولا "مین اس عزت کی یادگار مین اس مالا کو ہمیشہ اپنے پاس رکھونگا کیونکہ مجھکو ایسے شجاع فرمانروا سے لڑنے کا فخر نصیب ہوا"

چنانچہ اسنے ہمیشہ اس موتیون کے ہار کو اپنے پاس رکھا اور اپنا خاندانی نشان ایک ڈھال مقرر کیا جسکی نیلی زمین پر موتیون کی مالا بنوالی یہ مالا عرصے تک اس خاندان مین رہی لیکن تحقیق سے نہین معلوم کہ پھر وہ موتیون کا ہار کہان گیا۔ ایک روایت ہے کہ جب یہ خاندان فرانس سے محالد یا گیا تو انگلستان پہنچا لیکن دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ انقلاب فرانس کی نذر ہوگیا۔ یعنی اثنائے جنگ مین ایک دن مالا ٹوٹ گئی اور سارے موتی بکھر گئے غیر کچھ بھی حشر ہوا ہو لیکن اتنا تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان موتیون کو سر آسٹس اور اسکی اولاد نے حتی الامکان اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا جو دشمن سے بہادری کے صلے مین ملے تھے۔

رام سرن نگم



*

تنقید کتب

(درد باقی، دُرد ساقی)

یہ رسالہ نمونہ ہے جناب راجہ گردھاری پرشاد صاحب، راجہ محبوب نواز دنت بہادر باقی مرحوم کے کلام فیض نظام کا جسکا ہر شعر درس آموز حقیقت ہے، واقعہ یہ ہے کہ مرحوم کا کلام دیکھکر روح مین تڑپ اور تڑپ مین ایک جذب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو عبد و معبود کے رشتۂ ارتباط کا ایک زرین سلسلہ ہے آپ نے رسول مقبول اور اولیاء کرام کے متعلق اپنے حسن عقیدت کا عجب خلوص سے اظہار فرمایا ہے تصوف سے آپ کو خاص شغف تھا، صوفیائے کرام کا تذکرہ آپ کے اکثر شعرون مین پایا جاتا ہے، خصوصاً خواجہ میر درد سے آپ کو بہت عقیدت تھی، چنانچہ خواجہ مرحوم کی فارسی رباعیون کا ترجمہ نہایت خوبی کے ساتھ اردو رباعیون مین کیا ہے اور ہر فارسی رباعی کے نیچے ایک اردو رباعی لکھی ہے۔ ترجمہ کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ بعض بعض رباعیون کے ترجمے مین تصنیف کا رنگ پیدا ہو گیا ہے

غزلین اس مجموعے مین کم ہین، مگر جو ہین انمین تصوف کا رنگ غالب ہے، فرماتے ہین۔

نے کافر دیکھہ دنے کافر دینیم — آزاد و معشقم نہ چنانم نہ چنینم
خوانی اگرم عاشق بے کینہ بہائم — دانی اگرم بندۂ دیرینہ ہمینم

ایک نعتیہ غزل مین فرماتے ہین۔

ترا اوّل بہ اخفا آفریدند — ازان پس دین و دنیا آفریدند
پس از ذات خدا اول خدا را — جمالت اے خود آرا آفریدند
مبارک آفرینش را کہ چون تو — شفیع روز فردا آفریدند
عنایت رحمۃ اللعالمین گفت — ہر کس رحم فرما آفریدند

ان شعرون کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ باقی مرحوم کے دلمین آنحضرت کی محبت اور

عقیدت کا کتنا گہرا اثر تھا فی الحقیقت مثالین مرحوم کی صفائے قلب، اور روشن نفسی کی دلیل روشن ہے۔

ایک عاشقانہ غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں،

ہم قطرۂ خون ست ناب است دل ما — ہم اشک جگر سوز کباب است دل ما
ہر داغ در و نقطۂ اسرار الٰہی است — گر چشم بطون است کتاب است دل ما
ہر چند کہ در پردہ نمایان شدہ دلدار — از بود تن ما بہ نقاب است دل ما
از خانہ برانداز ی آن چشم فسونساز — اے خانہ ات آباد خراب است دل ما

ان اشعار کا غائر مطالعہ بتا سکتا ہے کہ باقی مرحوم کے دل میں کیسا سوز تھا، اور اس سوز میں کیسی چمک تھی، آخری شعر عاشقانہ شاعری کی روح روان ہے "اے خانہ ات آباد" نے شعر میں جو لطافت پیدا کر دی ہے وہ اہل دل اور اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

باقی مرحوم کی رباعیاں بھی ایک خاص شان رکھتی ہیں، ملاحظہ ہوں۔

بیرون ز نکان است نکان من و تو — بے نام و نشان است نشان من و تو
جز کالبد خاک کہ خاکش بر سد — دیگر چہ حجاب است میان من و تو

فرمود تو بیخودی شرابت چہ دہم — دادی دل پر سوز کبابت چہ دہم
کردم چو سوال وصل با آن عیار — گفتا کہ ترسن شدی جوابت چہ دہم

پہلی رباعی کی لطافت، و معنی آفرینی سے انھیں حضرات کا دل کافی طور پر لذت یاب ہو سکتا ہے جو عبد و معبود کے درمیان اپنی ہستی کو حجاب اکبر سمجھتے ہیں،

دوسری رباعی، عاشق نوازی کا عجیب و غریب مرقع ہے خصوصاً چوتھا مصرع تعریف سے مستغنی ہے۔ ہستی کے مٹا دینے کی اس سے بہتر مثال شاید ہی ملے۔

نعت میں فرماتے ہیں۔

امروز وفات تو چہ گوید باقی — مضمون محامدت چہ گوید باقی
لولاک لما خلقت الافلاک بس است — زین بیش چہ یارا کہ بگوید باقی

حضرت باقی کے تتبع آثار کی مثال تو آپ ملاحظہ فرما چکے، اب خواجہ درد رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیوں کے

کی ترجمے ملاحظہ ہون

حمد اللہ لا یستمی سوا اللہ — فی الخلق وجدتہ وان کان سوا
مرآۃ جمالہ جمیع الاکوان — فی الکون لما رأت الا ایا

ترجمہ اس پاک کو حمد نام جس کا ہے خدا — پایا اسے خلق مین وہ ہے اسکے سوا
ہے اسکے جمال کا جہان آئینہ — دنیا مین نہ دیکھا مگر اسکو دیکھا

نظم مین لفظی ترجمہ کرنا مترجم کے کمال کی دلیل ہے،

اے جلوہ بدید یار خواهد گردید — راز ش ہمہ آشکار خواهد گردید
ما آئینہ ایم خود پرست ست نگار — تا چار بما دو چار خواهد گردید

(ترجمہ)

اک دن دیدار یار ہو جاے گا — راز اس کا خود آشکار ہو جائیگا
مین آئینہ ہون نگار ہے حسن پرست — تا چار کبھی دو چار ہو جائے گا

پہلے مصرعہ کا مفہوم ادا تو ہو گیا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہین اور ایک زبان مین دوسری زبان کا اکثر و قحو پر لفظی ترجمہ ہو بھی نہین سکتا صرف مفہوم ہی ادا کر دینا کافی ہوتا ہے،

بعض رباعیون مین ترجمے کی خامیان بھی نظر آتی ہین -

اندیشہ اگر چہ پیش و پس میگردد — در خویش دے بر نفس میگردد
نے ہیچ کے شریک ہستی باشد — ہستی نہ شریک ہیچکس باشد

(ترجمہ)

گردش سے پس و پیش کی ہے یہ بستی — رونے پہ ہے اس خلق کی خلقت ہنستی
ہستی نہ کسیکو اپنے کرتی ہے شریک — ہونا ہے نہ یان کوئی شریک ہستی

پہلے شعر کے ترجمہ کو اصل سے کوئی مطابقت نہین - دوسرے شعر کے ترجمے کی برجستگی قابل داد ہے -

اس مجموعہ مین باقی مرحوم کی مختصر سوانح عمری بھی شامل ہے، اسکے مرتب مرحوم کے خلف اکبر راجہ نرسنگھ راج بہادر ہین، کاغذ نفیس کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم ۱۴۸ صفحہ قیمت ۱ مائل؛

ملنے کا پتہ۔ کتب خانہ نرسنگھ راج بہادر محلہ حسینی علم، حیدرآباد دکن۔

مکاتیب

اس کتاب میں مولوی محمد امین صاحب زبیری نے نواب محسن الملک مرحوم، اور نواب وقار الملک مرحوم کے خطوط جمع کئے ہیں، ان بزرگوں کی بابرکات ہستیوں سے ہندوستان کے مسلمانوں کو جو فیض پہونچا ہے وہ آفتاب کی طرح روشن ہے، اردو ادب کے لحاظ سے بھی ان بزرگوں کا خاص درجہ ہے محسن الملک مرحوم کا ایک خط ملاحظہ ہو،

مہدی علی نے نزدیک مشتاق حسین مرگئے اور مشتاق حسین کے نزدیک مہدی علی مرگیا پھر اب صلاح کس سے اور خط و کتابت کسکو مینے مولوی وکیل الدین سے آج تذکرہ کیا، اب کون باقی ہے اور اختفار میں کمبخت مہدی علی کا کیا فائدہ ہے نہ اب شکوہ باقی ہے نہ شکایت،

خطوط کے شروع میں ہر دو مقدس بزرگوں کی تصویریں اور عکسی تحریریں شامل ہیں۔ ناظرین سے اُمید ہے کہ ان تبرکات کی قدر فرمائینگے۔

کاغذ نفیس کتابت وطباعت دیدہ زیب، حجم ۱۲۰ صفحہ قیمت عہ ملنے کا پتہ۔ محمد امین صاحب زبیری پیشکار دفتر ظل السلطان ریاست بھوپال۔

جوزف میزینی

جوزف میزینی اٹلی کا بہت بڑا ریفارمر تھا جسنے اپنی زندگی ملک اور قوم کی خدمت کیلئے وقف کردی تھی اس نیک ارادے میں اسکو اکثر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ملک بدر کیا گیا تو قید کی سزا بھی بھگتنی پڑی اسکی زندگی کے حالات بھی خواہان ملک وقوم کے لیے شمع ہدایت بن سکتے ہیں۔ انہیں حالات وسوانح کو مولوی مسعود علی صاحب بریلوی نے نہایت قابلیت کیساتھ جمع کردیا ہے۔

یہ کتاب جیبی تقطیع کے ۶۲ صفحہ پر جامعہ ملیہ علیگڑھ کیطرف سے شائع ہوئی ہے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت عمدہ قیمت بہ لحاظ حجم کے زیادہ ہے ملنے کا پتہ مولوی مسعود علی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ماہ نو

۱۲ مجموعہ ہے، ڈاکٹر ٹیگور کے ان نظموں کے تراجم کا جو بچوں کے جذبات وخیالات سے متعلق ہیں،

ٹیگور نے جس خوبی سے بچون کے خیالات کا آئینہ طیار کیا ہی، اسی خوبی سے جناب افسر میرٹھی نے ان نظمون کو اردو کا لباس پہنایا ہے، شروع مین چند صفحے کا دیباچہ ہے جسمین جناب افسر نے اصل نظمون اور ترجمے کے خصوصیات کا ذکر کیا ہے، اسی سلسلہ مین فرماتے ہین،

ٹیگور ایک زبردست صوفی ہین ذرا گہرے مطالع سے معلوم ہوتا ہے، کہ حافظ شیرازی جس میخانے کے ساقی ہین، اسی کے ایک جرعہ نوش ٹیگور بھی ہین ٹیگور کے کلام کا بڑا حصہ معرفت مین ڈوبا ہوا ہے،

ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ ترجمے مین اصل کی لطافت پیدا ہو جائے، اس نظر سے جناب افسر کی یہ کوشش قابل ستایش ہے مگر بعض بعض غیر مانوس ہندی لفظ کا، اردو ادب مین بیجا پیوند (جبکہ اس سے بہتر لفظ اردو مین موجود ہو) البتہ بے جو معلوم ہوتا ہے ایک جگہ چترائی کے متعلق آپ نے خود لکھدیا ہے کہ یہ مصنف کا اصل لفظ ہے، مثال ملاحظہ ہو،

تم جانتے ہو کہ بچے کی آنکھون مین کملاریان کرنے والی نیند کہان سے آتی ہے،

غالباً آپ کا مفہوم یہ ہے کہ بچے کی آنکھون مین کھیلنے والی یا کھیل کرنے والی نیند کملاریان، چاہے صحیح ہو مگر فصیح نہین پھر فرماتے ہین "مین یکہ و تنہا کھیت کی بٹیا پر چل رہا تھا، بٹیا غلط تو نہین مگر کھیت کی مینڈ یا کھیت کے راستہ پر لکھنا زیادہ فصیح تھا، اور اگر بٹیا سے یہ مراد ہے کہ کھیت کے پاس کا وہ راستہ جو مالک یا رکھوالے کی آمد و رفت سے بن جاتا ہی تو دوسرے لفظ نہین کہا جا سکتا تھا کیونکہ بٹیا عام طور پر رستے کے معنی مین مستعمل ہے۔

دیکھئے جناب جوش نے کھیت کی بٹیا کا مفہوم اسطرح ادا کیا ہے،

راہین کھیتون کے کنارے پیچ و خم کھاتی ہوئی،

ایک جگہ فرماتے ہین "وہان حسن سحر طراز کا ایک پودا ہے اس پودے مین وہ شرمیلی کلیان لگ رہی ہین"

مطلب تو سمجھ مین آجاتا ہے لیکن فصیح اردو مین، لگ رہی ہین بمعنی لگی ہوئی ہین، جائز نہین

بہرحال ماہ نو ابھی کتاب ہے، خصوصاً بچون کے لیے زیادہ مفید ہے۔ قیمت ۱۲ کتاب کی حیثیت سے زیادہ ہے، تقطیع چھوٹی حجم ۹۵ صفحہ ملنے کا پتہ نیو انڈین بک ڈپو۔ اندرکوٹ میرٹھ

نازنین مراکش

یہ ایک تاریخی ناول ہے جسکے مصنف جناب نازش بدایونی ہین پلاٹ کے لحاظ سے یہ جسقدر دلکش اور نتیجہ خیز ہے۔ اس سے زیادہ مصنف کے زور قلم نے اسے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے، واقعات سے ادب اُردو کی وابستگی قابل دید ہے۔

حجم ۱۲۶ صفحہ، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت نہ قابل تعریف نہ قابل شکایت۔ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ ،، صدیق ڈپو، لکھنؤ،

حجاب زندگی

اس مجموعہ مین جناب عابد بی اے کے سات افسانے شامل ہین جو ہزار داستان کی گذشتہ اشاعتون مین شایع ہو چکے ہین افسانے اچھے ہین، اور زبان بیان بھی دلکش ہے لیکن یہ افسانے مصنف کی ہستی کو اتنا بلند نہین کرتے جتنا جناب سالک اپنے مخلصانہ جوش مین بلند کرنا چاہتے ہین سچ یہ ہے کہ عابد صاحب نکتہ سنجی اور سحر طرازی کی انتہائی کوشش کرتے ہین، اور یہ کوشش قابل قدر ہے، کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب، حجم ۱۵۸ صفحے قیمت ۱ر حجم کے لحاظ سے زیادہ ہے۔ ملنے کا پتہ: دارالاشاعت ادب لطیف کیمبرلین روڈ لاہور۔

سیرت مصطفےٰ کمال پاشا

اس کتاب مین ترکون کے فائد اعظم غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ جمع کیے گئے ہین، گویا یہ کتاب ایک آئینہ ہے جسمین غازی موصوف کے زندگی کا ہر پہلو صاف صاف نظر آتا ہے، مستند روایات نے کتاب مین تاریخ کا رنگ پیدا کر دیا ہے اور آغا رفیق جیسے مشہور انشا پرداز کے زور قلم نے تاریخی واقعات مین اور بھی چار چاند لگا دیے ہین کاغذ نفیس کتابت وطباعت دیدہ زیب ضخامت ۱۵۲ صفحہ قیمت ۱ر

ملنے کا پتہ نجات بک ایجنسی بجنور یوپی،

اعظمی

نوٹ:۔ ماہ گذشتہ کے رسالہ مین بحر قلزم کے عنوان سے جو مضمون شایع ہوا ہے اس کے مترجم جناب منور لکھنوی ہین، غلطی سے آپ کا نام نہ شایع ہو سکا امید ہے کہ جناب منور اس فروگذاشت کو معاف فرمائینگے۔ اڈیٹر

کلام حسرت

از نیاز فتحپوری

دلربائی تھی آشتی سے غرض — اب اُنھیں کیا بھلا کسی سے غرض
ہمسے رندوں کی ہو چکی پوری — ساقیا لطف یک شبی سے غرض
بیٹھے ہیں اُنپہ سب نثار کیے — دل سے کچھ کام ہے نہ جی سے غرض
ہمکو اُس سے نہ دل کا ہے دعویٰ — نہ گواہی نہ شاہدی سے غرض
کچھ نہیں اور عاجزی کے سوا — ہمکو اظہار عاجزی سے غرض
اُن کی تحریر خام بھی ہے عزیز — کہ نہیں ہمکو خوشخطی سے غرض
کچھ نہیں جانتے وفا و جفا — جنکو ہے آپ کی خوشی سے غرض
حنفی ہیں نہ مالکی نہ ہمیں — حنبلی سے نہ شافعی سے غرض
ہم کہ خالص ہیں پیرو اسلام — اور رکھتے نہیں کسی سے غرض
نسبت حسن یار کا ہے لحاظ — ورنہ کیا ہمکو عاشقی سے غرض
کچھ نہیں میرے حال زار کا پاس — آپ کو اپنی دلگی سے غرض
جنکی ہے حسن دائمی پہ نظر — کیا اُنھیں عشق عارضی سے غرض
ہو کے حیران کار عشق ہمیں — دل سے ہے اب نہ بیدلی سے غرض
حال ابتر ہے عاشقوں کا تو ہو — زلف جانان کو برہمی سے غرض
اب ہے اُس بندۂ تغافل کو — دوستی سے نہ دشمنی سے غرض
بخشدان خدا نہیں رکھتے — سروسامان آگہی سے غرض
رکھتے ہیں عاشقان حسن سخن — لکھنوی سے نہ دہلوی سے غرض

پاس خاطر ہے حسن خوبان کا
ورنہ حسرت کو شاعری سے غرض

تحریک اتحاد

اے ہندو مسلمانو! کیون مفت لڑ رہے ہو
اِک اک سے کیون بگڑ کر خود ہی بگڑ رہے ہو
ذلت ہو اس اکڑ مین، پھر کیون اکڑ رہے ہو
کیون اپنی کھیتی سے بسکر اُجڑ رہے ہو
حیرت ہے گرچہ یکسر برباد ہو رہے ہو
ناشادیون مین پھر بھی تم شاد ہو رہے ہو

تم کو خبر ہے تو مین ہشیار ہو رہی ہین
غفلت کی نیند سے پھر بیدار ہو رہی ہین
اب بندشون سے بالکل بیزار ہو رہی ہین
ملکر پئے بریت تیار ہو رہی ہین
ہے جائے غم، یہان تو ملکر جدا ہوئے تم
کیا ہونے جا رہے تھے، اور آہ کیا ہوئے تم

جب دفتری حکومت مجبور ہو چلی تھی
جب اُس سے اُسکی طاقت کچھ دور ہو چلی تھی
جب شمع کبر و نخوت بے نور ہو چلی تھی
جب بوئے سروسہری کافور ہو چلی تھی
اُسدم تمہارے دم سے وہ رنگ عام بگڑا
افسوس ہے کہ بنکر اس طرح کام بگڑا

چلتے نہ تم تو حالت ہوگی بتر زیادہ
پہونچے گا ملک بھر کو آخر ضرر زیادہ
دکھلائے گی حکومت اپنا اثر زیادہ
ہوگا غرض تشدد پھر سر بسر زیادہ
بڑھ جائے گا تمہارا اندوہ تلخکامی
ہوگی تمہین بھگتنی اک سخت تر غلامی

واحسرتا طبیعت اب بھی نہین بدلتی
صدیون کی بھی غلامی تم کو نہین سے کھلتی
غیرون کے سامنے گو کچھ بھی نہین ہے چلتی
آپس ہی مین مگر ہے دل کی ہوس نکلتی

غیرت نہیں ہے کم کو نام و نمود دکھو گر
رکھو گے لاج شاید اپنا وجود دکھو گر

کیوں وجہ شور و شر ہے آزادئ مذاہب دنیا میں بیشتر ہے آزادئ مذاہب
ممکن عدل پر ہے آزادئ مذاہب ہے ارتقا، اگر ہے آزادئ مذاہب

معیار مذہبی ہے صرف اتفاق ہونا
مذہب کے ہے منافی باہم نفاق ہونا

ہے اقتضائے مذہب ہم رشتگی بہم ہو اخلاص ہو وفا ہو، ایثار ہو، کرم ہو،
نظرت کی خامیوں کا گر ہو ظہور، کم ہو انسانیت کو وسعت القصہ و مبدم ہو،

انسان ہی کہاں جب انسانیت نہیں ہے
مذہب نہیں ہے جسمیں روحانیت نہیں ہے

اپنی خوشی سے کوئی ہندو ہو یا مسلمان تمکو نہیں مناسب اظہار رنج و حرمان
جو مطمح نظر ہے آنکھوں سے ہو نہ پنہاں آزادئ وطن پر ہر طرح ملکے دو جان

یہ خوب یاد رکھو جب اتحاد ہو گا
مقصد بھی بلاشک نخل مراد ہو گا

کوئی کرے جو خود ہی کچھ انضباط، کیا غم ہو سختیوں کے ڈر سے گر، احتیاط کیا غم
پیدا جو ہو ذرا بھی ہاں اختلاط کیا غم یونہی ملے کسیکو گر انبساط کیا غم

حق ہر فریق کا ہے، اصلاح اپنی کرنا
ہاں میل کے لیے ہے، مشروط خود سدھرنا

عام اتحاد کے تو، پھر ہیں وجوہ کتنے ہم ملکی کے روابط، ہم قسمتی کے رشتے
لیکن شعار ایسا ہے بہترین سب سے انسان کو سمجھے انسان، انسان ضرور پہلے

یوں سب میں میل ہو گا یوں سب میں چاہ ہو گا
یوں ہند مضطرب کے دلکو قرار ہو گا

بس اب یہی ہے لازم شر کو تمام کرنا اپنے سروں سے خارج سودائے خام کرنا

احساس فرض کرکے یکلخت کام کرنا آزادئ وطن کا جلد انتظام کرنا
ہان نام ہو جہان مین جسکہ کام ایسا
دے داد جسکی دنیا ہو انتظام ایسا

کچھ جور ہو نہ ہرگز، کچھ جبر ہو نہ اصلا افعال مین عیان ہو انسانیت کا جلوا
ہر ایک جا پہ منظر ہو امن عامہ کا آئین ہو تمہارا "سچائی اور اہنسا"
ہے طرز آشتی سے تمکو سوراج لینا
اک درس پاک یعنی کل دہر کو ہے دینا

سحر ہتکامی

کلام ناطق

(از حضرت ابو العلاء ناطق لکھنوی)

جفا کا شکوہ اے اہل وفا کیا تو مرنا تو جینے کا مزا کیا
وہ جس بیمار کی پرسش کو آئین طبیعت کا پھر اُسکی پوچھنا کیا
کمال عشق مین کیا ذکر اغیار جنون مین آشنا نا آشنا کیا
پٹ کر حسن کے شعلہ سے جل جا وہ اک بجلی ہے اُسکا دیکھنا کیا
ستم جب ہر کس و ناکس پہ ہوگا تو پھر ہم بیکسون کا آسرا کیا
اندھیرا چھا گیا آنکھون مین سب کی تجلی کا یہی تھا مقتضے کیا
فغان سے چھیڑ اگر رکھتا ہو دل تو لئے پھرتا ہے سانپ بے بعد کیا

عجب مجذوب ہے بیدل بھی ناطق
نہ جانے سوچتا رہتا ہے کیا کیا

کیٹیا کا پھول

یہ طرز دلربائی یہ شان حسن برنائی
یہ انداز دل آویزی یہ جوش جلوہ آرائی

تیری رنگین قبا ہے زینت پیراہن خوبی
جمال دلنشین تیرا ہے نقش ناز رعنائی

بسنتی رنگ تیرا مایۂ ناز لطافت ہے
تری ہر پنکھڑی سے نازکی جاتی ہو شرمائی

ستم ہے یہ تری خوبی غضب ہے تیری رنگینی
قیامت ہیں ترے انداز و سامان خود آرائی

تری رگ رگ سے کیف حسن چھن چھن کر ٹپکتا ہے
تری نس نس میں پنہاں ہیں ہزاروں رنگ رعنائی

یہ زیرا ہے کہ کرنیں پھوٹ نکلیں مہر خوبی کی
یہ رنگ زرد ہے، یا روشنی شمع زیبائی

یہ سرخی ہے جگر میں یا چراغ حسن کا گل ہے
الو کہے طرز کا ہے یا یہ خال روئے رعنائی

تری خوبی کے صدقے صد بہار دولت دنیا
تری رنگین قبا ہے رونق ملبوس دیبائی

جھلک ہے جلوۂ حسن تماشا سوز کی تجھ میں
ترے پردے میں کوئی اور ہی دنیا ہو کہلائی

ترا کھلنا کلید باب صد سامان عشرت ہو
ترے کھلنے سے پیغام بسنت آیا بہار آئی

پسند آیا ہے کیوں رنگ خزانی تجھکو عالم میں
ترے رخسار پر یہ سرسبز زردی ہو کیوں چھائی

رگیں ہیں تیری یا رگ ہائے جسم خستہ حالان ہیں
یہ زردی رخ پہ ہے یا موج رنگ روئے شیدائی

یہ کس کا غم جگر میں داغ بنکر تیرے چمکا ہے
بتا دے کچھ ہمیں اوصاف خلقت کے سودائی

شیام موہن لعل جگر بریلوی

ایک وجدانی نغمہ

ارمغان کا درخت اک چمن مین تھا لگا ہوا — چمن یہ اپنے لطف مین تھا خلد سان بنا ہوا
عجیب لطف سے تھا دان ہر ایک گل کھلا ہوا — ترانہ سنج اُسمین ایک مرغ خوشنوا ہوا

توہی توہی توہی توہی توہی توہی توہی

وہ مرغ خوشنوا تھا یا کوئی پری تھی اندر کی — تھی اُسکی نغمہ سنجیون مین اک طرفہ دلکشی
ہوئی وہ دلکو تازگی کلی ہر ایک کھل گئی — صدا یہ سنکے صوفیون کی چشم معرفت کھلی

توہی توہی توہی توہی توہی توہی توہی

یہ مرغ خوشنوا نہ تھا تھا کوئی عارف ولی — عطا کیا خدا نے تھا جسے کمال حق برسی
پڑی جو مرے کان مین اسکی سرور باطنی — صدائے خوشگوار یہ کچھ اتنی لطف خیز تھی

توہی توہی توہی توہی توہی توہی توہی

طلسم ریز اسکے قلب مین خدا کی ذات تھی — کہ روح اس پرند کی بہار کائنات تھی
مین اسپہ دل سے تھا فدا نہان وہ سمین بات تھی — رسیلا ایسا راگ تھا شکر بھی جس سے مات تھی

توہی توہی توہی توہی توہی توہی توہی

ہے عارف اسکو ماننے مین کیا کسیکو پیش و پس — مٹا چکی ہے ذہن سے یہ اپنے جسم کا قفس
نظر مین اسکی ایک ہی ہے اب وقار رخ جس — زبان کو اسکی رٹ یہی لگی ہوئی ہے ہر نفس

توہی توہی توہی توہی توہی توہی توہی

ضرور رہ چکا ہے یہ فضائے کوہ طور مین — سما چکا ہے اسکا دل خدا کے پاک نور مین
ہے یہ ایک مرغ حق پرست حلقۂ طیور مین — کہ نغمہ سنج دیکھئے ہے عالم سرور مین

توہی توہی توہی توہی توہی توہی توہی

خدا کے ذکر و فکر سے ہیں دور حضرتِ بشر نہیں ہے اسکی یاد سے پرند بیخبر مگر
منوّر اپنی سمت بھی تو دیکھ پہلے کھولکر گذر کے اب خودی سے تو یہ ذکر لازبان پر
تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی تو ہی

بشیشر پرشاد منوّر لکھنوی

کتاب

لے علم کے خزانے، اے ظرف و اقفیت قوموں نے تجھ سے سیکھی، تہذیب و حکمت
آنکھوں کی ہے بصیرت، سرمایۂ فضیلت یہ تیری ہی بدولت روپوش ہے جہالت
رٹ رٹ کے تجھکو ہمنے کھوئی ہے اپنی وحشت پڑھ پڑھ کے تجھکو ہم میں، آئی ہے قابلیت
دلچسپی کا ذریعہ، دلبستگی کی صورت تیرے سبب سے حاصل، خلوت میں بھی ہے جلوت
گھٹ جائے خرچ کرکے تجھمیں نہیں وہ دولت
جز منفعت نہیں ہے تجھسے ذرا مضرت

محمد اسمٰعیل ہاتف بدایونی

جذبات مجنون

بہ تیرے دل ناتوان میفروشم فروشم ولے بس گران میفروشم
بیا ساقیا ساغرستانِ الفت بہ یک جرعہ کون و مکان میفروشم
من آن راہ گم کردہ ام در بیابان بہ گم کردگی کارروان میفروشم
خدا آمد از حضرتِ قدس مجنون بہ ذوقِ جنونت جہان میفروشم

تصویر از حضرت بیخود

جذبات اثر

(مرزا جعفر علی خانصاحب اثر)

دلمین وہ درد نہین لذت آزار نہین
تجھ مین پہلی سی خلش کیون نگہ یار نہین

آبلہ زار تپش ہے یہ دل زار نہین
اے جنون کیا ترے صحرا مین کوئی خار نہین

خنجر و قاتل و مقتول نہ جب تک تڑپین
کھیل لڑکون کا ہے وہ عشق کی بیکار نہین

ایک نقطہ مین ہی نہین حیرتی بزم جمال
کون مشتاق ہے جو نقش در و دیوار نہین

ہان طرحدار ہے تو بھی مگر اے شاہد گل
وہ جنون خیز ترے لب نہین رخسار نہین

گھولدے جام مین ان مد بھری آنکھون کا سرور
میرے ساقی ابھی میکش ترا سرشار نہین

نہ بلا سامنے اپنے کو حیا آتی ہے
وہ خطا وار ہون رحمت کا سزاوار نہین

ہاتھ اٹھا ہی رہا سوئے گریبان اپنا
ہوش کب تھا کہ گریبان مین کوئی تار نہین

آرزؤن کا نکلنا ہے فنا ہو جانا
مدعا دل کا بجز حسرت دیدار نہین

سنگ ہستی ہے وہ دل جو نہین پارہ پارہ
کوڑھ کا داغ ہے وہ آنکھ جو خونبار نہین

خون دل مین رہے آلودہ ہر اک تار نفس
رشتہ عشق ہے یہ سبحہ و زنار نہین

اُسکا تو ہوتا ہے جس کا نہو دنیا مین کوئی
تجھسا اے دوست مصیبت مین مددگار نہین

ساز بشکستہ دل سے نہ صدا نکلے گی
چھیڑتا کیا ہے کہ ثابت کوئی اب تار نہین

خود بخود رخ پہ بکھرنے لگین زلفین اُنکی
آج بیمار کے جینے کے کچھ آثار نہین

ہم سے اک رند خرابات یہ کہتا تھا اثر
بزم ہستی مین جو ہشیار ہے ہشیار نہین

فریادِ ناشاد

از پروفیسر رام پرشاد۔ ایم اے۔ (آکسن)۔ آئی۔ ای۔ ایس

ہمارے گلشن کا کچھ نہ پوچھو نہ گل ہے اسمین نہ خار باقی
نہ اسمین کیفیت خزان ہے نہ لطف فصل بہار باقی

یہ چند دن کی ہے بات ورنہ جہان سے ہم مٹین گے ایسا
نشانِ تربت تو کیا رہے گا نہ اپنا مشتِ غبار باقی

عدم سے آکر یہان شب و روز کوئے ہستی کی خاک چھانی
ہماری آوارہ گردیون سے رہا نہ صحرا مین خار باقی

نمٹ گیا ہو کسی کا دامن تو دست تدبیر چارہ گر ہو
کرے رفو تو کہان کہان پر نہین گریبان مین تار باقی

ہے ضبط نے دل کا ساتھ چھوڑا ہوئے ہین صبر و قرار رخصت
نہ عقل باقی نہ ہوش باقی فقط ہے اک انتظار باقی

نہ لطفِ بزمِ سخن یہان ہے نہ رونقِ انجمن یہان ہے
پرانے احباب چل دیئے سب کہین پہ ہونگے دو چار باقی

مین ہون گرفتارِ دامِ ہستی مثالِ مرغِ ستم کشیدہ
نہ کوئی ہمدرد دل یہان ہے نہ کوئی ہے غمگسار باقی

اُجڑ گیا میکدہ ہمارا چرائی ساقی نے ہمسے آنکھین
نہ مے ہی ساغر مین ہے ہمارے نہ مے کا سر مین خمار باقی

ہزارون جیتے ہزارون ہارے عجیب دنیا کی کشمکش ہے
جو دیکھا ناشاد وقت آخر نہ جیت باقی نہ ہار باقی

بزم سخن

انتخاب مشاعرہ پنڈت پرتھی ناتھ اسکول کانپور منعقدہ ۱۹۵ مارچ ۱۹۲۴ء[1]

جناب اشفاق صاحب

زمانے سے اُٹھے وفا کرنیوالے — پشیمان ہین دل مین جفا کرنیوالے
کرو درگذر بخشدو جرم الفت — کہ اب منفعل ہین خطا کرنیوالے

جناب بھگوان سنگھ صاحب

مرے قتل کے بعد آئے لحد پر — پشیمان ہین اب خود جفا کرنیوالے

جناب کاشی پرشاد صاحب

ہے اجازت یہ مرے پیر مغان کی ساقی — حوض کوثر پہ رہون رحمت غفار کیساتھ
ہوچکا درد محبت کا تغافل سے علاج — تم یہ کیا کرتے ہو میرے دل بیمار کیساتھ
مین نہونگا جو نہین، لب پہ تمہارے ہوگی — روح قالب سے نکل جائیگی انکار کیساتھ

جناب فرحت کانپوری

دیکھکر عہد وفا ساغر سرشار کے ساتھ — ابر بھی جھوم پڑا فرحت غمخوار کے ساتھ
کیا خبر آگ نشیمن مین لگائی کس نے — برق چمکی تھی مری آہ شرر بار کے ساتھ
ہمصفیران چمن ذکر نشیمن نہ کرو — مانتا ہون کہ تمہین عشق تھا گلزار کے ساتھ
اک فقط حسرت پرواز قفس تک آئی — ورنہ تھے باغ مین سب مرغ گرفتار کیساتھ
دشت غربت مین کہان ہائے وہ اجڑا ہوا گھر — رو تو لیتے تھے لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ

جناب بزمی صاحب

شیشۂ دل میرا ظالم کرنہ ابتو چور چور — دیکھ پھر بچھیا ئیگا اسمین تری تصویر ہے
ابتلا جسکی ہوئی ہے انتہا اسکو ضرور — زندگی اک خواب ہے موت اک تعبیر ہے

---

[1] اس انتخاب کا ابتدائی حصہ زمانہ اپریل ۱۹۲۴ء مین شائع ہو چکا ہے۔

جناب دیا کشن صاحب رینہ شاد

تیری اس وارفتگی ذہنت کا عالم نہ پوچھ آہ میرا ہر نفس میرے لیے زنجیر ہے

جناب سید محمد عبدالرؤف صاحب گدازؔ

دم کے بدلے میرے سینے مین دم شمشیر ہے زندگی گویا کتاب موت کی تفسیر ہے

جناب ممتاز حسین صاحب بریلوی

وہ نہین آتا کبھی رہتی ہے یہ پیش نظر یار سے بہتر تو ایدل یار کی تصویر ہے

جناب لالتا پرشاد صاحب رینہ

کاش قید زیست سے آزاد ہو جاؤن مین اب ہان رہائی کیلئے اک موت ہی تدبیر ہے

جناب محمد التفات حسین صاحب

دلکو تھامے وہ چلا آتا ہے یہ کہتا ہوا تیری آہ بے اثر مین بھی عجب تاثیر ہے

مجذوب کی بڑ

ہارنے والے کبھی کافر و دیندار نہین کشتیان لڑتے ہین اب ہاتھ مین تلوار نہین
فاقہ مستی مین یہ ہو حق کہ الٰہی توبہ نشہ ایسا کہ اترنے کے کچھ آثار نہین
سب اسیران ہوس گاتے ہین صیاد کا گن کون اس بھول بھلیان مین گرفتار نہین
اپنا گھر اپنی زمین اپنا فلک بیگانہ آشنا کوئی بجز سایۂ دیوار نہین
کشتئ دل ہے کہ بازیچۂ طوفان ہوس دور تک ساحل امید کے آثار نہین
لائیگی غفلت امروز قیامت کی خبر بخت بیدار کجا فتنہ بھی بیدار نہین
وقت کی بات ہے وقت آئے تو آسان ہے سہل تو سہل ہے دشوار بھی دشوار نہین

بد دعا کرتا ہون ناحق کبھی کرتا ہون دعا
یاس کیا کیجئے جب ہاتھ مین تلوار نہین

ابوالمعانی مرزا یاس لکھنوی

علمی خبرین اور نوٹ

اُردو کی ادبی دنیا مین یہ خبر نہایت مسرت سے سُنی جائیگی کہ اکبر مرحوم کا چوتھا مجموعہ کلام عنقریب شائع ہونیوالا ہے، سنا ہے کہ یہ مجموعہ نہایت دلچسپ ہے۔ اسکی ترتیب و تنظیم ہوچکی ہے۔ خدا کرے سید عشرت حسین صاحب جلد سے جلد شائع فرمائین۔

پیشگاہ خسروی دکن سے مولوی عبدالہادی صاحب بھوپالی مولف حاشیہ تفسیر مدارک کے نام غرہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ ہجری سے پچاس روپیہ ماہانہ تنخواہ کا حکم صادر ہوا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ حاشیہ مذکور کے جتنے حصے طبع ہوتے جائین اسکے پچیس پچیس نسخے سرکار مین بلا قیمت داخل کئے جائین۔ اعلیحضرت نظام کی ادبی سرپرستی سے اُردو کی آیندہ ترقی کی بہت بڑی امید ہے۔

بابو کرشن گوپال ورمابی اے نے اشتہار دیا ہے کہ بزم بندرابن، مصنفہ بنواری لعل شعلہ مع ان کے دیگر تصانیف کے پہلے سے بہتر عمدگی کے ساتھ چھپ رہی ہے اور قیمت باوجود ان خوبیون اور ایزاد سوانح عمری حضرت شعلہ مرحوم کے صرف مبلغ ۱ روپیہ ہے۔

یورپ مین اشتہار بازی مین لاکھون روپیے صرف کئے جاتے ہین اور نئے نئے طریقون سے اشتہارات دیئے جاتے ہین۔ اب فرانس مین بجلی کے ذریعہ سے اشتہار دینے کا ایک عجیب و غریب طریقہ ایجاد کیا گیا ہے اس ایجاد سے اشتہار کا مضمون بادلون پر نمایان کیا جاسکے گا۔ اور کئی کئی میل کے آدمی بخوبی پڑھ سکینگے۔

منشی نوبت رائے نظر مرحوم کی وفات سے اُردو کی بزم سخن سونی ہوگئی ہے۔ آپ اپنے کلام کا ایک قابل قدر مجموعہ اپنی یادگار کا چھوڑ گئے ہیں شکر ہے کہ یہ مجموعہ رائے منموہن دیال صاحب ڈپٹی کلکٹر کے حسن کوشش سے زیر طبع ہے اور انشاء اللہ جلد شائع ہو جائیگا۔ کلام پر منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر زمانہ سے ایک مفصل تبصرہ لکھنے کی درخواست کی گئی ہے۔

ہمارے دوست منشی پریم چند صاحب نے ساتھ کربلا کے متعلق ایک نہایت دلچسپ و دلگداز ڈراما ہندی میں لکھا ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد یہ ڈراما اردو زبان میں بذریعہ رسالہ زمانہ شائع کیا جائیگا۔

نظامی پریس بدایون نے اسطرف اردو کی کئی قابل قدر کتابیں شائع کی ہیں۔ حال میں اس مطبع سے سرسید احمد خانصاحب کے بیش بہا خطوط کا مجموعہ مرتبہ سید راس مسعود صاحب بی۔ اے ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ دکن شائع ہوا ہے۔ اسکا حجم تین سو صفحہ ہے۔ اور اسمیں بہت سے معاشرتی۔ مذہبی اور تعلیمی مسائل پر سید مرحوم کی رائیں درج ہیں۔ اس کتاب میں سرسید کا فوٹو اور ان کے خط کا عکس بھی شامل ہے۔ قیمت ۔

اس مہینے کے رسالے میں دو تصاویر ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں۔ گریشم رت اور راگنی بھیرون۔ زمانہ قدیم کے ہندوؤں نے موسیقی کو علمی حیثیت سے درجہ کمال تک پہونچالیا تھا۔ اور تمام راگ راگنیوں کی خیالی صورتیں قایم کرلی تھیں۔ بھیرون راگنی کا جو دلاویز تصور راگ ورنگ کے نامور اُستادوں نے باندھا ہے اسکی ہلکی سی جھلک اس تصویر میں نمایاں ہے جو اس نمبر کے ساتھ نذر ناظرین ہے۔

ہندوؤں نے سال میں چھ رتیں قایم کی ہیں۔ گریشم رت بسنت رت کے بعد اور برکھارت کے پہلے ہوتی ہے گویا گرمی کا موسم ہی گریشم رت ہے۔ جب دن کو گرم و تیز ہوا چلتی ہے۔ رات کو شبنم نہیں گرتی آسمان اکثر غبار آلود رہتا ہے۔ ندی نالوں کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور جنگلی پودے اور گھاس خشک ہو جاتی ہیں تپن پر خاک جمع ہو جاتی ہے اور پیاس کی شدت ہوتی ہے رات کو کھلے میدانوں میں سونا اسی زمانہ میں نصیب ہوتا ہے اور پہاڑوں اور باغوں میں سیر کا لطف اسی موسم میں آتا ہے۔

زمانہ

جلد ۴۲ جون ۱۹۲۴ء نمبر ۶

تعمیری نظام

تحریک ترک موالات نے ہندوستان مین سیاسی ترقی کی رفتار بہت تیز کردی ہے، وہ باتین جو ناممکن معلوم ہوا کرتی تھین دیکھتے دیکھتے ممکن ہوگئی ہین عظیم الشان قربانیون نے جماعت سے غصب کردہ حقوق واپس دلانے مین اپنا معجزہ دکھایا ہے۔ ہندوستان اور ہندوستانی اب وہ ذلیل الفاظ نہین رہے جو آج سے چند سال پہلے تھے۔ گو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ تاہم بزرگان ملک متفق ہین کہ اچھا بہترین ذریعہ ترک موالات یا اُس سے ملتے جلتے اصول کار ہین۔

یہ تو رہی سیاسیات کی ترقی لیکن اگر ہم دیکھین کہ سیاسیات کو چھوڑ کر تمدن حال کے باقی شعبون پر اس خاص تحریک کا کیا اثر ہوا۔ یا اس ضمن مین اسکے جان نثارون نے کیا کارنامے کئے تو ہماری امیدین درمیان مین ہی منقطع ہو جاتی ہین۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تعمیری نظام کی طرف بہت ہی کم توجہ کی گئی ہے۔ اس سے میرا یہ مدعا نہین ہے کہ قوم پرستون کے اس قابل احترام گروہ نے اس ضرورت کو محسوس ہی نہین کیا۔ یا محسوس کرتے ہوئے ارادتاً اسطرف توجہ نہ کی۔ یا اور باتون کو زیادہ ضروری سمجھا نہین ان بنیاضون نے اسیات کی اہمیت کو خوب جانچ لیا تھا۔ کوشش بھی کی کہ تخریب کے ساتھ ہی تعمیر بھی جاری رہے اور قومی نرسی کے عالیشان قصر کی روسی اینٹین اور خراب لکڑی نکالکر ان کی جگہ اچھے اور مضبوط اجزا لگائے جائین۔ رونا تو صرف یہ ہے کہ انکا ہاتھ بٹانے والے کوئی سامنے نہ آئے۔ ہر انقلابی تحریک مین یہ ہوا کرتا ہے کہ عوام الناس کے محسوسات پر اثر ڈالا جاتا ہے چونکہ تخریب قدرتاً آسان ہے اس لیے عیات عامہ کا اسطرف رجحان

طبعاً زیادہ ہو جاتا ہے، اسمین اکابران قوم کا کیا قصور - ہان اگر اسکے ساتھ ہی ایک گروہ ایسا نکل آئے جو ہمیشہ تعمیر کا کام جاری رکھے - تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے پر تمام سامان اقامت درست ہوتا ہے اور ملک کے انتظام و ترقی مین کوئی دقت پیش نہین آتی - بدقسمتی سے ہندوستان کی ترقی کی جدوجہد مین برعکس بالا - یہ بات بہت حد تک نظر انداز کی گئی ہے - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گو حقوق کے حصول مین تو ہم ماشاءاللہ خاصی ترقی کر گئے ہین تاہم ابھی تک بہت سے ایسے اسباق سیکھنے ہین جن سے ہم آیندہ مہذب اقوام دنیا مین کوئی امتیاز حاصل کر سکین گے

آپ ایک منٹ کے واسطے تصور کر لین کہ ہمنے اپنی انتہائی خواہشات حاصل کر لین اور وہ مطالبہ پورا ہو گیا جسکا تقاضا شد و مد کے ساتھ ہر ہندوستانی کر رہا ہے - کینیڈا کا مسئلہ بھی ہمارے حسب خواہش طے ہو گیا ہے - مسلمانون کے ٹھیس لگے ہوئے دل کو بھی سکون ملا - مظالم پنجاب کی بھی تلافی ہو گئی وہ گورنمنٹ بھی ظہور مین آگئی جو بجائے انگریزی پارلیمنٹ کے ہندوستانی مجالس قومی کے جواب دہ ہو گی

مگر کیا یہ سب باتین حاصل کرنے کے ساتھ ہی ہندوستان اس قابل ہو جائے گا کہ وہ اپنے پیرون پر کھڑا ہو سکے مین انگریزی تعلق قایم رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق اسوقت بحث نہین کرتا - میرے مقصد کا حصول ان چھوٹی چھوٹی بندشون سے آزاد ہے میرا سوال صرف یہ ہے کہ کیا سوراج حاصل ہوتے ہی ہم اس قابل ہو جائینگے کہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام عالم کی صف مین ممتاز جگہ حاصل کر لین - قبل اسکے کہ آپ جلدی مین اسکا جواب دے جائین ذرا مفصلۂ ذیل سوالات کی اہمیت پر غور کر لین -

(۱) کیا آپنے اس بات کی پوری کوشش کر لی ہے کہ وسائل ملکی کی ترقی کی رفتار مستقل رہے

(۲) کیا آپ نے تجارت خارجہ کے اصول کو سمجھکر وہ رکاوٹین ہٹا دی ہین جو اسمین حائل ہین - یا آیندہ ہونے والی ہین -

(۳) کیا آپنے اس طرف پوری توجہ کی ہے کہ حفاظت ملکی اور تحفظ سلطنت کے وہ تمام ذرایع جو ہر ایک قوم کو اچھی طرح سیکھنے لازمی ہوتے ہین آپ بھی کما حقہٗ سیکھ لین -

(۴) کیا آپ نے تعلیم عام کا مسئلہ حل کر لیا ہے -

(۵) کیا آپ نے ملک کے کثیر التعداد حصہ آبادی یعنی زراعت پیشہ لوگون کے وسائل آمدنی کی ترقی پر برابر توجہ صرف کیا ہے -

(۶) کیا آپنے فرد و رون کے حالات پر کافی غور کیا ہے۔

(۷) کیا آپ نے مختلف مذاہب کی روحانیت برقرار رکھنے کے وسائل سوچ لیے ہین۔

یہ چند باتین منجملہ اور ون کے قابل غور ہین۔ مین مانتا ہون کہ سیاسیات کی دوڑ دھوپ کے شور و شغب مین بھی بعض دور مین حضرات ایسے ہین جو مذکورہ بالا باتون مین گہری دلچسپی لے رہے ہین۔ یہان تک کہ انہون نے کسی ایک خاص مد کو اپنا نصب العین زندگی قرار دے رکھا ہے اور اپنے اپنے رنگ مین وہ تھوڑا بہت کام تعمیری نظام کا کر رہے ہین۔

لیکن تیس کرور سے متجاوز انسانون کے مسکن ہندوستان کے واسطے محض اتنی تگ و دو کافی نہین۔ ضرورت ہے تعلیم عمل کی اور اسباب کی تکمیل کے واسطے ضروری ہے کہ موالاتی سوراجی۔ لبرل۔ نوآرتی کی بحث اسی حد تک قایم رہے جہانتک وہ اصول پرستی پر مبنی ہو۔ تعمیری نظام مین حصہ لیے ہوئے ہر پولیٹیکل گروہ ایک دوسرے کے دوش بدوش چلے۔ جہان کتر بیونت کی ضرورت ہو وہان بعض پرانی ٹہنیان کاٹ دینے سے درخت مین مضبوط اور مفید شاخین نکل آوین گی۔ ایسا کرتے ہوئے آپسمین لڑنے جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم کسی سیاسی خیال کے ہون۔ آخر ہندوستانی ہین۔ تو پھر یہ فروعات پر تُو تُو مین مین کیسی۔ کاش کہ ہم اب بھی اس نکتہ کو سمجھ لین۔ اگر ایک موالاتی آج سائمن کا ایک کالج کھولنے کا ارادہ ظاہر کرے تو تارک موالات کو کیا ضرورت کہ وہ اُسکی گردن مارنے پر تیار ہو جاوے ہر وہ تحریک جو کسی صورت مین ملک کے واسطے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اسوقت تک بلا مزاحمت رہنے دی جاوے جبتک کہ اُسکی موجودگی سے فائدہ پہنچنا بند نہ ہو جائے۔ اصلاح کی بسا اوقات ضرورت ہوتی ہے مگر اصلاح کا نام باہمی جنگ و جدال نہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم اس آشتی کے اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لین تو پھر یہ سمجھ لیجے کہ سیاسی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی تمدنی ترقی بھی ہوتی جاویگی۔

ہندوستان کی تہذیب پرانی اور قابل فخر ہے نہ صرف ہم بلکہ غیر بھی ہماری کھوئی ہوئی عظمت کے معترف ہین۔ بادر نمکان ہمکو عزیز ہے، تو غیرون کے واسطے بھی کچھ کم قابل احترام نہین۔ لیکن محض پرانی عظمت کا تذکرہ ہی ہمکو اس قابل نہ بنا دے گا۔ کہ ہم اپنی ہستی باعزت طور پر برقرار رکھ سکین۔

زمانہ بدل گیا۔ اور بدل رہا ہے دنیاوی عزت کا معیار اور تمدنی ترقی کا راستہ بدل گیا تو پھر ہمپر بھی لازم ہے۔ کہ "چلین ہم اُدھر کہ جدھر ہو ہوا کا" موجودہ تہذیب کو ناقص بتلا کر پھر اُسی پر عمل پیرا

ہونا کہانتک درست ہو سکتا ہے۔ ادھر تو ہم بالکل مغربی رنگ مین سیاسی جدوجہد جاری رکھین اور ادہر کہین کہ ہمارے واسطے موجودہ طرز تعلیم طرز حکومت، طرز معاشرت طرز تمدن سم قاتل ہین، خود ہی انصاف فرمایئے کہ یہ کہان تک درست ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مین پہلے عرض کر چکا ہون۔ اصلاح کی کی ضرورت اکثر اوقات محسوس ہوتی ہے۔ بیشک ہر اُس چیز مین جو مغربی ہے۔ اپنے خیالات اور حالات کے مطابق اصلاح کرین جو مفید ہے اُس سے بالکل احتراز کرین لیکن چونکہ انھین باتون سے ہمین واسطہ پڑتا ہے اسلئے ہم اندھا دھند انجام سے بیخبر ہو کر ایک قدم بھی شاہراہ ترقی پر نہ اُٹھائین۔

تعمیری نظام کی اسوقت ہندوستان کو سخت ضرورت ہے مین نے مختصر چند اصناف عرض کی ہین جنپر ہمکو فوری توجہ کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر مین پہلی شق کو لیتا ہون اس مین ہمکو کئی باتین ایسی یلنگی جنکی طرف ہمنے ابھی تک خیال نہین کیا۔ ہر مہذب ملک آجکل اپنی طاقت پر نازان ہے۔ گذشتہ جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہی قوم دنیا مین اپنا لوہا منوا سکتی ہے جو زمانۂ جنگ و زمانہ صلح مین اپنی پوری طاقت کا اظہار کر سکے سائنس ایک ایسی چیز ہے جسکو سیکھکر اقوام عالم سرفراز ہو رہی ہین۔

ہندوستان ابھی تک اس سے غافل ہے۔ اسوقت ایک صنعتی اور سائنٹفک کالج کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے لیڈر اول تو خود اس کام کو کرین۔ اور اگر ہم مین اتنی استطاعت نہین تو گورنمنٹ کو مجبور کرین لیکن اس دوسری صورت مین مجھے تو کوئی حوصلہ افزا کامیابی نظر نہین آتی۔ ہماری کمی تو اُسیوقت پوری ہوگی جب ہم خود بلا امداد وغیرہ اس قابل بن جاوین کہ وسائل ملکی کی ترقی کے راز کو سمجھ لین اسیطرح باقی باتین ہین۔ اور ایسی کئی اور جن کی نسبت مفصل کسی آیندہ وقت عرض کرون گا۔ اسوقت تو میرا مدعا یہی ہے کہ ہم زیادہ توجہ تعمیری نظام کیطرف کرین فرقہ بندی کا تنکا رہونے سے بچین۔ اور اپنی اپنی جگہ ہر ہندوستانی افرادی طور پر یا مجموعی حیثیت سے یہ کوشش کرے کہ وہ سوراج کی منزل مقصود تک پہونچنے پر ملک کو اس قابل بنا دے کہ ہم غیرون کے محتاج نہ رہین۔ مشورہ یا امداد اور بات ہے۔

چودھری نذیر احمد خان بی ایس سی ایل ایل بی

طالسطائی

طالسطائی سرزمین روس پر ایک زبردست شخصیت کا انسان گذرا ہے۔ اسکی تعلیم سے روس مین انقلاب عظیم کا باعث ہوئی بلکہ ساری دنیا کیلئے مشعل ہدایت ثابت ہوئی۔ اسکے مقلد و مرید تقریبا دنیا کے تمام شایستہ اور مہذب ممالک مین موجود ہین۔ اسکے اصول کی پابندی اور اقوال کی تائید و تبلیغ کے لیے یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہرون مین متعدد انجمنین اور سوسائٹیان قائم ہین مہاتما گاندھی اور ان کے ہمصفیرون نے جنوبی افریقہ مین اس متبرک ہستی کے مقدس نام سے ٹالسٹائی فارم قائم کیا تھا جہان اس فرشتہ صفت انسان کی مقالات و تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پیہم کوششین کیجاتی تھین بذات خود مہاتما گاندھی طالسطائی کے سرگرم مقلد ہین۔ کیونکہ مہاتما جی کی ستیاگرہ کا اصول طالسطائی کی تعلیم کا قابل تقلید جزو ہے۔ ترک موالات کی اس تعلیم کا لب لباب اور اصل یہ ہے کہ "لاپروائی کے ساتھ موالات کرو" اور یہی تعلیم مہاتما جی کے اصول ترک موالات کی ہے۔

یہ قابل ستایش ہستی ۲۰ اگست ۱۸۲۸ء کو ملک روس کے شہر تولا کے قریب موضع یاسنا پولیانا مین وجود پذیر ہوئی۔ خوش قسمت تھی شہزادی میری اور شاہی خاندان کے رکن کاونٹ نکولس تھین طالسطائی جیسی برگزیدہ ہستی کے والدین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مگر افسوس کہ آسمان ادب و تمدن کا نجم رخشان اور اپنے مستقبل مین دنیا کو مشعل ہدایت دکھانیوالا تو نہال ابھی صرف تین ہی سال کا تھا کہ شہزادی میری کا سایہ اسکے سر سے اٹھ گیا۔ اور ۹ سال کی عمر مین والد بزرگوار کے ظل عاطفت سے بھی محروم ہوگیا۔ اب پرورش کا بار اسکی چچی پر پڑا اور بڑے بھائی نکولس نے اسکی تربیت و پرداخت مین نمایان حصہ لیا۔ نکولس کے علاوہ طالسطائی کے دو بڑے بھائی اور تھے ایک کا نام ڈمیٹری تھا اور دوسرے کا سرجیس۔

عالم طفولیت مین طالسطائی کے بشرے سے یہ غیر معمولی آثار ہویدا نہ تھے جس نے آگے چلکر

دنیا کا سب سے بڑا لیڈر اور رہنما بنا دیا۔

عالم طفولیت میں وہ اکثر کسی عمیق غور و فکر میں غوطہ زن رہا کرتا تھا اعتکاف پسندی گویا اسکے خمیر میں تھی اور کنج عزلت میں وقت گذارنا اسکا معمول تھا۔ اسوقت طالسطائی کو تصنع اور نمائش کا بھی شوق تھا اسکو اپنے جسم کی خوبصورتی کا بہت خیال رہتا تھا۔ باایں ہمہ وہ سلیم الطبع تھا اور متانت سے ہر مسئلہ پر غور و فکر کا عادی تھا

تعلیم کے ابتدائی منازل طے کرکے نوجوان طالسطائی ۱۸۴۳ء میں کازان یونیورسٹی میں داخل ہوا شروع میں اسنے شرقی زبانوں کا کورس لیا لیکن امتحان میں ناکامیاب ہونے پر دوسرے سال قانون کا نصاب لے لیا قانون میں اسنے کچھ ترقی کی مگر طبیعت اسطرف بھی رجوع نہ ہو سکی۔ اسکا آزاد اور فکر دوست نیچر اسوقت کے طریقہ تعلیم سے مطمئن نہو سکا اور اس کی سوشل زندگی میں ایک عظیم انقلاب واقع ہوا۔ شہر قازان اسوقت رقص و سرود تھیٹر، و تماشون اور دیگر منویات کا مرکز بنا ہوا تھا وہانکی یونیورسٹی کے متمول طلبہ بھی ہر قسم کے عیش و آسایش میں حصہ لینے پر مجبور تھے طالسطائی پر بھی اسکا نمایاں اثر پڑا وہ بھی عیش پسند بن گیا تھا۔ حتی کہ وہ اکثر کالج کے بعض لکچرون سے غائب ہو جایا کرتا تھا۔ امتحان میں بھی وہ ہمیشہ کم نمبرون سے پاس ہوا تھا لیکن وہ ان مضامین کا نہایت دلچسپی سے مطالعہ کرتا تھا جو اسے بالطبع پسند تھے۔

جب ۱۸۴۳ء میں طالسطائی کا بڑا بھائی نکولس تحصیل علم سے فارغ ہو گیا تو طالسطائی بھی اسکے ساتھ گھر لوٹ آیا گھر آکر طالسطائی خاموش نہ بیٹھا۔ اس وقت اسکی فرشتہ طینت انسان غلامی کی قیود اور اپنی ہمجنسون کی شدید تکالیف کی تاب نہ لاسکا اور حتی الامکان شکست کی تدابیر میں منہمک ہو گیا چنانچہ اسنے ایک معمولی ناول "ایک زمیندار کی صبح" AMORNING OF A LANDED PROPRIETOR لکھا۔

پھر وہ تفریح کی غرض سے پٹرو گریڈ (سینٹ پیٹرس برگ) چلا گیا وہان جاکر اسکی زندگی امیرانہ عیش پسندیون، اور مخرب اخلاق نشاطات ایٹیون میں گھر گئی۔ وہ لہو لعب میں مستغرق ہو گیا اور لہو لعب بھی کیسے؟ تاش کھیلنا قرض لینا اور اسے فضولیات میں صرف کرنا وقت کو بیکار ضائع کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی حالت میں اسکی روح کو راحت اور اطمینان کیونکر نصیب ہو سکتا تھا طبیعت اور خیالات میں یکسوئی کیونکر پیدا ہو سکتی تھی۔ کبھی وہ یونیورسٹی کے امتحانات پاس کرنے کی طیاری

کرتا کبھی دوسری ولایتوں کی سیر کا شوق دامنگیر ہوتا اور کبھی فوجی خدمات ادا کرنے کا عزم کرتا غرض یہ کہ اسوقت نوجوان طالسطائی عالم عنفوان مین شباب کی گوناگون ولولون اور بوقلمون کرشمون سے مسحور ہوکر جوانی کے بہاؤ مین بہا چلا جا رہا تھا۔ دفعتًا اسکی زندگی مین ایک غیر معمولی تغیر رونما ہوا۔ یعنی اپریل ۱۸۵۱ء مین نکولس جو کاکیشش کے توپخانہ مین ملازم تھا رخصت پر گھر آیا اور یہ دیکھکر کہ طالسطائی کی طبیعت کا رنگ روز بروز بدل رہا ہے۔ اپنے ساتھ لیجانے پر آمادہ ہوگیا۔ طالسطائی نے بھی اس تجویز کو بخوشی منظور کرلیا کیونکہ وہ ایسے موقع کا خود متلاشی تھا چنانچہ اختتام رخصت کے بعد دونون بھائی کوہ قاف کی طرف روانہ ہوگئے۔

بھائی کی صحبت کے اثر نے طالسطائی کے دل مین فوجی کارگذاریون کے جذبات موجزن کردیئے اسلیے وہ طفلس کے فوجی اسکول مین داخل ہوگیا اور وہان کا امتحان بھی پاس کرلیا اسکے بعد ایک ناول لکھنا شروع کیا جسکا نام لڑکپن تھا۔ (BOY HOOD) اُسکو ختم کرکے پٹرسبرگ کے ایک خاص ماہوار رسالہ مین اشاعت کی غرض سے روانہ کردیا۔

اڈیٹر نے اس ناول کو نہایت شکریہ کے ساتھ شائع کردیا۔ طالسطائی کی زندگی مین یہ پہلا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ اس ناول کی اشاعت کے بعد اُسنے لے کرلیا کہ اسکی زندگی کا خاص مرکز دائرہ ادب ہوگا جس رسالہ مین یہ ناول شائع ہوا تھا وہ نہایت ہی وقیع تھا اور ملک کے تمام پُرزور اور مستند اہل قلم اسکے قلمی معاون تھے۔

کوہ قاف کی سیر سے سیر ہوکر اُسنے فوجی خدمات سے استعفےٰ دیدیا۔ ابھی استعفےٰ منظور بھی نہوا تھا کہ کریمین جنگ چھڑ گئی۔ جو روس اور انگریزون اور فرانسیسون کے مابین تھی۔ طالسطائی کے بہادرانہ جذبات بھڑک اُٹھے اسنے اپنا استعفےٰ واپس لے لیا اور میدان جنگ مین معرکہ آرا ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اسوقت وہ فوجی امتحان اعلیٰ پاس کرچکا تھا۔ اسلیے وہ سواسٹوپول کے مشہور قلعہ مین افسر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔

طالسطائی نے اس جنگ عظیم مین صدہا انسانون کو مرتے کٹتے دیکھا میدان جنگ کے خوفناک مناظر کا اسکے دل پر ایک خاص اثر پڑا۔ چنانچہ اسکا ناول جنگ و امن (WAR & PEACE) انھین واقعات سے پُر ہے جسمین میدان جنگ کے سانحات کا ذکر نہایت موثر اور دلکش پیرائے

مین درج ہے۔ طالسطائی ہرگز ان واقعات کو خوبصورتی سے نہ لکھ سکتا۔ اگر وہ بچشم خود ان کا شاہد نہ رہ چکا ہوتا۔ جب ۱۸۵۵ء مین سواستوپول کا قلعہ نیست و نابود ہو گیا تو یہ خبر لیکر طالسطائی دارالسلطنت پہونچا اور وہان سے اپنے وطن مین جاکر فوج سے ہمیشہ کے لیے مستعفی ہو گیا۔

اسکے بعد اسکو غیر ممالک کی سیر کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور وہ انواع و اقسام کی تکالیف سفر برداشت کرتا ہوا پیرس پہونچا لیکن وہان کی تہذیب دیکھکر دنگ ہو گیا۔ دوران قیام پیرس مین اسنے ایک شخص کو (جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی) گلوٹن[1] سے قتل ہوتے دیکھا۔ اس عبرت انگیز منظر سے طالسطائی بہت متاثر ہوا اسنے پیرس کو خیرباد کہا اور سوئٹزرلینڈ کی راہ لی جو یورپ کا کشمیر ہے۔ قدرتی مناظر کے اس آستانے پر لوگ دور دراز ممالک سے سجدہ ریزی کے لیے آتے ہین چنانچہ طالسطائی نے بھی یہ فریضۂ شوق ادا کیا اور پھر جرمنی ہوتا ہوا اپنے وطن لوٹ آیا اور یاسنایا پولیانا مین اپنی زمینداری کی نگہداشت کرنے لگا۔ دوسرے سال وہ ادبی کانفرنس کا نمایندہ منتخب ہوا اور اب روز بروز اسکا درجہ ادبیات مین بلند ہونے لگا۔

طالسطائی انہین مشاغل مین منہمک تھا کہ اسکے بڑے بھائی نکولس کا انتقال ہو گیا، اس غیر معمولی صدمے اسکو دلکو سخت رنج پہونچا۔ لیکن اسکی نچلی طبیعت نے اس موقع سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ یعنی وہ موت کے لاینحل مسئلہ پر غور کرنے لگا اور یہی مسئلہ اسکے لیے ایک موضوع دلچسپ بنگیا

اسی درمیان مین روس کا زار نکولس اول بھی راہی عدم ہوا اور الگزنڈر دوم زار ہوا جنگ کریمین سے ملک کی حالت نازک ہو رہی تھی ہر طرف سے رفارم کی آوازین بلند ہو رہی تھین تمام اخبارات رعایا کے مطالبہ سے پُر ہوتے تھے۔ صدہا نئے اخبارات جاری ہو گئے۔ دلون مین جذبات کے سمندر اُمنڈنے لگے اور ٹوٹے ہوئے قلوب مین بھی خوشگوار امنگین پیدا ہونے لگین۔ نئے زار نے جب سلطنت کی باگ ہاتھ مین لی تو لوگون کی متجسس نگاہین رفارم کی امید مین اسکی جانب اُٹھنے لگین۔

---

[1] گلوٹن ایک خاص قسم کا آلہ ہے جو اپنے فرانسیسی موجد کے نام سے مشہور ہے، یہ اگر انسان کی گلے پر رکھدیا جاتا ہے اور کاغذ کاٹنے والی مشین کی طرح اوپر سے چھری گر کر گردن اڑا دیتی ہے (فرحت)

خاص ریفارم جنکے لیئے لوگ سخت مضطرب تھے کسانون کی آزادی تھی ۴۰ لاکھ کسان غلامی کی سخت زنجیرون مین اسیر تھے۔

بیچارے کاشتکار اپنے آقا کے مزرعون مین سخت کاوش اور جانفشانی سے کام کرتے تھے اور کھیت کے ساتھ یہ بھی فروخت ہوجاتے تھے۔ کھیت کا مالک کسان کے ساتھ حسب خواہش برتاؤ کرتا تھا ظلم و تعدی کی کوئی حد نہ تھی۔ ایسے امراء قدرتاً اس ریفارم کے سخت مخالف تھے گر الگزنڈر نے بڑے بڑے زمینداروں کی ایک انجمن قائم کی آخر تین سال کی متواتر کوششون اور بحث و مباحثہ کے بعد کسانون کی آزادی کا اعلان کردیا گیا۔

نئے قانون کے مطابق رہائشہ کاشتکارون اور زمینداروں کو باہمی صلح قائم کرنیکے لیے جابجا پنچ اور ثالث مقرر کیگئے تھے طالسطائی بھی تھا کاشتکارونکی ہمدردی کی وجہ سے اکثر لوگ اس سے برگشتہ ہوگئے کیونکہ زمیندار کاشتکارونکو خائف دینا چاہتے تھے اور طالسطائی کے سامنے اُن مخالطون کی کچھ وقعت نہ ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ سرکار کے پاس طالسطائی کی شکایتین پہونچے لگین اور اُسکو ایک سال کے اندر ہی مستعفی ہونا پڑا۔

پنچایت کی ذمہ داریون سے فارغ ہونے ہی طالسطائی نے تعلیم کا کام اپنے ہاتھون مین لیلیا اور اپنے گاؤن مین ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کردیا۔ تعلیم سے اسے فطرتاً مناسبت تھی یورپ کے مختلف شہرون کی سیاحی مین اسنے طریقہ تعلیم کا بغور مطالعہ کیا تھا چنانچہ اپنے مدرسے کا اصول ان سب سے الگ رکھا۔ اس اسکول کے معلمین کو سخت تاکید تھی کہ وہ نہ تو لڑکون کو انعام دین اور نہ سزا بلکہ اگر ہوسکے تو وہ طلبا پر اخلاقی اثر ڈالین۔ طالسطائی لڑکون مین آزادی اور از خود کام کرنے کی خواہش پیدا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسکا خیال تھا کہ بچے قدرتاً سامنے کی چیزون کے متعلق غور کیا کرتے ہین اور نئی باتین دیکھنا چاہتے ہین وہ کہا کرتا تھا کہ جو بات بلا کسی جبر یا دباؤ کے ذہن نشین ہوتی ہے وہی قائم رہتی ہے۔ اساتذہ صرف ان کے رہنما ہین طلبا کو ہمیشہ آزادانہ تعلیم کا عادی بنانا چاہیئے۔

بدقسمتی سے یہ تعلیمی سلسلہ زیادہ دنون تک جاری رہ سکا کیونکہ کچھ دنون کے بعد طالسطائی بیمار ہوگیا اور تبدیل آب و ہوا کی غرض سے باہر جانا پڑا اسکی عدم موجودگی مین پولیس نے اُسکے مکان کی تلاشی لی اور بغاوت یا سازش کے متعلق کچھ بھی نہ ملا تاہم گانون کے

سادہ لوح لوگ اس سے بہت زیادہ خائف ہوگئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ مدرسہ بند ہوگیا۔ لیکن اسکول کی بدولت روسی زبان میں بہت سی درسی اور مفید کتابوں کا اضافہ ہوگیا۔

طالسطائی نے (بعمر ۴۲ سال) ۱۸۷۴ء میں شاہی طبیب کے خاندان کی ایک دوشیزہ سے شادی کی اور اپنے وطن یاسنا پولیانہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوگیا۔ اب پھر اسنے ادبی مشاغل میں کوشش شروع کی اور ملک میں ایک مستند ناول نویس کی حیثیت حاصل کی۔ اسی سلسلہ میں اسنے اپنا بہترین ناول رینا کورین لکھا جو دنیا کی مشہور کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جب ۱۸۸۱ء میں روس میں سیاسی انقلاب عظیم برپا ہوا اور ۱۳ مارچ کو شورش پسندوں نے وہاں کے زار الگزینڈر دوئم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تو اس پرجوش ادیب کا دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسنے دیکھا کہ لوگوں نے زار کو قتل کر دیا۔ اور حضرت عیسےٰ مسیح کے احکام اور نصائح کی کچھ وقعت نہیں کی بلکہ الگزینڈر سوم بھی ان مقدس وعظ و احکامات کے برعکس قتل کرنے والوں سے سلوک کر رہا ہے۔ چنانچہ اسنے زار کو اسکے متعلق ایک طول طویل خط میں لکھا۔ کہ جور و تشدد اور ریفارم کی کوشش ناکام ہوئی اسلیے اب استقلال سے غصہ کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔ مگر زار کی طرف سے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

اسی دوران میں وہ کچھ عرصہ کے لیے ماسکو چلا گیا وہاں کے باشندے دو طبقوں میں منقسم تھے ایک طبقہ جفاکش مفلس و مفلوک الحال شکاروں کا تھا۔ دوسرے طبقے میں کامل و مکمل سست آرام پسند متمول شامل تھے موخر الذکر طبقے کی تمام عیش و راحت کا دارومدار اول الذکر طبقے کی محنت و رنج پر منحصر تھا اس انکشاف سے طالسطائی کے دل کو سخت چوٹ لگی اور اسکا دل رحم کے جذبات سے بھر گیا۔ اس وقت ماسکو میں مردم شماری شروع ہونے والی تھی۔ طالسطائی نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اپنی خدمات اس خطہ کی مردم شماری کے لیے پیش کیں جسمیں غریب و تنگدست طبقے کے افراد آباد تھے۔

اس مردم شماری کے تجربات کی بنا پر طالسطائی نے ایک کتاب تصنیف کی WHAT SHALL WE DO THEN? اس کتاب میں اسنے ان غریبوں کے حالات پُر درد نہایت پُر اثر پیرائے میں تحریر کیے ہیں۔ اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ سوشل ریفارم کے لیے سوسائٹی کے اندر

سخت تغیر و تبدل کی ضرورت ہے طالسطائی کا قول تھا کہ سوسائٹی مین نزاعیان پیدا کرنیکا بہت بڑا ذمہ دار روپیہ ہے جسکا اثر جبریہ طور پر دوسرون پر ڈالا جاسکتا ہے۔

اُسنے لکھا ہے کہ "اپنی اعمال پر افسوس کرو، اپنی زندگی کو نئے سرے سے ترتیب دو اپنی دولت کو غریبون کو دو یا نہ دو مگر اُن کی پُر تکلیف اور جفاکش زندگی مین حصہ ضرور لو"

تھوڑے دنون کے بعد جب وہ پھر یاسنا پولیانہ مین واپس آیا تو عوام کے سفاد اور بہبودی کے لیے چھوٹے چھوٹے قصے نہایت سلیس زبان مین لکھنا شروع کیے جو نہ صرف روس بلکہ اور ممالک مین بھی وقعت اور دلچسپی کی نظر سے دیکھے گئے باوجود ان تمام خدمات کے طالسطائی نے اپنی زندگی کا معمول تبدیل نہ کیا۔ وہ غریبون کے ساتھ لکڑیان کاٹتا پانی بھرتا اور خود اپنا ہی بنایا ہوا جوتا پہنتا وہ دیہاتیون کی طرح سے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر پیدل ہی سفر کرتا لکڑی کاٹکر غریبون یتیمون اور بیواؤن کو تقسیم کرتا، غرض ہر طرح غریبون کی اعانت مدنظر رکھتا۔

وہ روس کا کاونٹ تھا لیکن غریبون کے دکھ درد مین شریک ہوکر ان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو ساری عمر باعث فخر سمجھتا رہا۔

اُس زمانہ کی روسی گورنمنٹ نے طالسطائی کی کتب کو غیر قانونی۔ باغیانہ اور شورش انگیز قرار دیکر اُن کی اشاعت اور تبلیغ بند کردی مگر بیرونجات مین ان کی اشاعت بڑی وقعت اور آزادی کے ساتھ ہونے لگی۔ جابجا ان کے تراجم ہونے لگے طالسطائی کے مضامین پڑھکر اکثر حضرات کو اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا جب اسکے سوانح زندگی اخبارات مین شائع ہوئے تو اسکی عزت اور بھی بلند تر ہوگئی۔ بس ہے کہ زار روس بھی طالسطائی کو قابل عزت خیال کرنے لگا۔ حالانکہ پولیس اسکی تصنیف کردہ کتابون کے پیچھے پڑی رہتی۔ اور ان کے شائع کرنیوالون اور فروخت کرنیوالون کو سزائین دیجاتین۔ لیکن طالسطائی پر دست درازی کرنے کی ہمت وہان کی گورنمنٹ کو کبھی نہ ہوئی۔

جب انقلاب پسند اور فتنہ انگیز لوگون نے الگزینڈر دوم کو قتل کر ڈالا اور پھر بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا تو اُنھین اپنی سوسائٹی کو ترتیب دینے کے لیے غیر نانک کی تقلید کرنی پڑی اسوقت روس کے نوجوان سیاسی معاملات کے علاوہ سوشل اور مذہبی اصلاحات کی طرف بھی متوجہ

ہوئے اور طالسطائی ان کا رہنما اور لیڈر سمجھنے لگے۔ اس نئی تحریک کی بدولت صدہا امیر اور رؤسا غریب کسانوں کے ساتھ رہنے لگے اور صدہا لوگوں نے فوجی خدمات ادا کرنے کا عہد و پیمان قطعاً توڑ دیا اور اسوقت سے غیر عملی مخالفت یا ستیاگرہ کی بنیاد پڑی جسکی بدولت دنیا میں طالسطائی کا درجہ نہایت بلند ہوگیا اور جسکی تقلید سے مہاتما گاندھی نے ہمارے ملک کی سیاست میں انقلاب روح پھونکدی۔

جب ۱۸۹۱ء میں روس میں قحط پڑا تو طالسطائی نے اپنے دلی جذبات سے متاثر ہوکر بھوک سے مرنے والوں کسانوں کی مدد کرنا شروع کی۔ اسوقت صوبہ ریان سے زیادہ تکلیف میں تھا اسلئے وہ اپنی دو بیٹیوں اور ایک بھتیجی کو ساتھ لیکر وہاں گیا۔ اگرچہ اسکے پاس صرف سات سو روپیہ تھے مگر اسنے لوگوں کو کھانا تقسیم کرنا شروع کردیا یہ خبر فوراً چاروں طرف پھیل گئی بیگم طالسطائی نے اخباروں میں اپیل شائع کرائی اور ہر طرف سے اچھی اچھی رقمیں موصول ہونے لگیں طالسطائی کے اہل خاندان بھی کسی نہ کسی صورت میں قحط زدوں کی خدمت کرنے لگے۔ اور صدہا لوگوں نے انکی پیروی کی۔ اسوقت اسنے ایک کتاب تصنیف کی جسکا نام ہے "خدا کی سلطنت تمہارے اندر ہے" THE KINGDOM OF GOD WITH IN YOU اس کتاب میں نظام سلطنت کی سخت مخالفت کی گئی تھی۔ روسی سرکار نے اسکی اشاعت قطعاً بند کرادی اور طالسطائی کو انارکسٹ (باغی) کا خطاب مل گیا مگر اسکی انارکزم یا بغاوت خونریز نہ تھی اسکا قول تھا کہ انسان میں قدرتاً محبت اور راستی کے خدائی قوانین ودیعت ہیں اسلیے انکی مضبوطی کے لیے انسان کے تحریری قوانین کی ضرورت نہیں۔

روز بروز طالسطائی کا اثر عوام کے دلوں پر زیادہ ہونے لگا طالبہ اور مزدور اسکو فرشتہ سمجھنے لگے اسنے ایک کتاب "رزریکشن" اور لکھی جسمیں عیسائی مذہب اور روسی حکومت پر تنقید کی اسپر پادریوں نے اسکی تکفیر کا فتوی دیا اور غلط اصولوں کی اشاعت کا جرم لگاکر مذہب سے خارج کردیا ماسکو میں جب یہ خبر پہونچی تو وہاں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوگیا۔ طالسطائی حسب معمول اس دن بھی سیر کرنے گیا تھا۔ راستہ ہی میں لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ اسکے سامنے نہایت عاجزی سے اظہار ہمدردی کرنے لگے اسکے گھر پہونچنے سے پیشتر بیسیوں ڈیپوٹیشن اظہار ہمدردی کیلئے

آچکے تھے رفتہ رفتہ ان خطوط اور تاروں کا ڈھیر لگ گیا جو اظہار ہمدردی کے لیے اس کے پاس آئے تھے۔

اس فتوے کے جواب میں اسنے ایک مضمون لکھا جسمیں عیسائی مذہب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار صاف صاف کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ میں صرف یہی نہیں منظور کرتا کہ میں گرجا سے منحرف ہوں بلکہ میں یہ بھی اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اپنے تئیں عیسائی کہنے میں بھی ہچکچاتا ہوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اس نام سے کہیں راستی پر پردہ نہ پڑ جائے۔ راستی مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے اور اس سے مجھے کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی۔

اسّی سال کی عمر میں لوگوں نے طالسطائی کی سالگرہ بڑی دھوم سے منانے کا ارادہ کیا لیکن اُسکے مخالفین نے مشتہر کیا کہ طالسطائی دہریہ (خدا کی ہستی سے منکر) ہے اسلیے اسکی عزت کرنا گناہ ہے دیان کی گورنمنٹ نے بھی اسکی تائید کی لیکن ان الفاظ کے ساتھ کہ ایک ادبی ذی وقار کی حیثیت سے عزت افزائی کیجا سکتی ہے اسپر خود طالسطائی نے اعلان کیا کہ اُس دن کوئی جلسہ نہو۔ بلکہ صرف خدائے تعالیٰ سے رحمانگی جائے سالگرہ کے دن تمام اخبارات میں اسکی تصویر اور حالات زندگی شائع ہوئے۔

زندگی کے آخری حصہ میں وہ اپنے خیالات و اصولوں پر غور و خوض کرنے میں غلطاں و پیچاں رہا کرتا تھا۔ اور اسنے بارہا گھر بار ترک کر دینے کا ارادہ کیا لیکن اسکو بھی خود غرضی سمجھکر اس سے باز رہا کیونکہ ایسا کرنے سے اُن کے گھر والوں کو روحانی تکلیف ہوتی آخر اسنے یہ طے کر لیا کہ جبتک اسکے لیے گھر میں رہنا بالکل ناممکن نہو جائے وہ مکان سے قطع تعلق نکریگا

۱۸۹۷ء میں اسنے ایک خط اپنی بی بی کے نام لکھکے لفافہ میں بند کیا اور لفافہ کی پشت پر لکھدیا کہ میری وفات کے بعد دیا جائے۔ اس خط میں اسنے اپنے خیالات کے مطابق مکان اور دنیا ترک کر دینے کے وجوہات بیان کیے تھے۔ بالآخر اسنے ۱۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو گھر چھوڑ دینے کا عزم مصمم کر لیا۔ صبح اُٹھتے ہی اپنی زوجہ کو ایک خط لکھا پھر اپنی لڑکی سیشا اور اپنے دوست ڈاکٹر مکوٹسکی کو جگا کر روانگی کی مدد سے اسباب باندھا پھر ایک ڈاکٹر کے ساتھ اسٹیشن پر پہونچکر گاڑی میں سوار ہو گیا اور گاڑی چل نکلی لیکن اسکی تندرستی قطعاً سفر کے

قابل زحمتی شروع سفر ہی سے تکلیف کا آغاز ہوا۔ سردی کے اثر سے بخار آگیا راستہ مین طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ اور اسکے ہمسفر ڈاکٹر نے اسکو اسٹایو دوگاؤن کے اسٹیشن پر اتار لیا۔ آخر اسی اسٹیشن پر ۳۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو دنیا کا یہ بہت بڑا رہنما ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہوگیا۔

جے، ین، فرحت کانپور

"موت کے راز سے محبت کا راز قوی تر ہے"

"نیک ہونے سے خوبصورت ہونا بہتر ہے، لیکن بدصورت ہونے سے نیک ہونا ہی بہتر ہے"

"مرد اتنا ہی نیک بن سکتا ہے جتنی اسے صحت ملے، عورت اتنی ہی بد ہوسکتی ہے جتنی وہ جرأت کرسکے"

"عورت کا قیاس جب صحیح نکلتا ہے تو وہ اُسے ہدایت پر مبنی سمجھتی ہے"

"حسن نام ہے اپنی نظر کا لیکن کیا لوگ اس لحاظ سے نابینا نہین ہوتے"

"جو اظہار محبت عورت کی نگاہ سے پیدا ہوتا ہے اس مین کبھی دھوکا بھی ہوتا ہے کیونکہ اسکی نگاہون کی یہ کیفیت بسا اوقات فطری ہوتی ہے"

"کتنی حیرت کی بات ہو کہ باوجود اس علم کے کہ انسان ہر لمحہ مین مرسکتا ہے لوگ جینے کے لیے مرتے ہین"

گناہ کی اُجرت اُسیوقت حاصل ہوتی ہے لیکن اسکی قیمت خوفناک ہے جو بعد مین ادا کرنی پڑتی ہے"

"اسکردا لمڈ"

امداد باہمی

تحریک امداد باہمی کی جو کچھ ترقی اسوقت تک مغربی ممالک مین ہو چکی ہے یا ہو رہی ہے اسکا اندازہ ہلوگون کو نہین ہو سکتا۔ ساری دنیا مین ہندوستان ہی ایک ایسا بدنصیب ملک ہے جہان اتحاد اور امداد باہمی کا عنصر بہت کم ہے۔ ترقی کا راز اگر سچ پوچھئے تو انہین دو لفظون مین مضمر ہے۔ بغیر اتحاد اور امداد باہمی کے دنیا مین کوئی کام خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام نہین پا سکتا۔ امداد باہمی سے جو معاشی فوائد حاصل ہوتے ہین۔ اسکا اندازہ کچھ مغربی ممالک کی انجمنہائے امداد باہمی کی کارگذاریون سے ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی انجمنون کو وجود مین آئے ہوئے ساٹھ ستر سال کا عرصہ ہوتا ہے اسی قلیل مدت مین یہ انجمنین مغربی ممالک کے عام باشندون کی معاشی حالت کو درست کرنے مین اسقدر کارآمد اور معین ثابت ہوئین کہ شاید ہی کوئی اور تحریک اسقدر جلد معاشی حالت کو سدھارنے مین کارگر ہوتی۔

چنانچہ انہین انجمنون کا نتیجہ ہے کہ دیگر ممالک مین بھی اس تحریک پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جارہی ہے موجودہ حالات کو نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ انجمنین آگے چلکر نہایت درجہ مفید ثابت ہونگی۔ اسوقت تک یہ انجمنین مزدور پیشہ اور کسان طبقہ کے افلاس کو دور کرنے مین خاص طور سے معاون ثابت ہوئی ہین اور زیادہ تر انہین طبقون کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لیے قائم کیگئی تھین۔

اول اول جب یہ انجمنین قائم ہوئین تو انکو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر چونکہ ان انجمنون نے اپنا مقصد مزدور پیشہ اور کسانون کی حالت درست کرنا قرار دیا تھا اسلیئے عوام بہت خوشی سے ان مین حصہ لینے کو طیار ہو گئے۔ اور جس تندہی سے وہ ان کے لیے کام کرتے تھے شاید وہ دوسرون کے لیے نہ کرتے ہونگے یہ عام مشاہدہ ہے کہ مزدور ایسے کامون مین جسمین اجرت کے سوا اور کسی قسم کے منفعت کی امید نہین ہوتی۔ لاپروائی اور کاہلی سے کام لیتے ہین۔ مگر ایسے کام جسکا نفع و نقصان

سب انہین کے لیے ہے اسمین صدر رجسٹری لیے ہین۔ مختلف انجمنین جو اسوقت یورپ مین رائج ہین۔ یا جنکا رواج ہو رہا ہے انمین سے دو چار کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے یہ واضح ہو جائیگا کہ ان انجمنون کا آغاز کیونکر ہوا اور انکو کن کن رکاوٹون سے دوچار ہونا پڑا۔

راشڈیل پائنیر سوسائٹی (ROCHDALE PIONEER SOCIETY) جو ۱۸۴۴ء مین قائم ہوئی اپنی قسم کی سب سے پہلی انجمن ہے۔ ابتدا مین اس انجمن کی یہ حالت تھی کہ اسکی طرف کوئی توجہ بھی نہین کرتا تھا۔ اسکا وجود اسطرح عمل مین آیا کہ ۱۸۴۴ء مین راشڈیل ROCHDALE مین فلانل کی تجارت کو غیر معمولی زک پہونچی۔ مزدورون کی اجرت مین اسدرجہ کمی عمل مین آئی کہ انہین مجبوراً کام چھوڑنا پڑا۔ انہین مزدورون مین سے ۲۰ مزدورون نے کچھ رقم اکٹھا کی اس رقم سے انہون نے کسی تھوک فروش کے یہان سے شکر چائے کی خرید کرنی شروع کی۔ یہ اشیاء خود وہ لوگ خرید کرتے اور اسی نرخ سے لیتے۔ جتنے مین انہین کسی خوردہ فروش کی دوکان سے ملتین انمین محض نفع ہی مدنظر نہ تھا بلکہ اسمین یہ بھی فائدہ تھا کہ انہین بلا کسی آمیزش کے وہ چیزین دستیاب ہوتی تھین جنکا دوسری جگہ ملنا ناممکن تھا۔ اور چونکہ انجمن لین دین کے معاملات بالکل نقد تھے چاہے ممبران خرید کرین یا کوئی اور شخص سب سے نقد لیا جاتا تھا۔ لہذا تھوڑے عرصہ مین منافع ہونے لگا۔ سوسائٹی کی یہ حالت دیکھکر اور مزدور بھی اسمین شریک کار ہونے کے لیے آگے بڑھے اور روز افزون ترقی ہونے لگی یہانتک کہ ۱۸۵۸ء مین اس انجمن کے پاس ۱۲۰۹۰۰ پونڈ سرمایہ ہوگیا۔ انجمن نے اپنی مالی حالت کا اندازہ کرکے دیگر قسم کی کاروبار مین روپیہ لگانا شروع کیا چنانچہ اسی سلسلہ مین آٹا پیسنے کی چکی کھولی اور ڈبل روٹی بھی تیار کرنے لگی۔ وسعت کاروبار کا یہ نتیجہ ہوا کہ انجمن کے پاس معتدبہ سرمایہ فراہم ہوگیا۔ مزدورون کی معاشی حالت بہت کچھ سدھر گئی تھی۔ ۱۸۸۷ء مین جو سالانہ رپورٹ اس انجمن نے شائع کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ کل سرمایہ ۲۴۶۰۳۱ پونڈ تھا اور اسکے شرکا کی تعداد ۱۰۹۸۶ تھی۔ الغرض یہ انجمن اپنے مقصد مین خوب کامیاب ہوئی۔

اس مثال سے یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ انجمن جسکی ابتدا ایسی معمولی حالت سے ہوئی تھی اسکے پاس اتنی قلیل مدت مین اسقدر سرمایہ ہوگیا۔ یہ ہین امداد باہمی کے نتائج۔ اسی سلسلہ مین ایک اور انجمن کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے بخوبی روشن ہو جائیگا کہ امداد باہمی مین

کیا کیا فوائد مضمر ہین۔

انگلستان مین اشنگٹن اسٹیٹ ASHINGTON ESTATE تھی یہان کے زمیندار کا نام گارڈن تھا۔ مزدور پیشہ لوگون کے افلاس کو دیکھکر اسکے دل مین یکایک خیال پیدا ہوا کہ ان کے افلاس کو دور کرنے کی فکر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسنے اپنی آراضی کا ایک بڑا رقبہ ۱۵۰ پونڈ سالانہ کے لگان پر مزدورون کو دیدیا۔ ساتھ ہی اسکے اسنے انھین ضروری آلات زراعت بھی دیئے اور مزدورون کی ایک انجمن قائم کی اس طریق سے بہت تھوڑے عرصے مین مزدورون کے پاس اچھا خاصہ سرمایہ ہوگیا۔ یہان تک کہ اس سرمایہ سے انہون نے ضروری آلات زراعت مول لیے اور جو رقم بچی اسے دیگر ضروری کامون مین صرف کرنے لگے

اس وقت یورپ مین سب سے اہم قسم کی انجمنین وہ ہین جو کہ انجمنہائے قرضہ امداد باہمی کے نام سے موسوم ہین۔ یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کئی قسمون پر مشتمل ہین جنکے بیان کے لیے یہان گنجائش نہین۔ حال مین چند اور انجمنین قائم ہوئی ہین جنمین ایک تو جرمنی مین ہے جسکا نام

THE COOPERATIVE SALE OF LINE STOCK

دوسری ناروے مین THE COOPERATIVE OF PURCHASE OF FARM REQUISITIES کے نام سے موسوم ہے

ان انجمنون کا ذکر کر دینے کے بعد مین یہ بتلانا چاہتا ہون کہ اس تحریک کا ہندوستان پر کہان تک اثر پڑا اور کس حد تک کامیابی ہوئی اور اس تحریک کے متعلق عوام کا کیا خیال ہے۔ آیا یہ تحریک اس ملک کے پس ماندہ طبقہ یعنی کاشتکار اور مزدورون کی حالت کو سدھار سکتی ہے یا نہین قاعدہ ہے کہ جب کبھی کسی نئی تحریک کی ابتدا ہوتی ہے تو اسے مقبول بنانے کے لیے بڑی بڑی کوششین کیجاتی ہین پھر ہندوستان جیسے وہم پرست ملک مین جہان قدم قدم پر بھوت پریت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی نئے خیال یا تحریک کا گذر ہو۔ ایسا ملک جہان آپس مین ملکر کام کرنا برا سمجھتے ہون۔ جہان ہر شخص ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے پر تلا رہتا ہو بھلا وہان اتحاد و امداد باہمی کے کیا معنی جہان ہر شخص اپنے ہی فائدہ کا متمنی ہو وہان دوسرے کی بھلائی کا کیسا خیال۔ ہندوستانی یہ نہین جانتے کہ ملکر کام کرنے مین کیا کیا فوائد ہین اسی خود غرضی نے ملک کو تباہ کر رکھا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ جدید تعلیم سے وہم پرستی دن بدن دور ہو رہی ہے۔ تھوڑا بہت ہوش آ

چنانچہ اس ہوش کی تصدیق ان کی موجودہ جد وجہد سے ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس جد وجہد کا دائرہ وسیع نہین۔

امداد باہمی کا آغاز ہندوستان مین ۱۸۹۳ء سے ہوتا ہے جبکہ سر فریڈرک نکلسن خاص طور پر اس کام پر متعین کئے گئے کہ اسکی تحقیقات کرین کہ آیا امداد باہمی کی تحریک ملک کے لیے کس حد تک مفید ہوسکتی ہے۔ بعد تحقیقات کے انھون نے رائے دی کہ کاشتکارون کی مالی حالت کو درست کرنے اور انکو ساہوکارون سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کی انجمنین قائم کیجاوین۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء مین باقاعدہ ایکٹ پاس ہوا جسمین ہر صوبہ مین انجمنہائے قرضہ امداد باہمی قائم کرنے کی گورنمنٹ نے اجازت دی۔

۱۹۱۴ء مین مکلگن کمیٹی MACLIGAN COMMITTEE کی سفارش پر اس کے متعلق تجاویز پاس ہوئین جسے اس تحریک کو اور زیادہ تقویت پہونچی۔

اس تحریک کی حالت بہت امید افزا ہے مگر ابھی تک صرف انھین انجمنون کی طرف مبذول ہے۔ دیگر ضروریات کے لیے بھی انجمنین قائم ہونی چاہئین اسوقت اس قسم کی انجمنون کی بہت ضرورت ہے جو صنعت وحرفت کے اغراض کے لیے چھوٹی چھوٹی رقمین بھی دسکین اس قسم کی انجمنون کا رواج نہین ہوا۔ ساتھ ہی اسکے ایسی انجمنون کی بھی بہت ضرورت ہے جو خرید وفروخت کا کام انجام دین تاکہ عوام کو اعلیٰ قسم کی اشیا بکفایت دستیاب ہون اگر یہ تمام انجمنین ملک مین رواج پا جاوین تو لوگون کو خود بخود کاروبار کی طرف رغبت ہوگی اور ان مین کفایت شعاری کا خیال پیدا ہوگا۔ انکا سرمایہ بیکار کامون مین صرف نہوگا بلکہ روز افزون ترقی کرتا سکیگا۔ اس سے نہ صرف دولت ہی مین اضافہ ہوگا۔ بلکہ وہ اپنے معیار زندگی کو اعلیٰ بنا سکین گے۔ ان مین ایک طرح کی بیداری پیدا ہوگی۔ انکے دلون مین اپنے بچون کی تعلیم وتربیت کا بھی خیال رونما ہوگا۔

بہی خواہان قوم وملک کا فرض ہے کہ قوم کی بہبودی کے لیے جہان اور بہت سی تدابیر پیش کرتے ہین ان مین اس تحریک کو بھی شامل کرلین اور اسکو کامیاب بنانے مین حتی الامکان کوشش کرین۔

مجھے یقین کامل ہے کہ اس قسم کی انجمنین ضرور ملک کی عام افلاس کو دور کرنے مین معاون ثابت ہونگی۔ اور ایسا ہو بھی رہا ہے۔ اسکی تصدیق ہندوستان کے مختلف صوبجات کی کوآپریٹو بنکون

کی سالانہ رپورٹون سے ہو سکتا ہے۔ ذیل مین کچھ اعداد و شمار درج کرتا ہون جس سے واضح ہو جائیگا کہ اس تحریک کو اس ملک مین کس حد تک کامیابی ہوئی اس نقشے مین تمام ہندوستان کی انجمنہائے امداد باہمی کے ۱۹۰۷ سے لیکر ۱۹۲۱ء تک کے اعداد و شمار درج ہین

	۱۹۰۷ - ۱۹۱۰	۱۹۱۰ - ۱۹۱۵	۱۹۱۵ - ۱۹۲۰	۱۹۲۰ - ۱۹۲۱
مرکزی بنک	۱۰	۲۳۱	۴۰۰	۴۴۹
زرعی انجمنین	۱۷۱۳	۱۰۸۹۱	۳۶۷۱۶	۴۲۸۵۲
انجمنین برائے نگرانی	۰	-	۹۹۴	۱۱۵۰
غیر زرعی انجمنین	۱۹۶	۶۶۴	۱۶۶۴	۳۲۳۲۲
	۱۹۲	۱۱۷۰۶	۴۰۷۷۲	۴۷۵۰۳

اوپر کے نقشہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس تحریک کو ہندوستان مین روز بروز ترقی ہو رہی ہے اور انجمنون مین برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زراعتی انجمنون کی تعداد بہت ہے۔

۱۹۰۷ء مین کل انجمنین زرعی و غیر زرعی ۱۹۲۶ تھین جسکے ممبران کی تعداد ۱۶۱۹۱۰ تھی ۱۹۲۱ء مین انجمنون کی تعداد ۴۷۵۰۳ تک پہونچگئی تعداد ممبران ۱۷۵۲۹۰۴ تھی ان اعداد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تحریک بہت سرعت کیساتھ ملک مین پھیل رہی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسانون کا طبقہ اسمین دلچسپی بھی لے رہا ہے۔

کیا یہ بات قابل افسوس نہ ہوگی کہ ایسی مفید تحریک کی حمایت نہ کیجاوے۔ یہ انجمن محض قرض غیرہ اور خرید و فروخت ہی کا کام نہین انجام دیتین بلکہ بلاواسطہ عوام کو عملی سبق دیتی ہین۔ اور دولت کے پیدا کرنے اور باقاعدہ صرف کرنیکے طریقے سکھاتی ہین۔

اس تحریک کو صرف کسانون اور مزدورون تک محدود نہ رکھنا چاہیے بلکہ ملک کے دیگر افراد کو بھی اسمین شریک ہونا چاہیے۔ کیونکہ ملکی ترقی کے ذرائع ملک کے ہر فرد کے لیے یکسان اہم اور واجب الادا ہین۔

سید عزیز احمد

میر و غالب

(غالب کے دیوان جدید سے ایک غزل اور اُسی کی ہم طرح میر کی غزل مع تنقید پیش کی جاتی ہے۔ (اثر)

میر کل شب ہجراں تھی لب پر نالہ بیمارانہ تھا — شام سے تا صبحدم بالیں پہ سر یکجا نہ تھا

یہ قافیہ غالب نے نظم نہیں کیا میر نے کرب و اضطراب شب ہجراں کی لاجواب نقاشی کی ہے اب پر نالہ و دبھی بیمارانہ۔ شام سے تا صبح باوجود ضعف و ناطاقتی سر دُھنتا۔ اللہ اللہ یہ شعر حقیقت سے کسقدر بحد دش ہے اور شاعر شب ہجر کی مصوری میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں نالہ کا ضعف و نقاہت دکھانے کے بجائے اُسمیں قیامت کا زور بھرتے ہیں اسی طرح تکیہ پر ایک جگہ سر نہ ٹہنے سے جس روحانی تکلیف و بیقراری کا اندازہ ہوتا ہے ہرگز کسی مبالغہ آمیز کیفیت اضطراب دکھانے سے نہیں ہو سکتا۔

میر "شہرۂ عالم اُسے میں محبت نے کیا — ورنہ مجنوں ایک خاک افتادۂ ویرانہ تھا

غالب ای اسد رویا جو دشتِ غم میں حیرت زدہ — آئینہ خانہ ہجوم اشک سے ویرانہ تھا

شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا — غالب ایسی گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

میر نے عشق کی عظمت دکھائی ہے اور بھی دیوانے ہوئے مگر کوئی اُنکا نام تک نہیں جانتا یہ محبت کی برکت ہے کہ مجنوں تمام عالم میں مشہور ہو گیا۔ یہ شعر ضرب المثل ہونے کے قابل ہے۔

غالب کے دونوں شعر لاجواب اور ان کے خاص رنگ میں ہیں۔ پہلے شعر میں ارتقائے نفس کا نازک مسئلہ عجیب انداز سے حل کیا ہے۔ منزل معرفت تک پہنچنے کو جادۂ غم اختیار کیا۔ کیونکہ غم بہترین معلم انسان ہے۔ یہ راستہ کیسا پر ہول و پر خطر تھا اور میں اسکی مشکلوں سے ایسا اجنبی تھا کہ بھیر حیرت اور حسرت کے ساتھ خیال ناکامی سے گریہ طاری ہوا اس گریہ نے جسمیں اپنی کمزوری کا اعتراف مضمر تھا

تمام حجاب دُور کر دیئے (یہ وہ منزل ہے جہاں عقل کی سعی ختم ہو جاتی ہے اور انسان دل کو اپنا رہبر بناتا ہے۔ انٹیوشن (INTUITION) سے کام لیتا ہے۔ دشتِ پُرخار آئینہ خانہ بنگیا مجھے ہر طرف اپنا ہی جلوہ نظر آنے لگا مجھے اپنی ذات کی معرفت ہوئی جو حقیقی منشا و معرفت ہے۔ کیونکہ جسنے اپنے آپکو پہچانا اُسنے خدا کو پہچانا۔

شعر کی بندش مصرعون کا ربط تعریف سے مستغنی ہے۔ ردیف کی مضبوطی خاص طور پر قابل توجہ ہے اس خوبی سے صرف ہوئی ہے کہ بیابان کا بیکایک آئینہ خانہ ہو جانا آنکھون مین پھر جاتا ہے۔

دوسرا مقطع بھی عجیب و غریب ہے دوستون کی محبت کا تو کیا ذکر انکی سرد مہری بھی بیش بہا خزانہ ہے اگرچہ انکی کم نگاہیون سے دل خاک ہو گیا شکوہ زبان تک نہ آیا۔ سینے کے اس غبار دل مین دفن کر دیا۔ اس سے زیادہ دوستی کی قدر کیا ہو سکتی ہے۔

میر منزل اُس مہ کی رہا جو مدتون سے ہمنشین اب وہ دل گویا کہ اک مدت کا ماتم خانہ تھا

غالب دود کو آج اُسکے ماتم مین سیہ پوشی ہوئی وہ دل سوزان کہ کل تک شمع ماتم خانہ تھا

میر کے شعر مین لفظ منزل کا صرف قابل داد ہے۔ شعر مین وصل و ہجر کا حقیقی مفہوم دکھایا ہے دونون کیفیتین روحانی ہین۔ کسی عزیز مہمان کے رخصت ہونے پر گھر مین جو اداسی چھا جاتی ہے۔ اُسکو کس خوبی سے بیان کیا ہے۔ پہلے مصرع مین لفظ مہ کے تقابل سے ماتم خانہ کی تاریکی پیش نظر ہو جاتی ہے۔ شعر مین اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خوشی کی گھڑیان چاہے جتنی طولانی ہون جلد گذر جاتی ہین مگر غم کا ایک ایک لمحہ پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

غالب نے عجب دلخراش شعر کہا ہے (وہ دل سوزان جس سے ماتم خانۂ (ہستی) کی زینت تھی جو سب کا شریک غم تھا۔ آج وہ جلکر خاک ہو گیا یا بجھ گیا تو اُسپر سوا دھوین کے کوئی سوگوار نہ تھا۔ شر نہین عبرت کی زندہ تصویر ہے پہلے مصرعہ مین ایک ایسا واقعہ دکھایا ہے جس سے غالب کی دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ شمع کے گل ہونے پر جو دھوان نکلتا ہے وہ اُس دھوئین سے کثیف تر ہوتا ہے۔ جو روشن ہونے کی حالت مین برآمد ہوتا ہے اسی کو دود کی سیہ پوشی سے تعبیر کیا ہے۔

میر اک نگاہ آشنا کو بھی وفا کرتا نہین واہوئین مژگان کہ سبزہ بیگانہ تھا

غالب کو بوقت قتل حق آشنائی اے نگاہ خنجرِ زہر آب دادہ سبزۂ بیگانہ تھا

دونون اشعار کا مقابلہ کیجئے۔ غالب کا شعر تخیّل اور فارسی ترکیبون کی بے اعتدالیون کی سبق آموز مثال ہے۔ بخلاف اسکے میر کا شعر زبان مین قابلِ قدر اضافہ کرتا ہے خصوصاً "نگاہ آشنا"۔ ان دونون لفظون مین وہ مفہوم ادا ہوگیا۔ جو کئی جلدون مین بھی نہ سماتا۔ ایسی نگاہ جو سریع مگر اُسی کے ساتھ حقیقت رس ہو۔ میر کے شعر مین ہر لفظ نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے۔ سنبرۂ مژگان کا لطیف استعارہ عجب لطف دے رہا ہے۔ یہ شعر بظاہر سادہ مگر در اصل رموزِ حقیقت سے لبریز ہے۔ سنبرہ کی نشو و نما بہت جلد ہوتی ہے اتنی جلد کہ گویا ہر لحظہ وہ اپنے آپ سے بیگانہ رہتا ہے۔ یہی حال زندگانی و دنیا کا ہے جسمین ہر وقت انقلاب ہوتا رہتا ہے۔

غالب کے شعر مین لفظ کو "دکھان" پر بے اختیار اُنھین کی زبان مین "لا" بلا بکنے کو جی چاہتا ہے اس لفظ کی اُردو مین گنجایش نہین۔ غالب کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ اے نگاہِ دوست تو نے قتل کے وقت حق آشنائی فراموش کر دیا۔ تیرے زہر آلود خنجر مین سنبرہ کی سی بیگانگی ہے۔ سنبرہ و زہر مین وجہ شبہ رنگ ہے، نگاہ کی تشبیہ خنجر سے اور خنجر زہر آب دادہ "کی سنبرہ سے ظاہر ہے۔

میر — روز و شب گذرے ہے پیچ و تاب مین ہر تجھ بغیر — ہے دلِ صد چاک کس کی زلف کا تو شانہ تھا

غالب — انتظارِ جلوۂ کاکل مین ہر شامِ باغ — صورتِ مژگانِ عاشق صرفِ عرضِ شانہ تھا

میر کا شعر صاف اور مکمل ہے پہلے مصرع کا پہلو ایسا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معشوق ہر وقت محوِ آرایش گیسو رہتا تھا جسکے اتباع مین دلِ صد چاک (جو شانہ سے مشابہ ہے) ہر وقت پیچ و تاب مین رہتا ہے۔

غالب کے شعر کا یہ مطلب ہوا کہ تیرے جلوۂ کاکل کے انتظار مین باغ کا ہر شمشاد مژگانِ عاشق کیطرح شانہ بنگیا ہے عرض (مقابل طول)، حشو ثلیث ہے۔ اگرچہ بالکل بیکار بھی نہین کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ شانہ کے چاک عرض مین ہوتے ہین نہ کہ طول مین۔ ممکن ہے کہ لفظ عرض بمعنی اظہارِ حال" استعمال کیا ہو مگر یہ مفہوم بعید ہے" کیونکہ "صورتِ مژگانِ عاشق سے کوئی ربط نہین رہتا شعر مین مضمون آفرینی کے علاوہ کوئی خاص لطف نہین۔ البتہ "جلوہ کاکل" کی ترکیب دلکش ہے۔

میر یاد ایامے کہ اپنی روز و شب کی جا تھی — یاد باز بیابان یا در میخانہ تھا

غالب دہل میں بجت رسا نے سنبلستان گل کیا — زنگ شب تہ بندئ دود چراغ خانہ تھا

میر اس زمانہ کو یاد کرتا ہے کہ دیوانگی کا جوش تھا خانۂ محبت یا صحرائے عشق میں بسر ہوتی تھی میخانہ گئے ایک جام چڑھایا اور مست و بیخود ہو کر جنگل کی راہ لی۔ سرور کم ہوا، درستی پر پہونچے اور چمک کر پھر صحرا کا رُخ کیا میخانہ منزل قریب اور بیابان منزل ہجر ہے۔

غالب کے شعر کے معنے میرے ذہن میں یہ آتے ہیں کہ شب وصال معشوق کی زلفیں اسطرح بکھریں کہ ہر طرف سنبلستان نظر آنے لگا و گل کیا لفظی ترجمہ ہے "گل کرد" کا جسکے معنی پیچیدہ ہونا ہیں، زلفوں کی سیاہی شب کی تاریکی پر غالب آگئی۔ شب گھونگٹ کھا کر وہ تاریک حلقہ بن گئی جو شعلۂ چراغ کے نیچے ہوتا ہے مگر خوبئ قسمت سے اس "ظلمات زلف" میں محبوب کا چہرہ نورانی چمکتا تھا اسطرح وہ نظارۂ نور و ظلمات تکمیل پذیر ہوا جسکی مثال اگر ملتی ہے تو چراغ کی لو میں جہاں نور اور تاریکی کا اجتماع ہوتا ہے مگر نور غالب رہتا ہے۔

میر جسکو دیکھا ہمنے اس دشت کدہ میں عبث — یا پری یا خضلی یا مجنوں یا دیوانہ تھا

غالب ساحۂ بزمش کے بیک برخاستن طے ہو گیا — تب کھے صحرا غبار دامن دیوانہ تھا

لبکہ جوش گریہ سے زیر و زبر دیرانہ تھا — چاک موج میل تا پیراہن دیوانہ تھا

میر کا شعر معمولی ہے۔

غالب کے پہلے شعر میں "یک برخاستن" کی مطلق العنانی یادگار ہے۔ مطلع میں بھی کوئی خاص بات نہیں شاعرانہ مبالغہ ہے۔

میر بعد خونریزی کے مدت بے خضاب رنگین رہا — ہاتھ اُسکا جو مرے لوہو میں گستاخانہ تھا

یہ قافیہ غالب نے نہیں کہا۔ میرا خیال ہے کہ اس سے بہتر کوئی کہہ بھی نہیں سکتا لفظ گستاخانہ نے وہ کیف پیدا کیا ہے جسکا اعادہ تحریر میں ناممکن ہے

میر خبر کے کہنے سے مارا اُن نے ہمکو بیگانہ — یہ نہ سمجھا وہ کہ واقع میں بھی کچھ تھا یا نہ تھا

یہ قافیہ بھی غالب نے نہیں کہا ایسے ہی اشعار ہیں جنھوں نے میر کو خدائے سخن بنا دیا ہے اور دنیائے ادب میں ہر کہ دمہ خراج تحسین وصول کر لیا۔ بیابان و بیابان کی آخری حدیں ہیں جہاں

الفاظ اور تخیل مین اسقدر اتحاد ہے کہ ایک مین کمی یا دوسرے مین بیشی ہو تو دونون بیکار ہو جائین ایک جذبہ ہے جو مجسم اور مجسم ہو کر روح سے زیادہ لطیف ہو گیا۔

میر صبح ہوتے وہ بناگوش آج یاد آیا مجھے جگر اوا دامن پہ آنسو گو ہر یکدانہ تھا

غالب موسم گل مین مئے گلگون حلال سیکشان عقد وصل دختر رز انگور کا ہر دانہ تھا

میر کے شعر مین لطف استعارہ و حسن تعلیل ملاحظہ ہو۔

غالب نے موسم گل مین شراب کے جواز کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ دانہ انگور نے (جو حلال ہے) دختر رز سے سلسلہ قائم کر دیا نکاح پڑھا دیا۔

میر شب فروغ بزم کا باعث ہوا تھا حسن دوست شمع کا جلوہ غبار دیدۂ پروانہ تھا

غالب رات دل گرمی خیال جلوۂ جانانہ تھا رنگ روئے شمع برق خرمن پروانہ تھا

دیکھ اُسکے ساعد سیمین و دست پُرنگار شاخ گل جلتی تھی مثل شمع گل پروانہ تھا

شب ترے نالہ سحر شعلۂ آواز سے تار شمع آہنگ مضراب پر پروانہ تھا

میر نے عجب شعر کہا ہے حسن دوست سے بزم کی تجلی بڑھ گئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نور شمع دیدۂ پروانہ مین غبار دھندلا نظر آنے لگا۔ پروانہ جو شمع کا دلدادہ تھا شمع کے بجائے حسن دوست پر نثار ہونے لگا جہان گرمی محفل کا یہ رنگ ہو۔ عاشقون کے سوز و گداز کی کیا حالت ہوگی۔

غالب کے مطلع کا ماخذ میر کا شعر ہے اگرچہ الگ کرنے کی کوشش کی ہے انھون نے ایک خیالی محفل قائم کی ہے جسمین روئے جانان کا تصور برق خرمن پروانہ ہے۔ دونون مصرعون مین بہت نازک ربط ہے دلکو پروانہ اور خیالی جلوہ جانانہ کو رنگ روئے شمع سے استعارہ کیا ہے۔

دوسرے شعر کی تخیل بھی وہی ہے جو مطلع کی۔ معشوق کی ساعد سیمین و دست حنا بستہ دیکھکر شاخ گل مثل شمع اور گل مثل پروانہ جلنے لگا۔

تیسرے شعر مین بھی وہی تخیل جلوہ گر ہے۔ مگر لباس و منظر بدلا ہوا ہے۔ معشوق کے شعلۂ آواز مین ایسا جادو تھا کہ تار شمع مین وہ آہنگ پیدا ہوا جو پر پروانہ کے مضراب مین تھا۔ شمع کی رگ جان جلنے لگی اور وہ ترنم پیدا ہوا جو پر پروانہ مین شمع پر قربان ہوتے وقت پیدا ہوتا ہے۔

تینون شعر نازک خیالی و جدت ادا کی عمدہ مثالین ہین۔ مگر انصاف سے دیکھئے۔ جو حد

میر نے اپنے شعر میں قائم کر دیں ان سے آگے نہ بڑھ سکے۔

میر — رات اُسکی چشم میگون خواب میں کچھ تھی یہی — صبح سو کے سے اُٹھا تو سامنے پیمانہ تھا

غالب — شب کے تھی کیفیت محفل بیاد روے یار — ہر نظر داغ سے حال لب پیمانہ تھا

داغ مرضبط بیجا مستی سعی پسند — درد و مجمر لالہ سان دُرد تہہ پیمانہ تھا

میر کے شعر میں عجب تازگی و لطافت ہے (مین یعنی مینے اب متروک ہے)

غالب کے دونون شعرون مین اضافتون کی بہتات سے دم اُلجھتا ہے۔ ان اشعار کے سمجھنے مین بہت دماغ لڑایا جو مطلب ذہن نشین ہوا عرض کرتا ہون مگر اطمینان نہین۔ اور حضرات بھی طبع آزمائی کرین۔

پہلے شعر کا مفہوم شاید یہ ہے کہ یاد روے دوست مین اہل محفل کا یہ عالم تھا کہ نظر دہ داغ سے بن گئی تھی جو خال لب پیمانہ پر ہو یعنی ہر میخوار کی نظر ساغر پر جمی ہوئی تھی کہ دوست آکے اور ساقی گری کرے۔ ساغر نقطۂ نظر بنگیا تھا۔ [illegible]

داغ مرضبط الخ۔ پہلے دوسرا مصرع لیجئے۔ درد و مجمر لالہ کی طرح دُرد تہہ پیمانہ تھا۔ دل سوزان مجمر ہے۔ اُسکا دھوان داغ دل ہے جسطرح لالہ کے سینہ مین داغ ہوتا ہے (لالہ = آتش = درد = داغ لالہ) پھر دل پیمانہ ہے اور داغ (بوجہ کثافت) دُرد تہہ پیمانہ (شراب کی تشبیہ آگ سے۔ اور دل کی پیمانہ سے بدیہی ہے۔ درد کی داغ سے بدیع۔ مگر قرین قیاس ہے) اب پہلا مصرع لیجے۔ داغ سعی پسند (پسند کی کوشش، کی بیجا مستی (مستی بیجا) کی مرضبط ہے۔ (خاموشی اور باز رہنے کا حکم ہے) شعر کا مطلب یہ ہوا کہ مینے حقائق اشیا پر یہ امر دریافت کرنے کو غور کرنا شروع کیا کہ کون شے کس سے بہتر ہے کس کو کس پر ترجیح ہے تاکہ مین اُسی کو پسند اور اختیار کرون۔ مجھے معلوم ہوا کہ تمام موجودات عالم مثل اُس دھوئین کے ہے۔ جو مجمر سے بلند ہو رہا ہو ان کی بعینہ وہی حالت ہے جو داغ لالہ کی۔ کہ جزو لالہ ہے مگر مختلف۔ یا درد تہ جام کی جو جزو شراب ہے مگر اُس سے الگ۔ یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ کہ آگ سے دھوان کثیف تر ہے (اسی طرح سے لالہ سے داغ (باعتبار رنگ) شراب سے دُرد۔ اور یہ سب چیزین اپنی بقا کے لیے اُن اشیا کی محتاج ہین جن سے مستنبط ہین۔ اگر آگ نہو تو دھوان محال ہے [illegible] داغ کہاں سے آئے۔ شراب نہو تو تلچھٹ کہان۔ یہی غور فرمائیے کہ مثال کے لیے

غالب نے وہ چیزیں منتخب کی ہیں جنکی مشابہت دل سے ہے (لالہ و بمر، دل سوزان و داغ دل لالہ مع داغ، دل و داغ دل۔ ور دستہ پیمانہ، دل و داغ دل) یہ علم ہوا کہ ہر شے جو کثیف مادی ہے اپنی حیات و بقا کے لیے ایک لطیف جوہر کی محتاج ہے۔ اس کلیہ کا اعلان تمام مخلوقات عالم پر ہوتا ہے۔ اس احساس نے انہیں چیزوں (یعنی مجمر و لالۂ دل) کی طرح میرے دل پر بھی ہر داغ ثبت کی (درجۂ عشق حاصل ہوا) میرے ہونٹ سی دے۔ "بیجا مستی سعی پسند" پر کوشش کی مخلوق کی حقیقت کا انکشاف ہو گیا مگر خالق کی کنہ ذات سے محروم رہا جو در اصل منشا سعی تھا۔ لہذا میں اپنی کوششوں کو رائیگاں سمجھا۔ اور اپنی سعی پر نادم و شرمندہ و خاموش ہوا۔ اسقدر کوشش بلیغ کے بعد یہ خاموش اعتراف ناکامی خود ایک بلند درجہ معرفت کا ہے۔ جسکا صلہ داغ یا دوسرے لفظوں میں عشق ہے۔ غالباً اسی فلسفیانہ خیال کا دوسرا شاہد غالب کا یہ مشہور شعر ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی — چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

میر رحم کچھ پیدا کیا شاید کہ اُس بے رحم نے — گوش اُسکا شب دہر تا آخر افسانہ تھا

غالب شب کہ بادھا خوابیں آیکا غافل ز جنگ — وہ فسون وعدہ میرے واسطے افسانہ تھا

حیرت اپنی نالہ بیدرد سے غفلت نبی — راہ خوابیدہ کو غوغائے جرس افسانہ تھا

میر کہتے ہیں کہ شاید اُس بیرحم کے دل میں کچھ رحم پیدا ہو چلا ہے۔ میں اپنا فسانۂ دل کہتا رہا اور وہ بے خبر سو یا کیا مگر کروٹ اسی طرف تھی جس سے خیال ہوتا ہے کہ افسانہ میں دلچسپی لینے لگا (ورنہ پہلے تو جہاں میں نے قصہ شروع کیا وہ دوسری طرف کروٹ لیکر سو گیا)

غالب کا پہلا شعر چیستان کا حکم رکھتا ہے۔ غالباً یہ لفظ جناح کاتب کی غلطی ہے۔ شاید جناغ ہو جسکے معنی "شرط بدنا ہیں" معشوق نے مجھے خواب میں شرط بدی کہ میں ضرور آؤنگا اس وعدہ کا ایسا جادو چلا کہ پھر مجھے ہوش ہی نہ آیا ہمیشہ محو خواب رہا۔

دوسرے شعر کا مطلب شاید یہ ہے کہ نالۂ بیدرد (ایسا نالہ جو بیدرد ہے) نے میری حیرت کو غفلت میں بدل دیا حالانکہ نالہ کا مطلب یہ تھا کہ کوچ کے لیے تیار ہو جاؤ یعنی نالہ صدائے جرس تھا گو میرے افسانۂ غفلت نے راہ خوابیدہ = راستہ میں سونے والا کہ میرے حق میں نالۂ جرس

بجائے ہوشیار کرنے کے افسانہ کا کام کیا میری غفلت اور بڑھا دی۔

میر — میر بھی کیا مست طافح تھا شراب عشق کا — لب پہ عاشق کے ہمیشہ نعرۂ مستانہ تھا

غالب — جوش بے کیفی ہے اضطراب آرا اسد — ورنہ بسمل کا تڑپنا لغزش مستانہ تھا

غالب کے "جناح" یا "جناغ" سے میر کے "طافح" کا مقابلہ کیجیے۔ انہوں نے ایک غیر مانوس لفظ کو کس سلیقہ سے صرف کیا ہے۔ میر کے شعر کا مطلب صاف ہے۔ میر شراب عشق سے ایسا چھکا ہوا تھا کہ لب پر ہر وقت نعرۂ مستانہ رہتا تھا۔

غالب کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ جن کے دل میں جوش بے کیفیتی ہے (جو بوالہوس یا حقیقت ناآشنا ہیں) وہ بسمل کا تڑپنا دیکھکر مضطرب ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ رقص بسمل میں ساقی کی لغزش مستانہ کا کیف ہونا چاہیے جو اسقدر ولولہ انگیز ہو کہ ہم خود گلا خنجر قاتل کے نیچے رکھدیں۔

اثر (لکھنوی)

مہاتما گاندھی، ہر روز صبح چار بجے اٹھتے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں ختم عبادت کے بعد، موصولہ خطوط کو پڑھتے ہیں، نو بجے ناشتہ کرتے ہیں، اسکے بعد خطوط کا جواب لکھواتے ہیں، صبح سے شام تک ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، مہاتما جی ہر شخص سے اسکے مذاق کے موافق گفتگو کرتے رہتے ہیں شام کے ساڑھے چھ بجے آپ سیر کو تشریف لیجاتے ہیں اور ۸ بجے واپس آکر عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں، بعد انصراف عبادت ۱۰ بجے شب کو آرام فرماتے ہیں،

مہاتما گاندھی پہلے ہر دوشنبہ کو چپ کا روزہ رہتے تھے، اب آپنے ہر منگل کو اور پیر کو صوم سکوت شروع کر دیا ہے، سارے دن چپ رہتے ہیں، اسکے علاوہ عموماً چار گھنٹے چپ رہتے ہیں،

آزادی

اے مردو!!! تم جو اسبات پر شیخی بگھارتے ہو، کہ ہم بہادر اور آزاد باپون کی اولاد ہین
جب تک روے زمین پر ایک غلام بھی موجود ہے کیا تم حقیقی طور پر آزاد اور بہادر ہو؟
اگر تم اُس زنجیر کو محسوس نہین کرتے جو تمہارے ایک بھائی کے لیے مضرت رسان ہے۔
تو کیا تم در حقیقت غلام نہین؟ اور غلام بھی وہ ہو جو آزادی کے مستحق نہ ہو۔

(۲)

اے عورتو!!! تم جو ایکدن ایسے بچے پیدا کروگی، جو امریکہ (ہندوستان) کی ہوا مین سانس
لین گے،

اگر تم اپنی اُن بہنون کے متعلق جو قید غلامی مین ہین ایسی باتون کو سنکر جن سے خون
سُرخ لاوے کی طرح رگون مین دوڑنے لگتا ہے بغیر شرمندہ ہوئے سن لیتی ہو - تو تم اسبات
کا جواب دو!

کہ آیا تم بہادر اور آزاد بیٹون کی مائین بننے کے قابل ہو؟

(۳)

کیا سچی آزادی یہی ہے؟ کہ تم غلامی کی زنجیرون کو اپنے فائدے کی خاطر توڑ لو۔
لیکن چمڑے کے دلون سے اُس فرض کو جو بنی نوع انسان کا تمہارے ذمہ ہے۔ بھُول
جاؤ۔ حقیقی آزادی یہی ہے کہ تم بھی ان زنجیرون کو پہنو!!
جو تمہارے دوسرے بھائی پہنے ہوئے ہین۔
اور دل و جان سے دوسرون کو آزاد کرانے کی سرتوڑ کوشش کرو!

(۴)

وہ لوگ غلام ہین جو پست اور کمزور قومون کی حمایت کرنے سے ڈرتے ہین۔ وہ لوگ

غلام ہین: جو دوسرے لوگون کی حقارت اور طعن و تشنیع کے ڈر سے اُس سچی بات کی کہنے سے جو انہین ہر حال مین کہنی چاہیے باز رہتے ہین اور اسکے متعلق سکوت اختیار کر لیتے ہین۔

وہ لوگ بھی غلام ہین جو چند شخصون کا جو صراطِ مستقیم پر ہین۔ ساتھ دینے کی جسارت نہین کرتے۔

صادق ڈیرہ غازیخان

(سودل جیف رسل)

یہ باتین کرنی چاہئین اچھا خیال اچھا کام شیرین گفتگو۔

یہ باتین سیکھنی چاہئین محنت۔ استقلال۔ پختہ ارادہ۔

ان باتون کو قابو مین رکھنا چاہیے۔ اپنا غصہ۔ اپنی زبان اپنی خواہش۔

یہ باتین آدمی مین ہونا چاہئین عقلمندی۔ زندہ دلی۔ نیک چلنی۔

ان باتون سے نفرت کرنی چاہیے۔ بزدلی۔ گمنڈ شیخی۔

ان باتون کے لیے لڑنا چاہیے۔ اپنی آبرو۔ اپنا ملک۔ اپنا دوست

ان باتون کا خیال رکھنا چاہیے۔ تعلیم۔ تنظیم۔ زیبائش۔

یہ باتین اچھی معلوم ہونا چاہئین۔ صاف دلی۔ خوش دلی۔ بھلنساہیت۔

ان باتون سے دل خوش ہونا چاہیے۔ فراخدلی۔ حسن۔ خودنمائی۔

یہ باتین ترک کرنی چاہئین۔ فضول گوئی۔ فضولخرچی۔ فضول مذاق۔

(منقول)

محبت کا کھیل

(۱)

رات تاریک تھی آسمان پر چارون طرف کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی بادل کی گرج اور بجلی کی چمک نے ایک خوفناک منظر پیدا کر رکھا تھا۔ موہن اپنے خس پوش مکان مین بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا مٹی کا ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ ایک گوشہ مین کھا ہوا تھا کے تیز و تند جھونکون کا مقابلہ کر رہا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی اور بارش اپنے پورے شباب پر تھی۔ موہن کبھی کبھی دروازہ کی ٹٹی ہٹا کر باہر دیکھ لیا کرتا تھا۔ مگر تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا ہان بجلی کی چمک اس منظر تاریک کو رہ رہ کر چمکا دیا کرتی تھی موہن آج خلاف معمول اسوقت تک بیدار تھا۔ شام ہی سے اسکے دل کو ایک الجھن تھی اور باوجود کوشش کے نیند نہ آتی تھی اُسکے بشرے سے پریشانیٔ قلب کا اظہار ہو رہا تھا۔

خدا خدا کر کے بارش بند ہوئی، موہن چادر مین منہ چھپا کر لیٹ گیا۔ ابھی نیند نہ آئی تھی کہ دروازہ پر کچھ کھٹکا معلوم ہوا اور وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔

آواز آئی "کیا اس مکان مین کوئی موجود ہے۔" موہن پر خوف کے آثار طاری ہو گئے۔ اسکا دل دھڑکنے لگا مگر اُسنے ہمت سے کام لیکر دروازہ کی ٹٹی ہٹائی، دیکھا کہ دروازہ پر ایک سوار کھڑا ہے جسکا تمام جسم ایک سیاہ لبادے مین پوشیدہ ہے۔

موہن نے دریافت کیا، "آپ کون ہین اور اسوقت مجھ سے کیا کام ہے" "آیئے اندر تشریف لائے" سوار نے تشکر آمیز لہجہ مین جواب دیا "نہین مین یہان زیادہ دیر نہین ٹھہر سکتا صبح قریب ہے، اور مجھے صبح ہونے سے پہلے بہت کچھ کرنا ہے بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ اس بچہ کو دن نکلنے تک اپنے پاس رکھ لین۔ یہ کہکر اُسنے لبادہ کے نیچے سے ایک شیر خوار بچہ نکالا۔ موہن مشکوک نگاہون سے سوار کو دیکھنے لگا اور ہنوز اسکی زبان سے ایک حرف بھی نہ نکلا تھا کہ سوار نے پھر کہا، "آپ کچھ شک نہ کیجئے مین سچ کہتا

سے پہلے ہی واپس آکر اس بچہ کو آپ سے لے جاؤنگا"

بادل پھٹ گیا تھا اور ماہتاب کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی موہن نے دیکھا کہ سوار کے لباس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہین - اسکے چہرے سے مایوسی و پریشانی ظاہر ہے اور اسکی نگاہین ہمدردی کی طلبگار ہین - موہن سے انکار نہ کیا گیا اور اُسنے بچہ کو سوار کی آغوش سے لے لیا سوار نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسکا نام دریافت کیا - اور گھوڑے کی باگ موڑ کر چلدیا -

صبح ہوئی سورج نکلا، موہن نے حوائج ضروری سے فارغ ہوکر تھوڑا سا گائے کا دودھ بچہ کو پلایا اور سوار کی آمد کا انتظار کرنے لگا - شام ہوگئی رات گذر گئی حتی کہ دوسرا دن بھی ختم ہوگیا مگر سوار واپس نہ آیا - موہن اب اسکی واپسی سے مایوس ہوکر اس بچہ کی پرورش پر کمربستہ ہوگیا -

(۲)

تاج پور کی پہاڑی مین ایک چھوٹا سا موضع تھا جسمین زیادہ تر خس پوش مکان تھے اور عموماً کاشتکارون کی آبادی تھی گانون کے تین طرف مرتفع زمین تھی اور ایک جانب سرسبز و شاداب پہاڑی موہن کے کھیت اسی پہاڑی کے دامن مین تھے -

موہن اگرچہ ایک معمولی کسان تھا مگر اُسکے اخلاق اور پر خلوص ہمدردی نے گانون والون کو اُسکا شیفتہ بنا رکھا تھا - اسکی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی، بیوی کے مرنے پر (جو عنوان شباب ہی مین داغ مفارقت دیگئی تھی) اُسنے دوسری شادی نہ کی، درخدمت خلق کے واسطے اپنی بقیہ زندگی وقف کردی - اُسکے کوئی اولاد نہ تھی اسلئے گانون کے بچون ہی سے اسکو محبت تھی اور اُنھین کو وہ اپنی اولاد سمجھتا تھا -

کچھ دنون بعد موہن کے نام ایک منی آڈر آیا - کوپن پر لکھا تھا "یہ روپیہ موہنی کے واسطے ہے" آج موہن کو معلوم ہوا کہ جس لڑکی کی پرورش وہ چند ماہ سے کر رہا تھا اُسکا اصلی نام موہنی ہے، اسی طرح وقتاً فوقتاً کبھی کہین سے کبھی کہین سے موہن کے نام روپئے آتے رہے مگر بھیجنے والے کا کچھ پتہ نہ چلا

(۳)

موہنی کی عمر سات برس کی ہوئی تو موہن نے اسکو گانون کے مدرسہ مین بھیجدیا جہان اُسنے چند سال مین ہندی لکھنا پڑھنا بخوبی سیکھ لیا جب اسکی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو گھر کا کام کاج خود اپنے ہاتھ

سے کرنے لگی اور دوپہر کا کھانا تیار کر کے روزانہ موہن کے واسطے کھیت پر لیجانے لگی۔

موہن کے گھر سے کچھ فاصلہ پر ایک پیپل کا پرانا درخت تھا جسکے سایہ مین ایک چھوٹی سی کٹی بنی ہوئی تھی، یہان کسی زمانے مین ایک بوڑھا سادھو رہتا تھا جسکو مرے ہوئے مدت ہو چکی تھی مگر گانون والے آجتک اس جگہ کو متبرک سمجھتے تھے اس کٹی کے ایک طاق مین چند قلمی کتابین اس سادھو کی لکھی ہوئی رکھین تھین جنکا مطلب کسیکی سمجھ مین نہ آتا تھا۔

موہنی جب گھر کے کام سے فرصت پاتی یا دوپہر کا کھانا کھیت پر پہنچا کر واپس آتی تو اس کٹی مین جا بیٹھتی اور ان کتابون کی ورق گردانی کیا کرتی۔ موہن جب شام کو گھر واپس آتا اور موہنی کو نہ پاتا تو وہ اسی کٹی مین جاتا۔ اور اسکو کسی نہ کسی کتاب کے مطالعہ مین مصروف پاتا۔ موہن نے اکثر اسکو سمجھایا کہ ان کتابون کے دیکھنے سے کیا حاصل انکا مطلب تو سمجھ مین آتا ہی نہین، مگر موہنی کا شوق برابر بڑھتا گیا اور جسقدر فرصت کا وقت اُسے ملتا وہ انہین کتابون کے مطالعہ ہی مین صرف کرتی رفتہ رفتہ ان کا مطلب کچھ کچھ اسکی سمجھ مین آنے لگا۔ اور اسکی دلچسپی بڑھگئی۔ یہ تصوف کی کتابین تھین جنمین دنیا کی بے ثباتی، اہل دنیا سے بے تعلقی اور مالک حقیقی کا عرفان حاصل کرنے کا ذکر تھا۔

(۴)

موہن کے خود تو کوئی لڑکا نہ تھا۔ مگر گھر مین دو معصوم ہستیان موجود تھین جنمین سے ایک کا نام موہنی تھا اور دوسرے کا پریم؛ پریم موہن کے ایک قریبی عزیز کا لڑکا تھا جو اپنے باپ کی وفات پر موہن کی سرپرستی مین پرورش پا رہا تھا۔ ابتدا مین تو موہنی اور پریم ایک ساتھ رہتے تھے مگر گانون کی معمولی تعلیم کے بعد جب موہن نے پریم کو دوسرے گانون کے ایک انگریزی اسکول مین بھیجدیا تو مسلسل ملاقات کا سلسلہ قائم نہ رہا پھر بھی جب تعطیل کے زمانہ مین پریم تا چودرآتا تو اکثر موہنی ہی کے ساتھ پہاڑی پر کھیلا کرتا وہ موہنی سے دو تین سال عمر مین بڑا تھا۔ دونون کے معصوم دلون مین بچپن ہی سے محبت پیدا ہوگئی اور عمر کے ساتھ ساتھ یہ پاک محبت بھی ارتقائی مدارج طے کرتی گئی۔ آخر پریم اپنی تعلیم ختم کر کے گانون مین واپس آگیا اور مستقل طور سے وہین رہنے لگا۔

ایکدن شام کے وقت پریم اور موہنی حسب معمول چٹان پر بیٹھے ہوئے آبشار کی روانی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور دو معصوم و باغ صناعی فطرت کی موشگافیون مین مصروف تھے اسوقت پریم معمول

ے زیادہ موہنی کو خوش پاکر کہنے لگا، موہنی مین تم سے بہت محبت کرتا ہون۔ موہنی محبت کا نام سنکر
ل پڑی اور پریم کے چہرے کو غور سے دیکھکر بولی "پریم! محبت وہ محبت جسکا ہر شخص دعویدار ہے حقیقت
ن محبت نہین محبت صرف وہ ہے جسمین غرض شامل نہو دیکھو یہ پھلنا مالک حقیقی کی محبت مین جانی
ب سے روان ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ اسکی ہر موج مین محبت کی لہر ہے، اسکی
انی مین محبت کی لطیف اور پاک جھلک نمایان ہے آؤ آج سے ہم اور تم دونون عہد کرلین کہ
یامین کسی سے محبت نکرینگے بلکہ صرف محبوب حقیقی سے دل لگائینگے۔ دنیا اور اُسکی ہر شے فانی ہے
رف ذات معبود ہی باقی ہے اسلیے ہمکو صرف اُسی سے محبت کرنی چاہیئے" پریم کے دلپر کچھ ایسا اثر
اکہ اُسنے فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور دونون چٹان پر سربسجود ہوگئے۔

(۵)

موہن بیمار ہوا اور ایسا بیمار کہ زندگی کی امید منقطع ہوگئی۔ اُسنے موہنی کو اپنے پاس بلایا،
سکے سر پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور کہا۔

"پیاری موہنی مین تمہارا باپ نہین ہون" موہنی یہ سنکر چونک پڑی۔ اور حیرت زدہ
ہوکر بولی۔

"دادا، ایسی بات کیون کہتے ہو جسکو کوئی باور نہین کرسکتا، کیا تمنے مجھے بیٹی کی طرح پرورش
نہین کیا؟ کیا گانون والے مجھے تمہاری بیٹی نہین سمجھتے؟"

"ہان یہ درست ہے لیکن حقیقت مین تم میری لڑکی نہین ہو، کیونکہ میرے یہان تو ساری عمر
ین کوئی اولاد ہی نہین ہوئی۔

"اور پریم، کیا وہ بھی تمہارا لڑکا نہین ہے؟"

"ہان، پریم بھی میرا بیٹا نہین" اسکے بعد موہن نے تمام گذشتہ واقعات موہنی کو سنائے!
موہنی پر تعجب کے ساتھ رنج و غم کے آثار چھا گئے اور اُسکا خوبصورت چہرہ اور اداس ہوگیا۔

موہنی کی غمگین صورت دیکھکر موہن کے دلپر خاص اثر ہوا مگر وہ مجبور تھا اور اپنے آخری
وقت مین موہنی کو اصلی حالات بتانا ضروری سمجھتا تھا اگرچہ آج سے پہلے اُسنے کوئی بات اُسکے
متعلق نہ کہی تھی اور ہمیشہ موہنی کے ساتھ باپ کی طرح شفقت و مہربانی سے پیش آتا رہا۔

آخر اُسنے کہا "بیٹی موہنی! میری آرزو تھی کہ پریم کے ساتھ تمہاری شادی ہوتی۔ میری کل زمین اور گھر کا اثاثہ تم دونوں کے واسطے ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مین بڑی خوشی کے ساتھ جان دیتا" موہنی ابھی جواب نہ دینے پائی تھی کہ موہن کی زبان ہمیشہ کے واسطے خاموش ہو گئی۔

موہن کو مرے ہوئے چند ماہ گذر گئے، پریم ہمہ اوقات موہنی کی خدمت اور خاطر داری مین مصروف رہنے لگا اسکو اس خدمت مین ایک دلی مسرت اور روحانی خوشی حاصل ہوتی تھی موھنی کی محبت ابتدا ہی سے اسکے دلمین گھر کر چکی تھی، اور دن بدن ترقی پذیر تھی۔ وہ اکثر موہنی کے پاس بیٹھا ہوا اسکی صورت دیکھتا اور محبت بھری نگاہون کے وسیلے سے اظہار محبت کرتا رہتا موہنی یہ سب کچھ دیکھتی اور دل ہی دل مین سوچتی کہ آخر اسکا انجام کیا ہو گا۔ اگرچہ پریم کی سچی محبت کی وہ دل سے قدر کرتی تھی اور اُسکا صلہ دینا اُسکے اختیار مین تھا مگر وہ دنیا کی اس کشمکش سے آزاد رہنا چاہتی تھی۔ کیونکہ دنیا کی طرف سے اسکا دل افسردہ ہو چکا تھا۔

(۶)

سردی کے زمانہ مین صبح کے وقت پریم اور موھنی انگیٹھی کے پاس بیٹھے ہوئے سرگرم گفتگو تھے کہ دروازہ پر ایک رتھ آکر رکی اور اُسمین سے ایک حسین عورت ریشمی ساری باندھے ہوئے اُتر کر گھر مین چلی آئی۔ موہنی اسکو دیکھکر اپنی جگہ سے تعظیماً اُٹھ کھڑی ہوئی، آنیوالی عورت نے بڑے پیار سے موہنی کو گلے لگالیا اور پیار سے اسکی پیشانی کو بوسہ دیا،

موہنی دیکھتی رہی لیکن پریم نے ایک چادر زمین پر بچھا دی اور وہ دونون اُسپر بیٹھ گئین۔ حسینہ نے حسرت آمیز لہجہ مین کہا۔ "پیاری موہنی آہ مین کب سے تیرے دیکھنے کی آرزومند تھی۔ تیری تلاش وجستجو کے بعد آج تیرا پتہ ملا۔ بیٹی مین تیری مان ہون۔

"تم میری مان ہو! مین نے تو اپنی مان کو کبھی دیکھا ہی نہین"۔

"ہان ہان مین بدنصیب ہی تیری مان ہون۔ نصیب کا لکھا نہین مٹتا۔ آج پندرہ برس کے بعد مین تجھے دیکھ رہی ہون"

"اور میرے باپ کہان ہین؟"

"تیرے باپ کو مرے ہوئے مدت ہوئی، تیری عمر ایک سال کے قریب تھی جب اُن کا انتقال

"موہنی نے حسینہ کے سراپا پر غور سے نظر ڈالکر کہا۔
"مگر مین تو تمہارے جسم پر سہاگ کے نشان دیکھتی ہون"

"ہان اُن کے مرنے کے بعد تمہارے نانا نے میری شادی دوسری جگہ کر دی تھی اور ..... نا کہکر حسینہ کی زبان رک گئی حسینہ کی زبان سے یہ الفاظ سنکر موہنی کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اُسکی پیشانی بل پڑ گئے۔ اور آنکھون مین ایک نفرت آمیز چمک پیدا ہو گئی۔ وہ حسینہ کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ ئی۔ حسینہ نے بہت کچھ کوشش کی کہ موہنی کے دل سے اُسکی بدگمانیان دور کر کے اسکو اپنے ساتھ جائے مگر موہنی نے صاف صاف کہدیا کہ ایسی عورت کو جسنے اپنے شوہر سے بیوفائی کی ہو وہ اپنی ن نہین سمجھتی اور نہ اُسکے گھر جا سکتی ۔ آخر حسینہ مجبور ہو کر بادل ناخواستہ اُٹھی اور للچائی ہوئی نگاہون سے موہنی کو دیکھتی ہوئی واپس چلی گئی۔

(۷)

اس واقعہ کے بعد موہنی بالکل افسردہ و غمگین رہنے لگی۔ وہ گھنٹون منہ لپیٹے پڑی رہتی اور پنے گذشتہ و موجودہ حالت پر غور کرتی۔ پریم کی باتون مین بھی اُسکا دل نہ لگتا۔ دنیا اسکی نگاہ ن تاریک سے تاریک تر ہو گئی تھی۔ پریم کے دلپر بھی موہنی کے تغیر حال کا بہت اثر تھا وہ حتی الامکان لکو خوش رکھنے کی کوشش کرتا مگر ہمیشہ ناکامیاب رہتا۔ آخر ایک دن رات کی خاموشی و تاریکی ن موہنی گھر سے نکلی اور غائب ہو گئی۔ پریم کو اُسکی گمشدگی کا بے حد صدمہ ہوا۔ جہان تک ہو سکا ڈھونڈھ کی مگر اسکا پتہ کہین نہ چلا۔

موہنی گھر سے نکلکر سیدھی ریلوے اسٹیشن پر پہنچی اور تن بتقدیر پریاگ کا ٹکٹ لیکر گاڑی مین ار ہو گئی۔ اسوقت وہ عجیب کشمکش کا شکار ہو رہی تھی، کبھی پریم کا خیال آتا اور واپسی کی ارش کرتا کبھی گذشتہ واقعات یاد آکر اسے بیچین کر دیتے۔

اُسی گاڑی مین ایک ضعیف العمر رئیس شام بابو بھی سوار تھے وہ موہنی کی اس حالت نظر کچھ غور سے دیکھ رہے تھے۔

اگلے اسٹیشن پر گاڑی پہونچی ہی تھی کہ ایک مال گاڑی سے ٹکرا گئی۔ یہ تصادم اگرچہ بہت

خفیف تھا کیونکہ اس گاڑی کی رفتار سست تھی اور مال گاڑی بالکل غیر متحرک تاہم انجن اور کئی گاڑیوں کو نقصان پہنچا اسباب اُلٹ پلٹ گیا بعض بعض مسافر بھی زخمی ہوئے موھنی کے ڈبے کو بھی اس زور کا جھٹکا پہونچا کہ وہ گھبرا گئی۔ خدا خدا کرکے گاڑی کو سکون ہوا۔ مسافر پلیٹ فارم پر گھبرا کر اُترنے لگے۔ اسٹیشن کے سارے ملازم گاڑی کے پاس جمع ہو گئے، اسی ہنگامے میں موھنی بھی گاڑی سے نیچے اُتر آئی۔ شیام بابو نے جلدی سے قلی کو آواز دی، اسباب نیچے اُتروایا اور اس اتفاقی حادثہ سے محفوظ رہنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

موھنی ایک طرف چپ چاپ کھڑی اسٹیشن پر ایک ہنگامہ محشر برپا تھا مگر اسے اپنا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ آخر شیام بابو نے اسکی معصومانہ نظر کو پہچان لیا اور قریب جاکر بولے "بیٹی۔ کیا کوئی تیرے ساتھ نہیں" موھنی نے معصومانہ انداز سے کہا "پرماتما کے سوا کوئی نہیں" شیام بابو نے کہا اچھا تو آج سے میری دھرم کی بیٹی ہے مجھے اپنا باپ سمجھو اور میرے گھر چلو۔ موھنی اس ہنگامہ سے اسدرجہ متاثر تھی کہ سہمکر چپ ہو گئی۔ قاعدہ ہے کہ مصیبت دوستی کی کسوٹی ہوتی ہے اور مصیبت زدہ شریک مصیبت کو درست سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ موھنی کا دل بھی شیام بابو کی مخلصانہ پرستش کو بزرگانہ شفقت پر محمول کرنے لگا۔

غرض شیام بابو موھنی کو لیے ہوئے گھر پہنچے۔ مکان میں صرف پیاری شیام بابو کی بہن تھی شیام بابو نے پیاری سے موھنی کا تعارف کرایا۔ پیاری نے محبت سے موھنی کو گلے لگا لیا اور غریبانہ خلوص کا اظہار کرنے لگی۔

موھنی کو یہاں رہتے ہوئے چند ماہ گذر گئے اُسنے اپنے حسن اخلاق اور حسن خدمات سے شیام بابو اور پیاری کے دل میں کافی جگہ پیدا کرلی اور سچ مچ اس گھر کی چشم و چراغ بن گئی۔

دالان میں ایک خوبصورت تصویر آئینہ میں چڑھی ہوئی آویزاں تھی جسکے نیچے سندر بابو لکھا ہوا تھا۔ موھنی کا دل خود بخود اس تصویر کی طرف کھنچتا تھا۔ اور وہ اکثر خاموش بیٹھی ہوئی ٹکٹکی لگائے اسکو دیکھا کرتی تھی۔ جہانتک وہ غور کرتی اسکو اپنے ہی خط و خال اس تصویر میں نظر آتے، اصل میں یہ تصویر موھنی سے اسقدر مشابہ تھی کہ اگر مرد، خط و خال تصویر کے چہرہ سے نکالدیئے جاتے تو وہ ہو بہو موھنی بن جاتی، ایکدن اُسنے پیاری سے دریافت کیا کہ یہ تصویر کسکی ہے۔ پہلے تو پیاری نے ٹالا مگر آخر

موہنی کے اصرار سے مجبور ہو کر اُسنے بتایا کہ یہ تصویر پیاری کے شوہر (سندر بابو) کی ہے جو عرصہ سے لاپتہ ہے۔

(۸)

پیاری کی سہیلی تارا کی بڑی لڑکی سمرتی کی شادی ہونے والی تھی جسمین پیاری کی شرکت ضروری تھی۔ وہ موہنی کو اپنے ہمراہ لیکر تارا کے گھر پہنچی۔ جیسے ہی مکان کے اندر قدم رکھا موہنی کی نظر اُس عورت پر پڑی جو ایک سال پہلے تاجپور مین اُسکے یہان گئی تھی اور اپنے آپ کو موہنی کی ماں کہتی تھی۔ تارا کی صورت دیکھتے ہی موہنی کو گذشتہ واقعات یاد آگئے اور اُسنے پیاری سے گھر واپس چلنے کی ضد کی۔ تارا بیتابی کے ساتھ موہنی کی طرف لپکی اور اسکو اپنے سینہ سے لگا لینا چاہا مگر موہنی نے اسکی جانب سے منھ پھیر لیا تارا کا دل بھر آیا۔ اسکی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے اور اُسنے موہنی سے کہا کہ گھر واپس نہ جائے بلکہ اپنی بہن کی شادی مین شریک ہو مگر موہنی نے ایک نہ مانی اور واپس چلی گئی۔ تارا ایک چیخ مار کر زمین پر گر پڑی اور بیہوش ہو گئی۔

مراسم شادی ختم ہوئے لڑکی رخصت ہو گئی مگر تارا کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ بدستور بستر علالت پر پڑی رہی۔ ہر چند علاج ہوا مگر اسکی حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی۔ نہ کچھ کھاتی تھی اور نہ کسی سے بات کرتی تھی یا تو خاموش بیٹھی رہتی یا روتی۔ پیاری کو تارا کی یہ حالت دیکھکر بہت صدمہ ہوا اور تیمارداری کے واسطے رُک گئی۔

پیاری کو یہان رہتے ہوئے ایک ہفتہ گذر گیا مگر تارا کی حالت مین کوئی نمایان فرق نہوا آٹھوین دن صبح کے وقت تارا نے پیاری کو اپنے پاس بلایا اور اپنے شوہر کو بلانے کے واسطے کہا جب وہ آگئے تو تارا نے آنچل مین منھ چھپا کے کہا۔

"سوامی مین آپ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوتی ہون۔ موت میری سر پہ کھیل رہی ہے اور مین کوئی دم کی مہمان ہون۔ مین چاہتی ہون کہ اس آخری وقت مین اُس راز کو آشکارا کر دون جسکو آجتک میرے سوا کوئی نہین جانتا اور جسکے وجہ سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے شاید اس بھید کو ظاہر کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ جان نکلے"

آہ مین گنہگار ہون، مین نے اپنی پیاری بہن پیاری کا گھر برباد کیا اور آپ کو اپنی

جھوٹی محبت کے جال مین پھنسالیا - سندر بابو میری وجہ سے آوارہ وطن ہوا جسکا آجتک پتہ نہین
اِتنا کہکر تارا بے اختیار رونے لگی اور بیہوش ہوگئی - بڑی کوشش کے بعد تارا کو کچھ ہوش ہوا
اور اُسنے پھر کہنا شروع کیا - موہنی میری آنکھون کا تارا ہے اسے کیا معلوم کہ مین اسکی مان ہون
موت میرے سر پر کھڑی ہے اسلیے مین وہ سب کچھ کہے دیتی ہون جو میرے دل مین ہے - موہنی کو
مینے بچپن ہی مین چھوڑ دیا تھا - لیکن اماتا آجتک میرے دل مین ہے مجھے ایک خاص ذریعہ سے
سندر بابو کے اس نئی آوڈ کی اطلاع ملی تھی جو انھون نے موہن کے پاس موہنی کے لیے روانہ کیا
تھا اور مین ایک مرتبہ اماتا سے مجبور ہوکر اسی تپہ سے موہنی کے پاس گئی تھی - مگر آہ موہنی نے میری
قدر نہ کی -

"سوامی جی! پیاری بہن!! مین تم دونون کی خطاوار ہون - ہائے مین تمہین منہ دکھانے کے
کے لائق نہین بس اسقدر آرزو ہے کہ تم دونون میرا قصور معاف کردو تاکہ میری جان آسانی کے
ساتھ نکلجائے - آہ موہنی تو نے ایک مرتبہ بھی مجھے ماں کہکر نہ پکارا، مجھے کیا خبر کہ تیری جدائی مین
مین نے کسطرح زندگی گذاری، کاش اسوقت تو میری آنکھون کے سامنے ہوتی - اچھے سوامی مجھے
معاف کرو، پیاری بہن! میری خطاے درگذر کرو - دیکھو میرا دم گھٹا جاتا ہے اور مین تمہاری زبان سے
"معافی کا مژدۂ جان بخش سننے کی مشتاق ہون پیاری موہنی سے کہدینا کہ وہ بھی مجھے معاف کرے
اور اگر کبھی سندر بابو آجائین تو ..... " یہ کہتے کہتے تارا کی زبان بند ہوگئی آنکھین
پتھرا گئین اور وہ ہمیشہ کے واسطے خاموش ہوگئی -

(۹)

پیاری اور تارا بچپن سے ایک ساتھ کھیلی تھین ان کے مکان ایک ہی محلہ مین تھے - شیام
بابو اور سندر بابو بھی ہم عمر اور ہم سبق تھے اور یہ چارون اکثر ایک جگہ کھیلا کرتے تھے - تارا پیاری
کی بہ نسبت حسین تھی - اسکی شوخی اور تیزی طبع نے بچپن ہی مین سندر بابو کو اپنا گرویدہ بنالیا
تھا - وہ پیاری کے مقابلہ مین ہمیشہ تارا کو ترجیح دیتا اور اسکی تعریف کیا کرتا دونون کی عمرون کے
ساتھ ساتھ محبت بھی بڑھتی گئی - یہانتک کہ دونون ایک دوسرے کے پرستار بنگئے - جوان ہونے
پر اگرچہ وہ پہلی سی بے تکلفی باقی نہ رہی مگر اکثر و بیشتر دونون اپنی اپنی محبت کا اظہار کیا کرتے

تھے۔

سندر بابو کی نسبت پیاری کے ساتھ ہوئی اگرچہ اُسنے اسکی بہت کچھ مخالفت کی مگر تقدیر کا نوشتہ مٹ نہین سکتا والدین کے خوف نے اسکو مجبور کردیا شادی ہوگئی لیکن پیاری کی تسلی پوری نہ ہوئین ادھر پیاری پریشان تھی، اودھر سندر بابو کشمکش مین مبتلا تھے۔ ایکدن موقع پاکر پیاری نے سندر بابو کے قدمون پر گر پڑی۔ اور اپنی محرومی قسمت کا سبب پوچھا بچپن کی محبت اور دلداری یاد دلائی مگر سندر بابو نے بجز خاموش رہنے اور حسرت آمیز نگاہون سے دیکھنے کے کوئی جواب نہ دیا۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے اندر ہی سندر بابو اور تارا غائب ہوگئے۔ وہ گھر سے نکلکر بنارس پہنچے جہان تارا کے بطن سے موہنی پیدا ہوئی۔ موہنی ابھی سال بھر کی بھی نہ ہوئی تھی کہ تارا کی طبیعت نے پلٹا کھایا وہ رات دن سندر بابو کو طعنے دیتی اور برا بھلا کہا کرتی اور آخر کار ایکدن سندر بابو کی عدم موجودگی مین موہنی کو چھوڑکر وہان سے چلدی اور ایک خط لکھکر رکھ گئی جسمین سندر بابو کو برا بھلا لکھا تھا کہ اب مری تلاش نہ کرو میرا دل دنیا سے بیزار ہوچکا ہے۔ سندر بابو کو تارا کے غائب ہوجانے سے بہت صدمہ ہوا۔ شہر بھر مین اسکی تلاش کی مگر تارا کا نشان نہ ملا، مجبور ہوکر موہنی کو لیکر چلدیئے اور اسکو موہن کے سپرد کرکے خدا معلوم کہان چلے گئے۔ تارا اپنے گھر پہنچی اسکے والدین نے ابتک اسکی گمگشتگی کو پوشیدہ رکھا تھا اور آخر اسکی شادی دوسری جگہ کردی

(۴)

تارا کے مرنے کے بعد پیاری اپنے گھر واپس آئی اور موہنی سے سب واقعات دوہرائے اور اسکو پیار کیا، اور کہا کہ اب صرف موہنی ہی سندر بابو کی حقیقی یادگار اُسکے پاس ہے۔ موہنی کو جب معلوم ہوا کہ راز افشا ہوگیا تو وہ افسردہ و پژمردہ رہنے لگی۔ پیاری اور شیام بابو ہر طرح اسکی دلجوئی کرتے مگر موہنی کے دل سے خوشی مفقود تھی۔ وہ اس دنیا مین خوش رہنے کے لیے پیدا ہی نہوئی تھی۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے موہنی کو پریم کی یاد آئی۔ اُسکی محبت اور اپنی بے وفائی کا خیال کرکے وہ کانپ اُٹھی، اُسی حالت اضطراب مین اُسنے ایک خط لکھا۔

"پیارے پریم! مین جانتی ہون کہ تم مجھے ضرور یاد کرتے ہوگے مین تمہین یقین دلاتی ہون کہ تمہاری محبت ہنوز میرے دل مین ہے۔ آہ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب ہم دونون بہاڑی پر کھیلا کرتے تھے۔ ہائے پریم تم مجھے بیوفا اور احسان فراموش کہوگے اور تمکو کہنا بھی چاہیے۔ مین نے واقعی تمہاری سچی محبت کی قدر نہ کی اور تم سے بے وفائی کی مگر قسمت مین ایسا ہی لکھا تھا۔ اب میرا دل زندگی سے سیر ہو چکا ہے، دنیا مین میرے واسطے مصیبت ہی مصیبت ہے مین ایسی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتی ہون۔ تم بھی اب مجھے اپنے دل سے بھلا دو مین اپنی مصیبت کی داستان اسوقت تمکو سنانا نہین چاہتی اور نہ میرے پاس اسقدر وقت ہے کہ مین اپنی پوری سرگذشت لکھون۔ مین اپنا پتہ بھی نہین لکھتی تاکہ تمکو میری جستجو مین اپنا وقت ضائع نہ کرنا پڑے۔ اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی شاید مین اس دنیا سے گذر جاؤن۔ ہان آنا جاہے دیتی ہون کہ آخری وقت تک تمہاری محبت کو اپنے دل سے لگائے رکھونگی۔

تمہاری بے وفا موہنی

پریم موہنی کے ملنے سے ناامید ہو چکا تھا، اُسنے سمجھ لیا تھا کہ موہنی اب دنیا مین موجود نہین ہے اور اسلئے وہ اسکی طرف سے مایوس ہوکر زندگی کے دن گذار رہا تھا موہنی کی یاد اکثر اسے ستاتی اور وہ دل مسوس کر رہ جاتا۔ اُسنے بھی موہن کی روش اختیار کر لی تھی اور اسکی طرح گانون والون کی خدمت کرتا اپنا شعار بنا لیا تھا۔

جسوقت موہنی کا خط پریم کو ملا اُسکا جسم خوشی سے کانپنے لگا۔ مضمون پڑھکر بے اختیار رونے لگا اُسنے بار بار خط کو پڑھا، اسکی تمنا تھی کہ کسی طرح اپنی زندگی مین ایکبار موہنی کو دیکھ لیتا۔ مگر کوئی تدبیر سمجھ مین نہ آئی آخر بے چارہ خاموش ہوکر بیٹھ رہا۔

(۱۱)

رات کے دس بج چکے تھے، آسمان ابر آلود تھا اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، پریم اپنے گھر مین تنہا بیٹھا ہوا سر بزانو اپنے خیالات مین مستغرق تھا۔ آج خلاف معمول اسکے دلکو ایک نامعلوم قسم کا اضطراب تھا۔ موہنی کی یاد خصوصیت سے اسکو ستا رہی تھی اور وہ بار بار ٹھنڈی سانسین بھر رہا تھا۔

یکایک دروازے پر کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی پریم چونک پڑا اور کان لگاکر غور سے سننے لگا نرم و نازک لہجے میں کسی کے کراہنے کی آواز آنے لگی، پریم اپنی خلقی ہمدردی سے مضطرب ہوکر باہر نکل آیا دیکھا کہ ایک عورت دروازہ پر پڑی ہوئی دم توڑ رہی ہے۔ پریم اسکو اُٹھاکر اندر لیگیا اسکے جسم سے بھیگی ہوئی چادر اُتار کر کمبل اوڑھایا اور انگیٹھی میں آگ بھرکر اُسکے پاس رکھدی اب اُسنے اُسکے چہرہ کو غور سے دیکھا اور بیساختہ چلا اُٹھا "موھنی آہ پیاری موھنی!! تم کہاں! موھنی کے جسم میں گرمی آچکی تھی اُسنے آنکھ کھولکر تشکر آمیز اور شوق انگیز نگاہیں پریم کے چہرہ پر ڈالیں اور لبوں پر ایک خفیف مسکراہٹ نمایاں ہوگئی پھر نحیف آواز میں کہا،

" پیارے پریم! تم میری زندگی سے ناامید ہو چکے ہوگے۔ تجھے میری جدائی میں واقعی تکلیف اُٹھائی ہوگی، آہ! میری سچائی نے تمہیں بھی ناشاد و نامراد رکھا، میں تمہاری ہوں اور شکر ہے کہ پھر تمہارے پاس آگئی۔ اب تمکو گھبرانے کی ضرورت نہیں میں بڑی مشکلوں سے تم تک پہونچی ہوں آج میری زندگی کا آخری دن تھا۔ لیکن میں ارادہ کرچکی تھی کہ مرنے سے پیشتر تم سے ضرور ملونگی چنانچہ خدا نے کامیاب کیا۔ پریم میں اپنی کہانی تمہیں سناؤنگی۔ لیکن اسوقت زہر کا اثر، پریم میں کیا کہہ گئی نہیں نہیں میری زبان سوکھ رہی ہے سر پھٹا جاتا ہے میں سونا چاہتی ہوں پریم مجھے پانی پلادو اب اگر میں دنیا میں رہوں گی تو تمہاری ہوکر رہونگی، ورنہ معاف کرنا: یہ کہکر کمبل سے منھ لپیٹ کر سو رہی۔

پانی زور سے برسنے لگا جو پنڑی کہیں کہیں سے ٹپکنے لگی۔ پریم اپنے آپے میں نہ تھا۔ موھنی کی باتوں نے ہوش و حواس میں برہمی پیدا کر رکھی تھی زہر کا نام یاد آتا تو اسکی طرح افسردہ ہوجاتی اور وہ ایک مایوسی کے عالم میں جھونپڑی سے باہر سر نکالکر دیکھنے لگتا۔ رات کا وقت بارش کا زور، باہر سے بھی کسی امداد کی توقع نہ تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ موھنی نے اپنی مسموم زندگی کے خاتمہ کے لیے سنکھیا سے مدد لی تھی، وہ ایک مستقل مزاج عورت تھی اُسنے پریم کو خط لکھتے وقت ہی ارادہ کرلیا تھا کہ وہ جلد اس دنیا کو چھوڑ دیگی۔ اسلئے اپنی رائے میں کوئی ترمیم نہ کی۔ ہاں صرف اتنا اضافہ کردیا کہ مرنے سے پیشتر پریم کو دیکھ لے۔ چنانچہ وہ شام بابو کی نظر بچاکر ایک روز گھر سے نکلی اور دن بھر کے تھکا رہ سفر کے بعد، اس پہاڑ کے دامن میں پہونچگئی جہاں پریم مسکن گزین تھا۔ نرم و نازک عورت

اور پھر دن بھر کی تھکی ہوئی ایک جھاڑی میں چھپکر سو رہی تھی آنکھ کھلی تو طبیعت نڈھال تھی بدن تھکان سے چور ہو رہا تھا اسنے آسمان کیطرف دیکھا اور ساڑی کے آنچل سے سنکھیا کی پڑیہ کھولکر جلدی سے پھانک گئی۔ اب تاریکی پھیل چکی تھی بارش کا سامان زیادہ ہوتا جاتا تھا موہنی قدم اٹھاتی ہوئی پریم کے مکان کیطرف بڑھی جھونپڑی کے سامنے زمین چکنی تھی دفعتاً پاؤں پھسلا اور وہ گر پڑی۔

اسوقت موہنی چارپائی پر منھ لپیٹے پڑی تھی پریم کی حالت عجیب تھی وہ چاہتا تھا کہ موہنی کو جگا کر اُس سے باتیں کرے کمبل ہٹانا چاہتا لیکن اسکی علیحدگی کے خیال سے ہمت نہ پڑتی۔

ابھی صبح نہوئی تھی کہ پریم نے اضطراب قلب سے مجبور ہوکر موہنی کے چہرہ سے کمبل ہٹا ہی دیا۔ لیکن موہنی کے بجائے ایک بیجان مجسمہ تھا۔ شانہ ہلایا مگر نہ موہنی نے کروٹ لی اور نہ کوئی جواب دیا۔ پریم نے چراغ لیکر اُسکو غور سے دیکھا، نبض پر ہاتھ رکھا لیکن موہنی کو کچھ خبر نہوئی وہ تو ابدی نیند سے مست پڑی تھی، پریم کے ہاتھ سے چراغ چھوٹ گیا اور منھ سے ایک چیخ نکل گئی وہ موہنی کے بے حس و حرکت جسم پر گر کر ہمیشہ کے واسطے بیہوش ہوگیا۔ اس طرح ایک کو دنیا کی کشمکش سے اور دوسرے کو فراق کی مصیبت سے نجات ابدی حاصل ہوئی۔

سیّد رازؔ چاندپوری

فن طباعت میں اکثر ممالک میں تحریک ۱۸ ویں کی صورت میں رائج ہوا تھا اسی وقت سے اب تک جتنی کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، انکے متعلق مختلف اندازے لگائے گئے ہیں، ایک مستند ماہر کا خیال ہے کہ پندرھویں صدی میں .... ۴ سولھویں صدی میں .... ۵۷ سترھویں صدی میں .... ۱۲۵، اٹھارہویں صدی میں .... ۲۰۰، اور انیسویں صدی میں ..... ۸۲۵ کتابیں چھپی ہیں ان تمام کی مجموعی تعداد ۱۲۱۱۰۳ ہوتی ہے ان کے علاوہ .... ۱۵ رسائل بھی ہیں۔ بیسویں صدی میں برسال .... ۲۸ کتابیں چھپتی رہیں اور گزشتہ ۱۲ سالوں میں ..... ۴۴ کتب چھپیں ان تمام کتابوں کی مجموعی تعداد اب .... ۱۶۵ ہے قلمی کتب، سرکاری رپورٹ اور وقتی رسائل الگ ہیں۔ (معارف)

سیّد نظام الدین مدھنایک

جس طرح برادران ہنود نے فارسی شاعری اور بعض علوم اسلامیہ مین اپنی علمی دلچسپی کا اظہار کیا ہے اسی طرح اہل اسلام بھی ہندؤن کے ادبیات مین حصہ لیکر بہت کچھ شہرت حاصل کر چکے ہین یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو دلائل و براہین کی ضرورت سے بے نیاز ہے، ملک محمد جائسی، محقق برنی، فیضی، عبدالقادر بدایونی اور انکے مثل بزرگان سلف کی روشن ترین ہستیان اور ان کے علمی کارنامے اس دعویٰ کی شاہد عدل ہے۔

اس تمہید سے میرا یہ مدعا نہین کہ فریقین کا ایک دوسرے کی علمی خصوصیات پر متوجہ ہونا بعض عارضی اغراض پر مبنی تھا اور ہندی یا اسلامی علوم مین فی نفسہ مذاق سلیم کو جذب کر لینے کا مادہ نہ تھا۔ یہ تو ہدایۃً غلط ہوگا کیونکہ ادب اور شعر تو خصوصیت سے علم کے ایسے نمایان ترین شعبے ہین جو صرف انھین لوگون کو اپنی طرف کھینچتے ہین جنمین فطری طور پر رقت قلب و انجذاب محبت کا مادہ لطیف ودیعت ہوتا ہے اور یہ مادہ جس درجہ آزادی ذوق و تصفیہ خیال کا باعث ہوجایا کرتا ہے اسکا اظہار تحصیل حاصل ہے۔

بہرحال یہ امر طے شدہ ہے کہ شاعری ہر زبان کی ہندی ہو یا غیر ہندی اپنے اندر کچھ نہ کچھ ایسے دلفریب اور غیر معمولی اسباب تفریح رکھتی ہے جو بڑی حد تک جاذب ذوق و نظر ہوتے ہین اور اسی لیے شاعری مین قومیت و زبان کا سوال چنداں ضروری نہین۔

فارسی اور اُردو شاعری پر عہد حاضر کے رسائل مین آئے دن ذمہ دار اہل قلم کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہین اور اب ان مباحث نے ایسی اکثریت اختیار کر لی ہے کہ اس طرف سے عموماً لوگون کی توجہ کم ہوگئی ہے،

زمانہ مین بھاشا شاعری کے متعلق دو ایک مضمون میری نظر سے گذرے ہین یہ دیکھکر مجھے بھی شوق ہوا کہ اسی موضوع پر اپنی ناچیز معلومات پیش کرون۔ ساتھ ہی ہندو مسلم اتحاد کی

مبارک تحریک نے یہ خیال پیدا کیا کہ "بھاشا" بزرگان ہنود کی خاندانی اور قومی خصوصیت ہے۔ مسلمانون کا شغف بھاشا کے ساتھ البتہ قابل اعتبار ہوگا۔ اسلیے اس سلسلہ کی ابتدا کرنے کے لیے ذیل مین سید نظام الدین المخلص بہ مدہنا ایک بلگرامی کی ہندی شاعری پر مختصر تبصرہ معہ ضروری حالات کے ناظرین کی نذر کرتا ہون۔

تعارف خاندانی سید بدھا بلگرامی بلگرام کے مشہور صاحب سجادہ بزرگون مین سے تھے انہین کے سلسلہ مین سید نظام الدین ہین جن کے والد سید علاء الدین مرحوم سید صدر جہان رح کے پوتے تھے۔

تعلیم اور تکمیل استعداد ہوش سنبھالنے کے بعد ابتداً نظم و نثر کا شوق ہوا اور اس فن کو سندھ کے اُستاد ان عصر سے حاصل کرکے شعر گوئی مین کمال پیدا کیا اور فارسی مین اتنی قابلیت بہم پہنچائی کہ بڑی بڑی دقیق درسی کتابین بے تکلف پڑھانے لگے۔

آخر مین علوم ہندی کی طرف توجہ ہوئی تو شہر بناوس کا سفر اختیار کیا اور وہان کے مستند علما و ماہرین فن سے سنسکرت اور بھاشا کی مکمل تعلیم پائی۔ پھر اسی سلسلہ مین موسیقی مین اتنی مہارت پیدا کی کہ علم تال اور سنگیت مین انکا کوئی حریف نہ تھا۔ بڑے بڑے پنڈت اور کملائے فن ان کی تحقیق و نکتہ رسی کا دم بھرتے تھے اور اطراف و جوانب سے استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔

مدہنا ایک تخلص کرتے تھے، فن موسیقی مین دو کتابین بھی ان کی یادگار ہین۔ نادچندر کا اور مدھنا ایک سنگار۔ گوئے ابتک بعض بعض گانے کے وقت انکا نام لیتے اور کان پر ہاتھ رکھتے ہین۔ کان پر ہاتھ رکھنا یا کان پکڑنا ہندوستان کے قدیم تمدن کا ایک طرز ادب ہے۔ مرزا صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت مین بھی یہی مروج تھا۔

آتش نفسان گوش بتعظیم بگیرند ہر جا کہ من سوختہ را نام بر آید

اخلاقی خصوصیات سید صاحب کا شمار ان کے زمانہ کے نہایت باوضع اور کامل فن بزرگون مین تھا۔ سخاوت و مروت تو گویا انکی امتیازی خصوصیت ہے، خلق انکسار کا یہ عالم تھا کہ لوگ بروقت گھیرے رہتے تھے اور ان کی پیشانی پر شکن نہ آتی تھی۔ لطیفہ گوئی اور علم مجلسی مین اتنا کمال تھا

کہ مہذب سے مہذب مجلس مین بھی صرف انہین کا مذاق صحبت کامیاب ہوتا تھا۔

متفرق واقعات علامہ آزاد بلگرامی نے سید نظام الدین کے کمالات موسیقی کا اظہار کرتے ہوے ان کے متعلق ایک روایت ملکی ہے جو یہان درج کیجاتی ہے۔ اس روایت سے ناظرین کو ان کے تقدس نفس اور مہارت فن کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک دفعہ بلگرام مین امساک باران سے خلق خدا سخت پریشان ہوئی اور قحط کی صبر شکن تباہیان عام ہوگئین تو سید محمد فیض بلگرامی سید نظام الدین کی خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ زمانۂ سلف کے ناکون سے بہت سے تصرفات کا اظہار ہوا ہے جو عموماً لوگون کی زبان پر ہین، آجکل قحط سے بندگان خدا تباہ حال ہین اگر کوئی تصرف ممکن ہو تو ظاہر فرمائین۔ سید صاحب نے فرمایا "بندہ عاجز ہے، خدا کو ہر بات پر قدرت ہے، اور سید محمد فیض کے گھر جاکر ایک چوکی منگوائی اور اسپر بیٹھکر راگ مسگیہ شروع کیا۔

سید صاحب کا گانا اسقدر پُرکیف اور وجد آور ہوتا تھا کہ انسان تو انسان بعض وقت جانور بھی مست ہو جاتے تھے، ابھی گانے کا آغاز ہی تھا کہ بادل گھر آیا حالانکہ اس سے پہلے نام کو بھی ابر نہ تھا۔ سید محمد فیض نے کہا "حضرت کو بہت تکلیف ہوئی، اظہار تصرف کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مگر اسپر کوئی التفات نہ کیا اور برابر گانے مین مصروف رہے، یہانتک کہ چارون طرف سے بادل گھر کر پانی برسنا شروع ہوا اور اتنا برسا کہ طوفان کی نوبت آگئی۔ اہالیان قصبہ بہت ممنون ہوئے اور سید محمد فیض نے بہت معذرت کی۔

سید صاحب بلگرام کی ایک نازک ادا حسینہ کو دل دے بیٹھے تھے اور اسکی محبت مین اس قدر غلو رکھتے تھے کہ زندگی اسکے لیے وقف کر دی، چونکہ جذبات محبت غیر مصنوعی تھے اور بڑی حد تک اغراض نفسانی سے پاک۔ اسلئے دلدادہ کے ساتھ دلربا بھی محبت کا شکار ہوئی۔ سید صاحب نے زمانے کو موافق نہ دیکھکر محبوبہ کو ساتھ لیا اور شاہ آباد مین حسب قاعدہ مذہبی رسوم نکاح ادا کرنے کے بعد سکونت اختیار کی، نواب کمال الدین خان والی شاہ آباد سید صاحب کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے، اور ان کی مدت قیام تک برابر انکی مہمانداری مین مصروف رہے

وطن کیطرف معاودت اور وفات

بعد چندے وہان سے طبیعت اُچاٹ ہوئی اور بلگرام مین بھی ان کے خلاف شورش فرو ہوگئی تو وطن کا رُخ کیا اور پھر عرصہ تک قیام وطن کے لطف اُٹھاکر بتاریخ یکم رمضان المبارک ۱۰۹۹ھ وفات پائی۔

کبت

اب ہم ان کے چند کبت با ترجمہ درج کرتے ہین جس سے ان کی بہا کا شاعری کا پایہ معلوم ہوسکے گا۔

"کاری کجرا ری، اینا ری جگ موہنی کو تن بیچ ناری ات تنزل تر ی ہین"
"جلیسی ین ساوک جاوک جل بھرین پھرکین سو کیہون ریت نہ گھیسری ہین"
"لال مہنا یک جو میرو مَن موہنی کو نپ پنجری پنجر ا ہت نہ مہیسری ہین"
"ساولی کی سودھا رسو بھا مہا ادھکا ر ایسی مین کی کہلونان نین پیا ری سری ین"

ترجمہ

(تیری سیاہ زلفدار سرگین اور مردم فریب آنکھونکی لالہ گون سطح پر مردمک چشم اس ادا سے متحرک ہین گویا چھوٹی چھوٹی مچھلیان سرخ پانی مین شوخیان کر رہی ہین۔

مین دیوانہ ایک کہتا ہون تیری چشم نظر فریب قفس نقاب مین بھی آزادی سے صرف دلربائی ہے، اور میری طرف نگران، پھر تیرے ریشمین ڈوپٹہ نے نقاب کی سنبھال مین جو حسن پیدا کردیا ہے اسکا تو بیان بھی امکان سے باہر ہے۔ بہرحال اے معجمہ ناز! تیری آنکھین حسن مجسم کا راز ہین،

جو چترا ن چت چڑھے نہ بدھی بدھ بیدن گرنتہ نہ گائے
بھارتی بھوری کری بھیرمن جپ جوگن جوگ ایسنہ مہائے
جو کھ جوت جگی نہ تھکی مہنا یک گھونگھٹ چنچل تا ئے
جیس دو کول جبھی جبلکی اچھ برا جبت اچھہ رجہائے

نقاب کے اندر تیری آنکھون مین جو خوشنمائی معلوم ہوتی ہے ملائک اسکا اندازہ لگانے سے قاصر ہین اور کتب سماوی اسکے وصف سے عاجز، ناطقہ خود رفتہ و سرگردان ہے، اور زاہد و مرتاض اپنی سجدہ گردانی و ریاضت سے زیادہ اسکی تعریف مین ترزبان،

(قول مدھانیک، تری آنکھین ترے برق تاب چہرہ پر اسطرح ضیا پاشی مین مصروف ہین کہ نقاب کی حرکت ان کی نور افشانی مین کمی پیدا نہین کرسکتی بلکہ اس باریک پردہ مین ان مین ایسی ایسی بے مثل خوبیان پیدا ہوگئی ہین کہ زمانہ کی آنکھین گرویدہ ہوئی جاتی ہین۔

"کوئکے چند کی مرکنک آنک ویکیت کوئکے چہایا چت بھوتل پر کامس کی"
"کوئکی اندھکار بیوتھی سو ویکیت کوئکی کالمان کانک انیلتا کاس کی"
"مدہ کی سار ہرلینہون کرتار سب تاہی کی سنوار ی بھامان کا بہہ کی بلاس کی"
"تارل تین چہاتی چہید پڑے ہین چھپاکر کے وار پار دیکھیت نیلتا اکاس کی"

چاند کے سیاہ داغون کو کسی نے کہا ..... ماہتاب کی سواری مین جو آہوے سیاہ ہین یہ انکی سیاہی ہے۔ کسی نے کہا ..... زمین کا سایہ چاند پر ہے ..... یہ اسکا اثر ہے"، کوئی بولا "ماہتاب نے مشق و فجوریت کیا اسی سے یہ سیاہی پیدا ہوگئی ہے۔ مین مدھانیک کہتا ہون کہ اللہ نے چاند کا خلاصہ نور و خوبی لیکر اس باریک اندام مہ لقا کی تخلیق کی اسلیے چاند مین مورا خ ہوگیا اور ان موراخون سے آسمان کی سیاہی نظر آنے لگی۔

سبحان اللہ کیا لطیف اور نازک جذبات ہین اور کسقدر پاکیزہ تشبیہین۔ نہ اردو فارسی کے عام اور صوفیانہ شاعری کی طرح رقیب اور اغیار کے ہنگامے ہین نہ معشوق کے ہرجائی پن کا تذکرہ پھر خیالات مین وہ بلندی اور جاذبیت کہ باید و شاید۔

ابوالولا محمد زکریا مائی

ہندوستان کی ۳۱ کروڑ آبادی مین ۴۹ فیصدی کنوارے ہین اور ۴۶ فیصدی شادی شدہ اور ۵ فیصدی رنڈوے ہین،

عورتون مین ۳۴ فیصدی کنواری ۴۸ فیصدی شادی شدہ اور ۱۸ فیصدی بیوہ ہین

تنقید کتب

انگریزون نے پنجاب کسطرح لیا

اس کتاب مین وہ تمام واقعات وحالات شرح وبسط کے ساتھ مندرج ہین، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کے بعد پنجاب مین وقوع پذیر ہوئے۔ مؤلف نے تاریخی واقعات کو روشنی مین لاکر انگریزون کی ان حکمت عملیون کا راز فاش کرنے کی کوشش کی ہے، جو پنجاب کو قبضے مین لانے کے لیے وقوع پذیر ہوئین لیکن مولف نے اس کوشش مین سنجیدگی اور متانت کا دامن اپنے ہاتھ سے قطعاً چھوڑ دیا ہے۔ اور صرف تصویر کے ایک رخ کو نمایان کرنے مین کامل سرگرمی کا اظہار کیا ہے، کتاب کے مطالعہ کے بعد ایک منصف مزاج شخص فوراً یہ رائے قائم کرسکتا ہے، کہ مولف موصوف قوم پرستی کی دھن مین واقعات پر ٹھنڈے دل سے تبصرہ نہین کرسکا ہے، انشاپردازی اول تو کتاب مین بہت کم شامل ہے، کیونکہ تحریر ہے پنجابی اُردو کی جھلک کافی طور پر نمایان ہے، اور اگر کسی حد تک انشاپردازی مان بھی لی جائے تو وہ فریق کی مخالف تنقیص وسرزنش مین صرف ہوئی ہے، ٹائیٹل پر مہاراجہ دلیپ سنگھ کی تصویر بھی دیگئی ہے۔

اس کتاب کے مولف بھائی ٹھاکر سنگھ سودھین اور چھوٹی تقطیع کے ۲۰۷ صفحہ پر ختم ہوئی ہے کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت ٹائیٹل پر تحریر نہین ہے

ملنے کا پتہ، بھائی جیر سنگھ، جیون سنگھ، کتب فروش بازار میوان امرتسر

بزم اُردو

یہ نظم ونثر کا ایک جدید انتخاب ہے جسکے مرتب، احمد عارف صاحب، حیدرآبادی ہین، آپ نے کوشش کی ہے کہ اس انتخاب مین ملک کے بہترین شعراء اور انشاپردازون کا کلام جمع کیا جائے جو جماعت نہم کے طلباء کے لیے مفید ثابت ہو۔ سچ یہ ہے کہ آپ اس کوشش مین

بڑی سنگ کا میاب ہوئے ہیں۔

حصہ نظم میں اکثر وہی نظمیں ہیں جو اپنے انتخاب میں شامل ہوتی رہتی ہیں مثلاً لاڈلا بیٹا جوانمردی کا کام، حب وطن، بے اعتدالی، وغیرہ جو مولانا حالی کی مشہور نظمیں ہیں اور اس سے پہلے کورس میں بار بار شامل کیجا چکی ہیں۔ اسیطرح جاڑا اور گرمی، خواب راحت وغیرہ، جو مولوی محمد اسمٰعیل کے گذشتہ انتخابات میں شامل تھیں اور نیچے درجوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ہم سے یہ مراد نہیں کہ اس قسم کی نظمیں اب درس میں قایم ہی نہ کی جائیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ترقی کیطرف نظر رکھی جائے اور شعرائے جدید کی وہ نظمیں جنکے مطالب و محاسن ان پیش کردہ نظموں کے دوش بدوش ہوں۔ داخل نصاب کیجائیں۔ اس سے ایک طرف تو طلبا کے معلومات میں نیا اضافہ ہوتا رہے گا، اور دوسری طرف ملک میں اچھی نظمیں لکھنے کی تحریک ہوگی۔ مرتب حضرات کو اسبات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جو نظمیں کسی جماعت کے کورسوں میں انتخاب کی جا چکی ہیں انھیں اونچے درجے کے نصاب تعلیم میں نہ شامل کریں۔ کیونکہ ترقی میں تنزلی اور بلندی میں پستی کا رنگ ہرگز پسندیدہ نہیں ہوتا

ادبیات اردو میں، غزلیات رباعیات کا درجہ اتنا پست نہیں کہ انھیں انتخاب میں نہ شامل کیا جائے طلبا کو ادب اردو کے ہر صنف سے آگاہ کرنا چاہیے۔ ورنہ معلومات کی تکمیل نہیں ہو سکتی،

بہرصورت یہ انتخاب مفید اور دلچسپ ہے اور اس سے مولف کی دماغ سوزی اور قابلیت کا پتہ چلتا ہے،

کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب قیمت عہ/

ملنے کا پتہ، حکیم احمد عارف حیدرآبادی، گنڈہ گوشہ محل، حیدرآباد دکن۔

آریونکی پہلی آمد ہندوستان مین

(۱)

وہ دیکھ کہ موجین رقص کنان، ہین سطح زمین پر گنگا، کی
لہروار و آریہ حیرت مین، ہین دیکھ کے شان اس دریا کی
گنگوتری سے آتی ہے چلی، اٹکھیلیان کرتی دھار اُس کی
آزادی ہے تیور سے عیان، متوالی ہے رفتار اُس کی

(۲)

اُتر کی طرف جب اُٹھتی ہے، اس قافلۂ منعم کی نظر
پڑتی ہوئی کرنین سورج کی، ہین دیکھتے برف کے تودون پر
پرقلۂ کوہ ہمالہ پر، عظمت کے ہین بادل چھائے ہوئے
سینون کو ہین تانے دیو کھڑے، امبر سے سرونکو ملائے ہوئے

(۳)

برگد کے درختون کے جنگل، پھیلے ہین پہاڑ کے دامن مین
شاخین ہین جوانکی سایہ فگن، ظلمت کا سمان ہے ہر بن مین
پھرتے ہین وہ ہاتھی مست یہان، ہر دیو کا جنکے قد پہ گمان
یہ کالی گھٹا جب دوڑتی ہے، آتا ہے نظر ہیبت کا سمان

(۴)

ہین رنگ برنگ کے پھول کھلے، زینت ہے چمن کی شباب ان کا
کھولا ہے نسیم سحر نے ابھی، کس شان سے بند نقاب ان کا

آئے ہین مسافر ہند مین جو، خیبر کے دہن سے اُتر کے ابھی
دیکھے تھے اُنھون نے یہ لالہ و گل، پامیر کی وادی مین نہ کبھی

(۵)

طائر بھی یہان پیدا ہین کئے، قدرت نے عجب گلرنگ و حسین
گر زمزمے اُن کے رشی سُن لین، یاد آئے اُنھین فردوس برین
اندر کے اکھاڑے کی پریان، گاتی ہین جو دلکش راگنیان
یہ لوچ سُرون مین اُن کے نہین، یہ سوز گلون مین اُن کے کہان

(۶)

سورج کی چمکتی ہوئی کرنین، ہین چھیڑتی ٹھنڈی ہواؤن کو
بھر دیتی ہین نور و حرارت سے، باغونکو اور اُن کی فضاؤن کو
سُوتی ہوئی سوتین چشمونکی، اُٹھتی ہین سب آنکھین مل مل کر
دھارین ہین جو برف کے پانی کی، آتی ہین پہاڑون سے چل کر

(۷)

اے آریو! آؤ قدم رکھو، اِن حُسن بھرے گلزارون مین
جنّت کے مزے لوٹوگے سدا، اس پاک زمین کی بہارون مین
ہم گنگ و جمن کے کنارون پر، شہر اپنے نئے آباد کرو،
گا گا کے بھجن، کر کرکے ہون، ہو جاؤ مگن، دل شاد کرو،

وحید الدین سلیم پانی پتی

"ماں"

کی یاد میں یسیر بیٹے کے ذاتی جذبات

یہ تمنا تھی مری، دنیا میں، اے پروردگار — اپنی ماں کی قبر کا ہوتا مجاور، کاش، میں
اسطرح، اک ذاتِ اقدس کا تو ہوتا سوگوار — یونہی، کب، کہتا ہوں سینہ میں دلِ بشاش میں

بیٹھکر آنسو بہاتا۔ اپنی ماں کی قبر پر — جب دو غم سے دل بیتاب ہو جاتا بہت
لوگ پھر مجبور کر سکتے نہ مجھکو صبر پر — ایسی تلقینوں کا سد باب ہو جاتا بہت

یوں نہ ہرگز ضائع ہو سکتے مرے قطراتِ اشک — سینچتا اُن سے ہمیشہ سبزۂ تربت کو میں
پھر نہ اپنی قدر کھو سکتے، مرے قطراتِ اشک — دونوں عالم سے سمجھتا بڑھکے اس قسمت کو میں

گو جوانی میں مری آثارِ پیری آگئے — عہدِ طفلی کی مگر اب بھی ادا موجود ہے
سب اگرچہ سازِ ہستی کو مرے ٹھکرا گئے — اب بھی لیکن اس میں اک دلکش صدا موجود ہے

آہ، وہ دلکش صدا وہ پاک نغمہ ہے یہی — پیارا بیٹا اپنی ماں کا میں ہر اک حالت میں ہوں
کوئی دنیا میں ذرا مجھکو ستائے تو سہی — میں بہت محفوظ ماں کے دامنِ شفقت میں ہوں

آہ لیکن کسقدر ہے یہ حقیقت دلخراش — میں ہوں زندہ اور زندہ سیری پرچھائیں نہیں
دل ہے ٹکڑے ٹکڑے میرا اور جگر ہے پاش پاش — گرچہ میں بچہ نہیں لیکن نادان نہیں

اِک زمانہ ہو چکا ہے، ایک مدت ہو چکی — اپنی مان سے دُور مین ہون، اور مجھسے دور مان
زندگی کی مین سمجھتا ہون نہایت ہو چکی — اب مجھے ملجائیگی ارشد مری بھور مان

میرا مالک دیگا جنّت مین وہی جنّت مجھے
یعنی حاصل ہوگا، مان، کا دامن شفقت مجھے

ارشد تھانوی

جذباتِ فطرت

از محمد مبین نازش بدایونی

یہ کوشش کا مقدّر کٹے بج مین جوانی — نئی چھب ہو گوپیون کی رہے ہر گھڑی سہانی
کہین مور کوکتے ہین کہین جھومتے ہین بادل — کہین بلبلون کا اُٹھنا کہین لہر کی روانی
سُنی پی کہان کسی نے یہ بندھا نیا تصوّر — کہ اُبھر کے دلمین چوٹین بنین دشمن جوانی
ہو صدائین بانسری کی گئین مرغزارون کے گھر تک — چلین تُلسی ین کیجانب یہی سب نے جبین ٹھانی
وہ نگاہ شوخ جسپر ہون نثار اہل گوکل — وہ رسیلی آنکھ جسمین ہو شراب ارغوانی
اُٹھی بج سے گھٹا جب قدم اسطرح بڑھائے — یہ پکار اُٹھی جمنا کہ گلے گلے ہے پانی
کبھی آنکھ کے اشارے کبھی پٹ سے بند کرنا — کبھی دل ستان ادائین کبھی چھیڑ کچھ زبانی

وہ کنول سے پاؤن پوجے تو گمن مین ہو برہمن — نئے پھول نیلوفر کا اُسی پانون کی نشانی
گری موتیون کی مالا تو چمک اُٹھے ستارے — نظر آگیا زمین پر ہمین دور آسمانی

ہوئین برق خرمن دین وہ ستم نما نگاہین
نہ حجاب کی سُنی کچھ نہ حیا کی بات مانی

سہرا

بتقریب شادی بابو سری نراین نگم بی اے سلمہٗ

(۱)

۳ر جون کو اڈیٹر زمانہ کے فرزند اکبر سری نراین نگم بی۔ اے۔ کی شادی ہوئی، باپ کے لیے بیٹے کے سہرے کی تقریب ایک مسرت انگیز تقریب ہوتی ہے۔ خصوصاً ہندوستان مین (جہان لڑکون کی شادی کرنا بھی والدین کے فرائض مین داخل ہے) احباب اور اغیار اس خوشی مین خلوص دل سے شریک ہوئے، بعض سخنور احباب نے سہرے کے پیرائے مین اپنی دلی مسرت کا اظہار فرمایا، اس اشاعت مین دلی شکریہ کے ساتھ جناب احسن سہسوی (ناظم حلقۂ ادبیہ و انجمن حمایت اُردو) جناب اعظمی، اور جناب نازش بدایونی کے بلند پایہ سہرے درج زمانہ کیے جاتے ہین یہ جواہر ریزے اُردو کے خزانۂ عامرہ مین ممتاز جگہ پانے کے مستحق ہین۔

ایڈیٹر

دیا نراین کو ہو مبارک الٰہی نورِ نظر کا سہرا
اب اس سے بڑھکر بھی کیا خوشی ہے کہ باپ دیکھے پسر کا سہرا

جمال نوشاہ کا یہ عالم نظر نہ لگ جائے یا الٰہی
کہ رُخ پہ گلہائے تر کا سہرا پھر اُسپہ تارِ نظر کا سہرا

جو تابشِ رو سے اتقین سے پسینہ ٹپکا کبھی جبین سے
بنے ہین نوشہ سری نراین ہمیشہ پھولین پھلین وہ یارب

کہان یہ جوشِ بہار رنگین، وہ کہکشان ہو کہ عقد پروین
بندھا ہو جاہ و حشم کا کنگنا ہو سر پہ علم و ہنر کا سہرا

پتا بتا دین ہوا کے جھونکے کدھر کو ہے بارگاہِ نوشہ
فلک ابھی سب کو بھول جائے جو دیکھلے تیرے سر کا سہرا

اندھیری شب مین غریب شبنم چلی ہے لیکر گہر کا سہرا

جمال نوشاہ پر ہین صدقے ستارے بھی اور چاندنی بھی نثار سہرے کی ہر لڑی پر شعاع نورِ قمر کا سہرا
ہوئی ہے صبح نشاط ظاہر پڑھی ہین نوشہ کی سمت کیون کہ لائی ہین بہر رونمائی بنا کے نورِ سحر کا سہرا

کہلائے کیسے گلِ مضامین غضب ہوا حسن کی طبع رنگین
کلام ایسا کلامِ شیرین کہ اُس کے سر ہے اثر کا سہرا

احسن سنبھلی

(۲)

زبان ہو تو ہو نوشہ کا مدح خوان سہرا ہے دم بخود اسی حسرت سے بے زبان سہرا
بنا ہے جلوت و خلوت کا رازدان سہرا جہان جہان مرا نوشاہ ہے وہان سہرا
سُنا رہا ہے مسرت کی داستان سہرا زبان حال سے ہے میرا ہمزبان سہرا
یہ بزمِ عیش مبارک سری نراین کو خدا کرے کہ ہو اقبال کا نشان سہرا
جو سر کے گرد رہا تو بنا وہ ہالۂ ماہ جو کھل پڑا تو ہوا رشکِ کہکشان سہرا
خوشی کے پھول برستے ہین ہر طرف سر بزم عجب بہار سے ہے آج گلفشان سہرا
بھرے ہین شوق تمنا کے پھول دامن مین چھپا کے لایا ہے محفل مین گلستان سہرا
ستارے گوندھ کے تارِ شہابِ ثاقب مین بنائیگا مرے نوشہ کا آسمان سہرا
نگاہِ شوق سے نورِ جمال چھپ نہ سکا نقاب بنکے ہوا لاکھ درمیان سہرا
فروغ پر تو رخ سے ہے آسمان پہ دماغ سپہر حسن کا گویا ہے کہکشان سہرا
نظر نواز نہوتا جو جلوۂ نوشاہ تو پھر کہان نگہ شوق اور کہان سہرا

عجیب رنگ سے اے اعظمی پڑے نوشاہ
بنا کے لائی مری طبع نکتہ دان سہرا

اعظمی

جناب نارش کا سہرا اگلے نمبر مین ہدیہ ناظرین کیا جاوے گا

بزم سخن

امسال آل انڈیا کانفرنس کا اجلاس کلکتہ مین ہوا تھا اسی سلسلے مین ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوئی تھی ہمارے پاس صدر مشاعرہ کی غزلین شائع کیلئے ارسال کی ہین ہم ناظرین کی تفریح طبع کیلئے غزلون کا انتخاب پیش کرتے ہین

جناب جگر مرادآبادی

کیسے بجز ظاہری کعبۂ امتیاز مین
دونون جہان کو محو کر عشق کی ایک نماز مین

اپنی نظر کو دے فروغ، عالم سوز ساز مین
لاکھ نشاط روح ہے عشق کے اک گداز مین

توڑ کے سب قیود عشق چل دل مدعا طلب
بالب خشک آہ سرد اُس کی حریم ناز مین

جلد سکون و عیش سے اُٹھا کہ بیخبر
تیری بقا کا راز ہے، سوز و گداز مین

اسکی خلاف مصلحت ٹوٹ نہ جائے یہ نظام
عشق کو بے ضرر بنا، عالم امتیاز مین

حسن کمال عشق کا کوئی کمال رہ نہ جائے
ناز کا اک سبق بھی لے درس گہہ نیاز مین

مشرق غم سے کر طلوع ایک وہ آفتاب حسن
ڈوب سکے نہ جو کبھی، مغرب امتیاز مین

اصل سے ہو کے بیخبر ڈھونڈھ نہ اے دل حزین
عیش دوام عافیت غمکدۂ مجاز مین

یہ جو ہے ایک لذت بیخودی فنائے عشق
ابتو اسے بھی دفن کر مشہد امتیاز مین

دونون جہان مین وہ قدم، اول و آخر ہوں
انکو اُٹھا، تو ہو ابھی خاص حریم ناز مین

دیگر

ہو کے فنائے ذات حق دل مرا سوز ساز مین
مرکز اصل بنگیا، دائرہ مجاز مین

دونون جہان تھے غرق و محو جسکی نگاہ ناز مین
ایسا بھی اک بت ملا، بتکدۂ مجاز مین

اصل مین جلوہ گر کبھی، غرق کبھی مجاز مین
مین بھی عجیب راز ہون، عالم امتیاز مین

ہم کہ ہین طالبان حق، ڈھونڈھ ہی لینگے روشنی — مین بھی عجیب راز ہون، عالم امتیاز مین
فتنے وہ سائے عشق کے بنگئے نور معرفت — کھیل رہے تھے، جو ابھی دامن امتیاز مین
اب نہ وہ سعی مضطرب، اب نہ وہ کاوش عمل — ڈوب گئے تمام حسن، نفس بہانہ ساز مین
غیر جو ناکام ہے اسکے نصیب کی کمی، — مجھکو تو اک مزا ملا، ہر غم جہاں نگداز مین
ایک نگاہ باطنی جو ہے امید گاہ عشق، — یہ بھی کہین اُلجھ نہ جائے، دانگہ مجاز مین
دیدۂ بوالہوس سہی، خود وہ نہان کیے ہوئے — جلوۂ رنگ رنگ کو پردۂ راز راز مین
لرزش متصل مین اب لطف سماع وہ کہان — لذت نغمہ پائی تھی جیسی سکوت ساز مین
پھیلے پڑے ہین جسقدر حسن کے جلوۂ لطیف — جی مین ہے سب سمیٹ لون دامن امتیاز مین
جنکے وہ آفتاب حسن آج ہے پیش چشم شوق — داغ سا اک جو تھا کبھی، ناصیۂ نیاز مین
وحدت خاص عشق مین، ذکر ہی غیریت کا کیا، — اپنے ہی جلوے دیکھیے اپنی ہی بزم ناز مین
اشک اگر نہین تو کر، صرف تمام خون دل — چاہیے اک نیا وضو عشق کی ہر نماز مین
جسم کی سب کثافتین روح کی سب لطافتین — پاک ہر ایک چیز ہے، دیدۂ پاکباز مین

کام نہ آئین عقل کی عقدہ کشائیان جگر
اور اضافہ ہو گیا سلسلہ ہائے راز مین

منشی جگت موہن لعل صاحب رواں

جلوے تھے جتنے مضطرب دل کی حریم ناز مین — عقل نے جذب کر لیے ناصیۂ نیاز مین
عالم محویت ہے یہ شدت سوز و ساز مین — ترک نماز ہے نہان میری، ہر اک نماز مین
سنگ زمین کعبہ خود بڑھکے جبین کو بوسہ دے — ایسے بھی چند سجدے ہین ناصیۂ نیاز مین
کاش عطا ہو پھر وہی، نور نشاط بیخودی — قلب سیاہ ہو گیا، کاوش امتیاز مین
حال کھلے تو کس طرح یار کی بزم ناز کا، — جو ہے یہان وہ مست ہے اپنے ہی سوز و ساز مین
بادہ کشان ذوق کے صعف حواس پر نجا — نعمت بیخودی بھی ہے خمکدۂ مجاز مین
ناخن امتیاز کی عقدہ کشائیان کجا، — آپ مین رہ نہ سکیا، سعی کشود راز مین
نقد نیاز غزنوی وجہ قبول ہو گیا، — تاج شہی تھا پائمال، بارگہ ایاز مین

وجد میں روح آرزو، رقص میں ذرہ ہائے دل — اُف یہ کسی نے کیا کہا، خاص زبان راز میں
لائے ہیں چند لخت دل نذرِ نیاز کو ترا — دیکھیں اگر قبول ہو خدمتِ بے نیاز میں

جناب فرحت کانپوری

عشق کا مرتبہ تو دیکھ حسن کی بزمِ ناز میں — خاک نشین ہے غزنوی، بارگہِ ایاز میں
مطربِ غم ہے زمزمہ زن، پردۂ سوز و ساز میں — نغمۂ غم ہے مستتر، نالۂ دل گداز میں
آ تو پھر اسطرح سے آ، دوست کی بزمِ ناز میں — سر کی بھی کچھ خبر نہو، سجدۂ بے نیاز میں
دیکھ کے آستانِ دوست عقل کے ہوش اُڑ گئے — دخل کہاں حواس کا حسن کی بزمِ ناز میں
واہ رے شانِ اضطراب، ہیں ہو کوئی برقِ حسن — جلوے تڑپ رہے ہیں آج، داغِ سوز ساز میں
سُن کے مری شکایتیں، ناز سے مسکرا دیئے — چھپ گئیں سب کدورتیں، خندۂ غدر ساز میں
یار کا پائے ناز تھا، میرا سرِ نیاز تھا — سوزِ جگر سے ساز تھا، جلوہ گہ نماز میں
کیوں ہے مریضِ غم اودا کیا نہیں زندگی کی آس — اشک اُمنڈ رہے ہیں آج دیدۂ چارہ ساز میں
فرحت آرزو پسند، ہوش میں آخودی کو چھوڑ — دیکھ یہ کس کا عکس ہے، آئینہ مجاز میں

سید ابو محمد ثاقب کانپوری

دل ہے حقیقت آشنا جلوہ گہ مجاز میں — حسنِ ازل ہے مستتر عشق کے سوز ساز میں
خواہشِ علم ہے فضول حرفِ غلط ہے انکشاف، — ایک طلسمِ راز ہے ہستیِ کارساز میں
اس میں نہاں ہیں دیکھ لے سیریِ بیخودی کے راز — سجدے کے جو نشان ہیں ناصیۂ نیاز میں
تری سمجھ سے ہے بلند ہستیِ رازِ کائنات — عقل پہ کر نہ جبر تو کوششِ امتیاز میں
موت اب اختصار کر کشمکشِ حیات کو — باس کا رنگ ہے عیاں کوششِ چارہ ساز میں

جناب بادی مدراسی (ویلوری)

دل کو ملا رہا ہو نہیں خاک رہِ نیاز میں — کیونکہ ہے بیدلی پسند اُن کی حریمِ ناز میں
راحتِ دلنواز ہے نازِ جگر گداز میں — یعنی وفا کی شان ہے حسنِ جفا طراز میں
اُٹھنے لگا حجاب راز کھلنے لگیں حقیقتیں — آئینہ بن رہا ہے دل جلوہ گہِ مجاز میں
پھر کوئی یاد آگیا بڑھ گیا اضطرابِ شوق — زور سے روح پھونکدی نالۂ دل گداز میں



فصلی بخار وطحال کی دوا



فصلی بخار وطحال کیلئے یہ ایک دوا ہے!

آجکل سینکڑوں شہادتیں فصلی بخار وطحال کی دوا کے آپنے دیکھے ہونگے مگر انمیں عموماً کونین مخلوط رہتی ہے اسلیئے یہ دوائین بخار کو کچھ وقت تک روک دیتی ہیں مگر جڑ سے آرام نہیں کر سکتی ہیں، ایسے بخار کے لیے ڈاکٹر ایس کے بن کی فصلی بخار وطحال کی دوا چند روز میں ایکدم آرام کرنے کا خاص دعویٰ رکھتی ہے اور عوام کے فائدہ کو ملحوظ رکھکر قیمت بھی بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ اسمین تین خاص صفتین ہین۔

(۱) یہ ملیریا کے کیڑون کو مار دیتی ہے اسلیئے چار پانچ ہی خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ خون کو بڑھا کر تی ہے اور اُسکی خرابیون کو مٹاتی ہے۔

(۳) یہ طحال کو گلاتی ہے۔ قیمت فی شیشی کلان عدد شیشی خورد ۱ر محصول ڈاک شیشی کلان ۰ر اور خورد ۷ر

پُرانے ملیریا بخار کی گولیان

زور بخار پُرانا ہو جاتا ہے یا ہر روز سے نہ آکر دن رات تھوڑا بہت چڑھا رہتا ہے جسم کا خون پانی سا ہو جاتا ہے اور رنگ پھیکا میلا ہو جاتا ہے تھوڑی محنت سے کلیجہ کانپنے لگتا ہے سانس پھولتی ہے۔ کھانے کی خواہش اور قوت بہت ہی گھٹ جاتی ہے۔ پی کے پیٹ سے پیٹ لگ جاتا ہے۔ کبھی ہاتھ اور ہاتھ پیر دن بدن کم ہوتے جاتا ہے اور زندگی وبال ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت مین یہ گولیان فائدہ کرتی ہین اور چار پانچ ہی خوراک مین بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ قیمت پچیس گولیون کی ڈبیہ ۱ر محصول ڈاک ایکدبہ سے دو ڈبیہ تک ۲ر

کونین گولیان

یہ چار گرین کی خوبصورت چھوٹی چھوٹی ٹکیان کل مین بنتی ہین اور سنہری پیٹنٹ ڈبیہ مین ہوتی ہین کونین کا استعمال کرنا ہو تو یہ گولیان اپنے پاس رکھیے۔ اسمین نہ وزن کی ضرورت ہے نہ کھانے مین تلخ ہے قیمت ۲۵ گولیون کی ڈبیہ ۱ر محصول ڈاک ۲ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ ترا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایجنٹ ڈی دین اینڈ سنز۔ کلکٹر گنج کانپور

ہفتہ وار آزاد گزٹ

اردو کا بہترین ملکی اخبار جو اڈیٹر زمانہ کی زیر نگرانی ہر پنجشنبہ کو کانپور سے شایع ہوتا ہے۔ آزاد ملکی واقعات کا ایک کمل آئینہ ہے

قیمت سالانہ للعہ ششماہی ۱ر نمونہ مفت۔ منیجر آزاد کانپور

باہتمام منشی دیا نرائن نگم بی۔ اے زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا

قوت بڑھانیوالی عجیب طاقت دینے والی تمام قسم کے جریان اور
سلسل بول و براز کرنیوالی ہمالیہ بوٹی کی اکسیر اعظم دوا

شدھ سلاجیت

اسکے استعمال سے خواب میں احتلام ہونا اور دھات پتلا پڑجانا تمام قسم کے جریان اور پیشاب کا زیادہ آنا۔ بدن کی سستی، درد کمر، تھکاوٹ۔ بھوک کم لگنا۔ دماغی طاقت کا کم ہوجانا۔ کھانسی اور بعد سے خون آنا گھٹیا ہوجانا تمام بدن میں درد ہونا۔ بواسیر خونی وبادی۔ سفید کوڑھ۔ سوزاک جدید وکہنہ اور مرگی کی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔

قیمت ۵ تولہ عیار ۱۰ تولہ للچہ خرچہ ڈاک ۵ر
قیمت ۲ تولہ سے ۴ تولہ وپیہ ۰ ۰ ۱۰ر

برہمی بوٹی بجکا

اسکے تھوڑے ہی دن استعمال کرنے سے یادداشت بہت تیز ہوجاتی ہے اور حافظہ کو جسم کی خوبصورتی اور گٹھن کو۔ آنکھوں کی روشنی بڑھانے کو بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ وکیل بیرسٹر طلبا۔ ڈاکٹر۔ منیجر۔ انجینیر۔ غرض یہ کہ دماغ کا کام کرنیکے لیے ہر انسان کو ضرور استعمال کرنی چاہیے۔ یہ گویائی کوڑھ۔ یرقان۔ بواسیر۔ کھانسی زہریلی سوجن وغیرہ کو آرام کرتی ہے اور بولی آواز کو صاف اور باریک کرتی ہے۔ قیمت ایکروپیہ آٹھ آنہ بہر خرچ ڈاک ۵ر تین ڈبیوں کے خریدار کو خرچہ ڈاک معاف۔

سوزاک کی دوا

اس دوا کے سات استعمال کرنے سے کیسا ہی نیا اور پرانا سوزاک ہو فوراً آرام ہوجاتا ہے دو خوراک دوا کھاتے ہی پیشاب کی جلن۔ کڑک اور پیلی رنگت جاتی رہتی ہے دھار کے ساتھ پیشاب ہونے لگتا ہے۔ مواد اور خون بند ہوجاتا ہے سات روز استعمال کرنے سے سوزاک کو بالکل صحت ہوجاتی ہے قیمت صرف دو روپیہ عیار خرچہ ڈاک ۵ر (نوٹ) پرچہ ترکیب استعمال ہر دوا کے ہمراہ روانہ کیا جاتا ہے۔

المشتہر

منیجر۔ ہمالیہ ڈپو۔ مراد آباد۔ یو۔ پی

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

انجمن

جامعہ عثمانیہ

۱۔ ارکین مجلس کا مجلس منتظمہ

۲۔ مجلس منتظمہ کی ایک تہائی

۳۔ ارکین مجلس منتظمہ

۴۔ کتابوں کی

۵۔ کتابوں کی

۶۔ کتابوں کی

۷۔ کتابوں کی

۸۔ کتابوں کی

۹۔ کتابوں کی

۱۰۔ کتابوں کی

۱۱۔ کتابوں کی

۱۲۔ کتابوں کی

۱۳۔ کتابوں کی

۱۴۔ کتابوں کی

۱۵۔ کتابوں کی

۱۶۔ کتابوں کی

۱۷۔ کتابوں کی

۱۸۔ کتابوں کی

۱۹۔ کتابوں کی

۲۰۔ کتابوں کی